Peace tv
The Solution for Humanity

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

بے شک! اسلام ہی دینِ برحق ہے

دینِ برحق کی دعوت و تبلیغ کیلئے
ایک نایاب تحفہ



مقرر
عبدالرحیم گرین سلفی

مترجم
کاظم حسین کاظمی

Peace TV Channel

پر نشر کیئے گئے نومسلم برادر ''الشیخ عبدالرحیم گرین سلفی'' کے اُن بیانات

"The Proof That Islam Is The Truth"

کا اردو ترجمہ جن میں وہ تاریخ، بائبل، قرآن وحدیث، سائنس کے مصدقہ اصولوں اور اہلِ کتاب میں سے حق شناس لوگوں کی گواہیوں میں سے تحقیق و تخریج کے علاوہ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی علاماتِ قیامت کی روشنی میں بالآخر یہ ثابت کرتے ہیں کہ:

بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے

مقرر: عبدالرحیم گرین سلفی

مترجم: کاظم حسین کاظمی (انگہ، وادی سُون، خوشاب)

دینِ برحق کی دعوت و تبلیغ کے لیے ایک نایاب تحفہ

شاکرین

نام کتاب -------- بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے

ناشر -------- شاکرین

کمپوزنگ -------- وسیم مصطفیٰ 0333-4423994

LGF-74، سنٹرل پلازہ، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

پرنٹرز -------- آر۔آر۔ پرنٹرز۔ بند روڈ، لاہور

قیمت -------- 450 روپے

اہتمام اشاعت -------- خلاد شاکر۔

فہرست ابواب

انتساب

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے
نہایت محبت و احترام کے ساتھ
جو جو فوڈ فیکٹری گوجرانوالہ کے مالکان

محترم جناب عبدالحلیم

اور

محترم جناب محمد جمال

کے نام جو دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت، دعوت و تبلیغ اور اس کی سربلندی کے لیے، دریا دلی سے مالی وسائل فراہم کرتے ہوئے مدتوں سے عالم اسلام کے نامور علماء کے دیگر ادیان کے علماء کے ساتھ انگریزی زبان میں کئے گئے مناظروں کے علاوہ مغربی ممالک کے کتنے ہی ''مسلم'' اور بالخصوص ''نومسلم سکالرز'' کے ویڈیو بیانات اوران کی طرف سے پیش کردہ تاریخ، آسمانی کتابوں اور سائنس کے مصدقہ اصولوں کی تعلیمات میں سے تحقیق وتخریج سے مزین ان (انگریزی) دستاویزی فلموں پر اردو زبان میں ''ڈبنگ'' کروا کروا کر عوام الناس تک پہنچاتے چلے آرہے ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ

''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے''

قصۂ دل

میرا گمانِ غالب ہے کہ ''Peace Tv channel'' کی اُردو کی نشریات شروع ہونے سے پہلے میں عالمِ اسلام کے قابلِ فخر مبلغ ڈاکٹر ذاکرعبدالکریم نائیک کے کئی ایک یادگار مناظروں اور مذاہب عالم میں خدا کے تصور سے متعلق ان کے بیسیوں بیانات کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر چکا تھا۔

اُدھر ڈاکٹر صاحب، دیگر مذاہب کے علماء کے ساتھ کوئی مناظرہ کرتے،............اسلام کی حقانیت سے متعلق ...... مذاہب عالم میں خدا کے تصور، یا کیا قرآن اللہ کا کلام ہے جیسے کسی بھی موضوع پر لب کشائی کرتے اور اِدھر چند دنوں بعد ہی ہمیں ان خطبات کی '' ویڈیوز'' مل جاتی تھیں، اور پھر ان کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر دیا جاتا تھا، البتہ کسی انگریزی کی کتاب یا انگریزی کے متن کا اُردو زبان میں ترجمہ کرنے کی نسبت یہاں معاملہ قدرے مختلف تھا، مقررین کے '' خطبات'' کی ویڈیوز سے کمپیوٹر پر ان کے بیانات کو سُن سُن کر، اُن کے لب و لہجے اور اندازِ تخاطب کو ذہن میں رکھتے ہوئے، ان کے بیانات کے ایک ایک فقرے کا ناپ تول کر ترجمہ کیا جاتا تھا۔ محتاط انداز کے ساتھ............! کیوں بھلا............؟

کیونکہ بعد میں برادرم سہیل اختر (Sohailaudio@gmail.com) کے سٹوڈیو میں، ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن کے قابلِ فخر، عالمی شہرت یافتہ، محترم عارف زیبائی جیسے ''پروفیشنل'' صدا کاروں کی آوازوں میں ان مقررین کی اصل ''انگلش ویڈیوز'' (یعنی خطبات) پر میرے کیے گئے ترجمے سے ''Dubbing'' کی جاتی تھی۔

پھر اُردو ''ڈبنگ'' والی اس ''ماسٹر کاپی'' سے دعوت و تبلیغ کی نیت سے حسبِ ضرورت

مزید Videos بنوا کر تقسیم کی جاتی تھیں!

......ڈاکٹر صاحب کے خطبات کے تراجم شائع ہونے لگے، ان پر سب سے زیادہ بروقت اور مؤثر کام جہلم بک کارنر کے ناشر برادرم امر شاہد صاحب نے کیا۔

سید ریحان شاہ صاحب کے ترجمے کو بے پناہ پذیرائی ملی، حتی کہ ان کے اس کام کو کئی ایک پبلشرز اور ناشران نے نقل کیا............ (واللہ اعلم) ''شکایات'' بھری ''مصدقہ'' اطلاعات تو یہی تھیں۔لیکن ''Dubbing'' والا ہمارا طریقہء کار قدرے مختلف اور یقینا ''تیز ترین'' اور ''زوداثر'' تھا۔

اس دوران میں نے ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک کے علاوہ، شیخ احمد دیدات اور کئی ایک مغربی مسلم اور نومسلم سکالرز کے ویڈیو بیانات کا انگریزی زبان سے اُردو زبان میں ترجمہ کیا۔قرآن اور سائنس کے حوالے سے ہارون یحییٰ اور دیگر کئی ایک مسلم ''سکالرز'' کی پیش کردہ دستاویزی فلموں کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا......اور یوں ان خطبات، بیانات اور ان فلموں پر میرے کیے گئے ''ترجمے'' سے ''Dubbing'' کی جاتی رہی۔

یہ وہ دور تھا جب برادرم سہیل اختر صاحب کے سٹوڈیو میں ایک ''جہادی'' سماں برپا ہوا کرتا تھا، بالخصوص......نومسلم ''سکالرز'' کے ''اسلام کی حقانیت'' کے ثبوت میں، دعوت وتبلیغ سے ''مزین'' ویڈیو خطبات پر تو ''والہانہ عشق ومستی'' کے ساتھ ''کام'' ہوا کرتا تھا۔

مترجم، ریکارڈسٹ اور پھر ''Voice over'' کرنے والے ''مجاہدین'' حضرات سب کے سب...... ہر کوئی اپنے اپنے محاذ پر ڈٹا ہوا تھا......اس ''کارِخیر'' کا معاوضہ بھی ملتا تھا۔لیکن میرے نزدیک اس معرکے میں کچھ ''مجاہدین'' تو ایسے بھی تھے جو بھوک، پیاس اور اپنے آرام کے علاوہ معاوضے کی بھی ''پرواہ'' کیے بغیر............اس ''میدان کارزار''

میں پل پل نئے جوشِ جنوں اور تر وتازگی کے ''ولولے'' کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے!

کتنا بابرکت ''دورانیہ'' تھا یہ!!

لیکن چلتے چلتے............خدا معلوم کیا ہوا!!!

ہمارے درمیان کچھ ''کاروباری'' ''دوکاندار'' لوگ آ گئے یا ہمارے ''اخلاص'' میں کچھ ''کمی'' آ گئی............''Peace Tv Chanel'' کی اُردو کی نشریات شروع ہوگئیں...... ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک نے خود بھی اُردو میں تقاریر کرنا شروع کر دیں............یا ان کے خلاف کیا گیا ''اپنوں کا ہی'' منفی پروپیگنڈہ اپنا کام کر گیا۔

ہم نے ترجمہ غیر معیاری............خلط ملط کر دیا یا ریکارڈسٹ برادرم سہیل اختر کی ''مصروفیات'' بہت بڑھ گئیں!

معاملات کو جوں کا توں رکھنے والے ''ماہرین'' ''Original Videos'' لینے کے بہانے ''دبئ'' چلے گئے یا غیر تربیت یافتہ ''صداکاروں'' کی آوازوں میں ''Samples'' بنوا، بنوا کر............محض ''خانہ پُری' کی جاتی رہی............بجلی کے ''مسلسل تعطل'' نے مجاہدین کے جذبۂ جنوں کو سرد کر دیا یا پھر محترم عارف زیبائی جیسے ''اخلاص کی چمک دمک'' رکھنے والے ''ہیروں'' کی قدر نہ کی گئی............

کچھ تو ہوا............کہ اس ''محاذ'' پر نبرد آزما ''مجاہدین'' کی معرکہ آرائی ایک مدت کے لیے ختم ہو کے رہ گئی۔

مجاہدین کے باہمی تعلقات میں دراڑیں آنے لگیں............اور آخر کار اس معرکے میں مالی بے ضابطگیوں، وعدہ خلافیوں، ٹال مٹول، مکروفریب اور بالخصوص ''جھوٹ'' ایسی

''سیہ گھٹاؤں'' نے اس محاذ کی ''نورانیت'' کو یکسر ختم کر دیا۔

''مجاہدین'' کے مابین غلط فہمیاں اس ''نوبت'' تک پہنچ گئیں کہ اُن کی زبانوں سے ایک دوسرے کے لیے ''اِدھر ہم...... اُدھر تم'' جیسی بڑھکیں سنائی دینے لگیں۔...... (مفہوم)

کچھ کلمہ گو ''روشن ضمیروں'' نے تو سارا کام کروا کر............اور ''ادائیگی'' کے تقاضے پر......اس حد تک کہہ دیا کہ ''دراصل کچھ عرصے سے سپلائی لائن بند ہے............مفہوم'' اور ہاں ...... یہ کام......یہ کام ...... تو میں نے تمہیں کہا ہی نہیں تھا......لیکن وہ مجاہد ہی کیا جسے اپنی ''سپلائی لائن'' کا علم ہی نہ ہو۔تحقیقات پر کیا کچھ سامنے آیا............ خدا پناہ......خدا پناہ!!!

معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کی دعوت سے جذباتی وابستگی رکھنے والے'' Jo Jo Food Company'' کے مالکان محترم ومکرم عبدالحلیم صاحب اور برادرم جمال صاحب خالصتاً قرآن وسنت کی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے جذبے کے تحت، دعوتی، تحریکی اور تبلیغی مقاصد کے پیشِ نظر ہر ایسی ''مہم'' کے لیے دریا دلی سے مالی وسائل فراہم کرتے تھے۔ (اور کرتے ہیں) یہ ہیں وہ حضرات جو مدتوں سے کتنے ہی غیر ملکی، مغربی مسلم مفکرین اور بالخصوص نومسلم مفکرین کی اسلام کی حقانیت سے متعلق تاریخ، قرآن، سائنس اور بائبل میں سے تحقیق وتخریج سے مزین دستاویزی فلموں اوران کے بیانات کی ویڈیوز کے تراجم کروا کروا کر اور پھر ان پر اردو ''ڈبنگ'' کروا کروا کر عوام الناس کو ان مفکرین کی حق شناسی سے متعارف کرواتے چلے آرہے ہیں۔معلوم ہوا کہ وہ تو ایسے ''معرکوں'' میں برسرِ پیکار ہر ہر مجاہد کی ضروریات کا نہ صرف خیال رکھتے ہیں بلکہ اس ''امر''

کی اہمیت کا ''احساس'' بھی کرتے ہیں۔

اس بات کا ''یقینِ کامل'' مجھے اس وقت ہوا جب اسی سٹوڈیو میں عرصہ دراز کے بعد......پھر ایسے ہی کسی ''محاذ'' پر ''الشیخ عمران حسین'' کے خطبات کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کے لیے برادرم سہیل اختر صاحب نے بالآخر مدتوں کے بعد......ایک بار پھر اپنے مخصوص ''حسنِ اخلاق'' سے مجھے راضی کر ہی لیا۔

حسنِ اتفاق سے ان دنوں لاہور میں ڈینگی بخار کا خوف لوگوں کے اعصاب پر مسلط تھا، خیر میں نے دن رات سٹوڈیو میں کام کیا اور اس محاذ پر پھیلی تیرگی کو دور کرنے کے لیے اخلاص کے ساتھ اپنے خون پسینے اور محنت کی شمعیں روشن کرنے کی حتی المقدور کوشش کی!

لیکن چند دنوں بعد ہی مجھے بھی ''ڈینگی بخار'' ہو گیا اور میں دیکھتے ہی دیکھتے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ اس مرتبہ تو 'کاروباری' لوگوں نے ''بے حسی'' کی انتہا کر دی۔ میں نے بالآخر حالات سے ''مجبور'' ہو کر اپنے قصۂ دل سے jo jo food company کے مالکان کو آگاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بالآخر برادرم جمال صاحب سے رابطہ ہوا۔......واللہ! میرے حالات اور میری کیفیت سے آگاہ ہوتے ہی انہوں نے جس ''برق رفتاری'' اور جن نیک تمناؤں کے جذبے کے ساتھ ''موت وحیات'' کے اس ''مورچے'' میں مجھے ''زادِ راہ'' کی صورت میں ''رسد'' بہم پہنچائی...... تو......ان کے اس عمل نے میرے ایمان کو تقویت بخشی، انسانیت پر میرا یقین بڑھ گیا............!

حالانکہ ان سے میری کبھی بھی کسی بھی مقام پر ملاقات تک نہ ہوئی تھی ......لیکن ''Hot Line'' پر اس مختصر ترین رابطے سے یہ عُقدہ تو وا ہوا کہ ''سپلائی لائن'' تو کبھی بند ہوئی ہی نہ تھی۔

معلوم ہوا کہ وہ تو اپنی طرف سے چنے گئے ایسے ہر''محاذ''پر متعین ہر ہر مجاہد کی ضروریات کا صرف خیال ہی نہیں رکھتے، اُن کا احساس بھی کرتے ہیں۔......اور ہر ہر مجاہد کے لیے خواہ اس کے نصیب میں......خواہ اس کے نصیب میں کوئی بھی مختصر سی''خدمت'' آ جائے اس کے لیے زادِراہ روانہ کرتے رہتے ہیں!......(تو پھر درمیان میں یہ کون لوگ تھے......؟)اور کیا کچھ سامنے آیا............

اور میرے ساتھ پچھلے دو تین سال سے جو''سلوک'' کیا گیا............خدا پناہ! بیان کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔خیر............!

قارئین کرام یہ کتاب دراصل''Peace Tv Channel'' پر ہی دیئے گئے الشیخ عبدالرحیم گرین سلفی کے ان سلسلہ وار ویڈیو بیانات

'' The Proof That Islam Is The Truth''

کا ترجمہ ہے جس کا نام میں نے''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔''رکھا ہے۔یہ ترجمہ دراصل ان کے انگریزی زبان میں دیئے گئے ویڈیو بیانات کو کمپیوٹر کے ذریعے ایک ایک فقرہ سن کر......ان کی ویڈیوز پر اُردو''Dubbing'' کی غرض سے کیا گیا تھا، مگر افسوس صد افسوس! کہ''معاملات میں کچھ بے ضابطگیوں'' کی بنا پر کئی سال تک اس پر کام نہ ہو سکا۔

سو، میں نے اس تمام تر''مواد'' کو نئے سرے سے مرتب کر کے کتابی صورت میں چھاپنے کا فیصلہ کیا ہے۔اس مسودے کی نوک پلک سنواری گئی ہے اور بالخصوص ان قرآنی آیات کو عربی متن کے ساتھ اس مسودے میں شامل کیا گیا ہے جنہیں الشیخ عبدالرحیم گرین صاحب نے حوالہ جات کے طور پر پیش کیا تھا۔

''Dubbing'' میں تو مجبوری یہ ہوتی ہے کہ مقرر کے لب و لہجے ،اس کے اندازِ تخاطب اور بعض اوقات اس کے ناز و انداز کا بھی خیال رکھتے ہوئے ......ترجمے کو ''Sink'' کرنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے صرف اور صرف مفہوم کی ادائیگی کی غرض سے لازمی طور پر صحیح ترجمے میں بھی کمی بیشی کرنا پڑتی ہے۔الشیخ عبدالرحیم گرین کا ہر بیان تقریباً ''چوبیس منٹ'' پر مشتمل تھا،جس کے درمیان وہ مختصر سا وقفہ بھی لیتے تھے۔

سو کتابی صورت میں مرتب کرتے ہوئے میں نے وہ اعلانات '' یکسر حذف'' کر دیئے ہیں جو وہ وقفے سے پہلے...... یا وقفے کے بعد کرتے تھے،اور یوں میں نے حتی المقدوران کے بیانات کے دوران،فطرتی ربط اور تسلسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ وحدہ لاشریک کے حضور عاجزانہ التجا ہے کہ وہ میری اس '' کوشش'' کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہوئے اسے جہالت و گمراہی کی تند و تاریک وادی میں بھٹکتے ہوئے ان نام نہاد مسلمانوں ، اُن تمام تر لوگوں (بالخصوص پڑھے لکھے عیسائی نوجوانوں) کے لیے مینارۂ نور بنائے جو آج صراطِ مستقیم کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں!

اس ترجمے سے متعلق آپ کی آراء،آپ کے مفید مشوروں اور مثبت تنقید کا شدت سے انتظار رہے گا۔

کاظم حسین کاظمی 0300-8800807

kazim_hussain880@yahoo.com

عرضِ مترجم

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے!

عبدالرحیم گرین دارالسلام تنزانیا "Tanzania" میں پیدا ہوئے۔ان کے والد برطانوی سامراج کے اُس دور میں جس میں کہ برطانیہ کی سلطنت میں سورج غروب ہی نہیں ہوتا تھا، اُسی برطانوی حکومت کی طرف سے، ایک اعلیٰ ترین عہدے پر فائز تھے۔ صراطِ مستقیم کی تڑپ میں عبدالرحیم گرین نے فلاسفی، سائیکالوجی اور روحانیت سے ہوتے ہوئے بائبل اور قرآن کو مروجہ سائنسی اصولوں پر پرکھا۔اُنہیں تاریخ کے ترازو میں تولا۔ بائبل میں اُنہیں اس قدر تضادات ملے کہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر اُن کا ایمان بڑھتا ہی چلا گیا۔1987ء سے جب سے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تب سے اُنہوں نے دینِ برحق کے لئے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کر دیا۔انہوں نے لندن کے ہائیڈ پارک کے سپیکر کارنر میں ایک باکمال مبلغ اور مقرر کے طور پر اپنی پہچان بنائی۔۔۔اور آج۔۔۔ لندن سے باہر پوری دنیا میں وہ اپنے دعوت وتبلیغ کے منفرد انداز اور مدلل بیانات کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

واللہ!

ان کی تحقیق سے اوران کے خطبات سے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کو ملا! واقعتاً ان کے

بیانات میں ایک ایسی تڑپ ہے اور ان کے اندازِ تخاطب میں ایک ایسی محققانہ کشش ہے جس میں مقصدِ بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

قارئین کرام!

واللہ کتنے خوش بخت ہیں یہ لوگ جنہیں تقابلِ ادیان کے عمیق مطالعے کے بعد اپنی اپنی سیاہ بختی کا احساس ہوا۔ جو صراطِ مستقیم کی طلب میں اخلاصِ نیت کے ساتھ نورِ ہدایت یعنی قرآن وسنت کے بحرِ بے کراں میں ایسے غوطہ زن ہوئے کہ ان کے قول و عمل، ظاہر و باطن، دل و دماغ سے کفر وشرک اور بدعت وضلالت کی تاریکیاں آنِ واحد میں دھل گئیں۔!!

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن وسنت کی تعلیمات سے وہ تابدار موتی سمیٹے کہ جن کو زادِ راہ بناتے ہوئے یہ لوگ دوسروں کے لیے خود مینارۂ نور ثابت ہو رہے ہیں۔

شیخ عبدالرحیم گرین نے عیسائیت کو چھوڑ کر دینِ برحق کو قبول کیا ہے۔ کچھ دیر کے لیے سوچئے! کہ

قرآن مجید کو تو عیسائیت میں آسمانی کتاب تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ عیسائیوں کا تو کہنا یہ ہے کہ یہ قرآن مجید درحقیقت تورات، زبور اور انجیل سے نقل کیا گیا ہے۔

حالانکہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیت کے اپنے ان دونوں فرقوں کی مقدس کتابوں میں واضح تضاد پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں ''بنیاد پرستی'' کا یہ عالم ہے کہ دونوں فرقے ایک دوسرے کی کتابوں کو غلط کہتے ہیں۔ اور ان کے ہاں ''انتہا پسندی'' اس نکتۂ عروج پر ہے کہ دونوں ہی فرقے اپنی اپنی کتابوں کے الہامی ہونے کا دعویٰ بھی پیش کرتے ہیں۔

آپ رومن کیتھولک کی بائبل عہدِ عتیق (پرانے عہد نامے) کی مثال لیجئے اس کے

صحیفوں کی تعداد 46 ہے۔ اور عہدِ جدید یا نئے عہد نامے کے صحیفوں کی تعداد 28 ہے یعنی کل صحیفوں کی تعداد 74 بنتی ہے۔

اس کے برعکس پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے ہاں عہدِ عتیق (پرانے عہد نامے) کے صحیفوں کی تعداد 39 ہے جب کہ عہدِ جدید (نئے عہد نامے) کے صحیفوں کی تعداد 27 ہے۔ یوں پروٹسٹنٹ کے ہاں کل صحیفوں کی تعداد 66 بنتی ہے۔

جبکہ دینِ اسلام میں تو جس طرح قرآن اسلام کا مصدر و ماخذ اور مرجع ہے اسی طرح حدیثِ رسول قرآن کے بعد دوسرا بڑا مصدر ہے۔ جیسے قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اسی طرح صحیح حدیث بھی منزل من السماء وحی ہے۔

قرآن اور صحیح حدیث کو الگ الگ کر کے اسلام کی حقانیت کا شعور حاصل کرنا، اسلام کو پہچاننا، اس کے احکام و مسائل کو جاننا، یا دینِ اسلام میں متعین کردہ حلال و حرام میں فرق کرنا ممکن ہی نہیں مثلاً

قرآنِ مجید میں نماز کی فرضیت، زکوٰۃ کی فرضیت، اسی طرح روزے اور حج کی فرضیت کا تذکرہ تو پایا جاتا ہے مگر اس کی تفصیل نہیں۔ یہ تفصیل اگر پائی جاتی ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں پائی جاتی ہے۔

اس لئے ہر دور میں کئی مکار لوگ منافقانہ طرزِ عمل اپناتے ہوئے پہلے قرآن و حدیث کو جدا جدا کرتے چلے آئے ہیں اور پھر صرف اور صرف قرآن کو زیرِ بحث لاتے ہوئے دینِ حق پر یوں حملہ آور ہوتے رہے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور کامل تو ہے ہی نہیں۔ معاذ اللہ...... ثم معاذ اللہ

لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور صراطِ مستقیم کی جستجو میں انہیں

قرآن وسنت کو پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق بخشی۔ انہیں شرک و بدعت کے گمراہ کن راستوں سے آگاہی نصیب فرمائی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آج بھی کفر کے ماحول میں رہنے کے باوجود اپنے اوپر اللہ کے اس احسانِ عظیم کے محض شکر کی ادائیگی کے لیے دینِ حق کی دعوت وتبلیغ اور اس کی ترویج واشاعت میں پل پل بے چین نظر آتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت مبارک کے بعد ۱۳ سال تک مکہ معظّمہ میں قیام پذیر رہے۔ کفار اور مشرکین کے درمیان!

سوچیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مکی زندگی کے دورانیے میں دیگر معاملاتِ زندگی سے متعلق احکامات سمیت ابھی تک تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے احکامات بھی نازل نہیں ہوئے تھے!

سبحان اللہ! سبحان اللہ!

اس دوران آپ کی دعوت تو صرف اور صرف ایک ہی کلمہ پر مشتمل تھی۔

وہ دعوت کیا تھی؟

قُوْلُوْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے۔

یہ تھی وہ دعوت جس کی آپ مسلسل تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔

آپ کی دعوت کی سچائی اور اخلاص کی بنا پر کفار اور مشرکین مکہ جب زچ ہونے لگے تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاملات ''طے'' کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

حتیٰ کہ کوئی درمیانی راستہ نکالنے کے لیے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حد تک پیشکش کر دی کہ:

ٹھیک ہے! ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرلیا کریں گے اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کرلیا کریں۔ ان کی اس پیش کش کے جواب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الکافرون نازل فرمائی:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

''آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کرونگا جسکی تم نے عبادت کی ہے۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔''

اس سورۃ کا ترجمہ پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مشرکینِ مکہ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان اختلافات کا بنیادی نکتہ صرف اور صرف عقیدۂ توحید ہی تو تھا!!

قرآنِ مجید کی سورۃ النحل کی آیت نمبر 123 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ملتِ ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۳

''پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملتِ ابراہیم حنیف کی پیروی کریں، جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

مِلَّۃ کے معنی ہیں ایسا دین جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ باوجود اس بات کے آپ تمام تر انبیاء کرام سمیت اولادِ آدم کے سردار ہیں آپ کو ملتِ ابراھیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ جو مشرکوں میں سے نہ تھے!

وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام جن کے متعلق سورۃ النساء کی آیت نمبر 125 میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾

''باعتبار دین کے اس سے اچھا کون اچھا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے تابع کردے اور ہو بھی نیکوکار، ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کر رہا ہو اور ابرہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنایا ہے۔''

اللہ اکبر......!

اے اللہ کریم یہ وہی حضرت ابراھیم علیہ السلام ہیں ناں جن کے متعلق سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 67 میں تُو ارشاد فرماتا ہے کہ:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾

''ابراہیم تو نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو ایک طرفہ (خالص) مسلمان تھے مشرک بھی نہ تھے۔''

اے اللہ کریم تیرے محبوب نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کا فرمانِ عالیشان اس وقت

میرے دل ودماغ میں گونج رہا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ دوست ہوتے ہیں۔ میرے ولی (دوست) ان میں سے میرے باپ اور میرے رب کے خلیل (ابراہیمؑ) ہیں۔(ترمذی، بحوالہ ابنِ کثیر)

اے اللہ کریم! تیرے خلیل ...... توحید پرست حضرت ابراہیمؑ کی سیرت اور آپ کے کردار سے ''شناسا'' ہونے کے باوجود مسلمان ہونے کے دعویدار ہم لوگ تو آج کے مشرکین سے یہ پوچھنے کی جرات و ہمت ہی نہیں رکھتے۔ جیسا سوال حضرت ابراہیمؑ نے سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر 52 میں اپنے سگے باپ اور اپنی برادری والوں سے کیا تھا۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿٥٢﴾

''جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟''

تو ان سب کا جواب اسی سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر 53 میں ہمیں یوں ملتا ہے کہ

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ﴿٥٣﴾

''سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔''

اے اللہ کریم! ہم مفاد پرستوں، عاقبت نا اندیشوں اور دنیا داروں میں تو اتنی اخلاقی جرات ہی نہیں ہے کہ ہم عقیدۂ توحید سے اپنی جس وابستگی کا اظہار کرتے ہیں اسی ''ایمانی کیفیت'' کی بناء پر آج کے دور کے مشرکین سے سورۃ الانبیاء ہی کی آیات نمبر 66۔67 کی روشنی میں اتنا ہی پوچھ سکیں کہ

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ لَّكُمْ

وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾

''اللہ کے خلیل نے اسی وقت فرمایا افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان۔ تُف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو!''

اے اللہ کریم! شاید اس لئے کہ تیری آخری کتاب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں ہم نام نہاد مسلمانوں کو تو خود یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ ''عبادت'' سے کیا مراد ہے؟

قارئینِ کرام!

......لیکن الشیخ عبدالرحیم گرین ایسے کتنے ہی پڑھے لکھے یہودی اور عیسائی ہیں جنہوں نے اپنی اپنی مذہبی کتابوں کو کھنگالا، عقل و خرد کے ساتھ اپنی تورات کو......اپنی انجیل کو...... (اپنی بائبل کو......) اور دیگر مذہبی کتابوں کو اور ان کے عقائد کو مروجہ سائنسی اصولوں پر پرکھا......تو اپنی ان مقدس کتابوں میں سینکڑوں واضح تضادات پائے۔

عقائد و نظریات کے اعتبار سے جب انہیں اپنی مقدس کتابوں میں واضح تحریفات نظر آئیں تو انھوں نے ''صراطِ مستقیم'' کی جستجو میں، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ''حقیقی تڑپ'' کے ساتھ اپنی تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع کی۔

کیوں............؟

کیونکہ وہی تو ایک ایسی ہستی ہیں جو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں......سب کے ہاں ''متفق علیہ'' جدالانبیاء ہیں۔ اللہ اکبر!!

ان لوگوں نے اپنے اپنے مذہب میں موجود ''شرک و بدعت'' اور خرافات کو جب تحقیق کی چھانی میں سے گزارا تو پیچھے صرف اور صرف اسلام رہ گیا......اسلام!!

وہی دینِ اسلام جس کا پرچار تمام تر انبیاء نے کیا......!

اللہ اکبر......! اللہ اکبر!!

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ

''باعتبار دین اس سے اچھا کون ہوگا جو اپنے کو اللہ کے تابع کر دے! اور ہو بھی نیکوکار۔ ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کی پیروی کر رہا ہو......''

(سورۃ النساء آیت نمبر 125)

چونکہ یہ لوگ اپنے اپنے مذہب میں شرک و بدعت اور خرافات کا انجام دیکھ چکے تھے اسی لئے یوں لگتا ہے کہ انھوں نے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس متفق علیہ حدیثِ مبارکہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنالیا جس میں آپ نے فرمایا کہ:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

''جس نے دین کے معاملے میں کوئی نئی چیز ایجاد کی اسے رد کر دیا جائے گا۔''

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآنِ مجید سے واقعتاً ''فیض یاب'' ہونے کے لیے دو، دو، تین، تین (2/3) سال تو صرف عربی زبان سیکھنے پر لگا دیئے!

آج یہی وہ لوگ ہیں جو فرقہ واریت کے ''عذاب'' سے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے انہیں ایک ''امت'' بننے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔

ان حقیقت پسند نومسلموں نے تقابلِ ادیان کے وسیع تر مطالعے کے بعد سالہا سال کی ریاضتوں، مشقتوں آزمائشوں اور مجاہدوں کے بعد بالکل غیر جانبدار ہو کر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعوت کہ:

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ...

''آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں......'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 64)

پر دھیان دیا، جب انہوں نے سورۃ النساء کی آیت کریمہ نمبر 48 اور اُسی سورۃ کی آیت کریمہ نمبر 116 سے یہ سبق سیکھا کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ...

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سواء جسے چاہے بخش دیتا ہے۔'' تو اُن کی زندگیاں بدل گئیں۔

کیونکہ یہی تو وہ حقیقت پسند مفکرین تھے جن پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ خالق اور مخلوق کے درمیان ''وسیلے اور توسل'' کے معاملے میں پوپ نے عیسائیوں کو گمراہ کیا ہے۔

1 جنہیں بالآخر الجھی ڈور کا سرا مل ہی گیا کہ یہی وہ نظریہ ہے، وہ عقیدہ ہے جس کے تحت پادریوں نے طرح طرح سے جائدادیں بنائیں ہیں۔ بے تحاشا مال و دولت اکٹھی کی ہے! معصوم عورتوں کی عزتوں پر ڈاکے ڈالے گئے ہیں۔ اور انسان کو خدا کی بندگی سے نکال کر لوگوں کی ''بندگی'' میں دے دیا گیا ہے۔

کیونکہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے صراطِ مستقیم کی تلاش میں جب اخلاص نیت کے

ساتھ قرآنِ مجید سے رجوع کیا تو سورۃ فاطر کی آیات نمبر 13-15 نے ان کو ہلا کر رکھ دیا:

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

''وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور آفتاب و ماہتاب کو اسی کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک میعاد معین پر چل رہا ہے۔ یہی اللہ تم سب کا پالنے والا اس کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو تمہاری پکار سنتے ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو فریادرسی نہیں کریں گے۔ بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔''

سورۃ الحج کی آیات نمبر 73-74 میں بیان کردہ صرف یہی پیغام ...... یہی دعوت ہی ان لوگوں کو ظلمتوں، تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں میں لانے کے لیے کافی ثابت ہوئی جس میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَـيْــــًٔـا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

''لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے ذرا کان لگا کر سنو! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے...... گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں! بلکہ اگر کوئی مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے۔ بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے اپنے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں...... اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور وقوت والا اور غالب وزبردست ہے۔

عقیدۂ تثلیث کو اپنے حق شناس مزاج کی بنا پر ہضم نہ کرنے والے صراطِ مستقیم کے ان متلاشیوں کو سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 51 میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلام الٰہی کو یوں ادا کرتے ہوئے ملتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾

''یقین مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔''

راہِ حق کے ان حقیقی طلب گاروں کو قرآنِ مجید کی سورۃ الانعام کی آیتِ کریمہ نمبر 82 سے یہ سبق ملتا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں۔''

اور پھر اسی قرآنِ مجید میں سورۃ الانعام کی آیاتِ کریمہ نمبر 84-87 کی تعلیمات کے مطابق تو ان پر یہ عقدہ وا ہوتا ہے کہ اللہ کریم 18 پیغمبروں کے اسمائے گرامی کا ذکر کر کے اور پھر ان کے آباؤ اجداد اور ان کے کچھ نسبتی رشتہ داروں کا ذکر کر کے خود ہی یہ فرماتا ہے کہ

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۸۸﴾

اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے مقام پر نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

...لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۶۵﴾

......اے پیغمبر اگر تو نے بھی شرک کیا تو تیرے سب اعمال برباد ہو جائیں گے۔

(سورۃ الزمر، آیت نمبر 65)

پیغمبروں سے شرک کا صدور ممکن نہیں ...... مقصد امتوں کو شرک کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہی تو ہے! یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی ...... کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے۔ اُن سے ارتکاب شرک کوئی امکان نہیں تھا، لیکن یہ دراصل امت کیلئے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔ خیر ...... نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر غور وفکر کرنے والوں کو قرآن سے روشنی یہی ملتی ہے کہ ان کو بھی ملتِ ابراہیمی کے اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنی تحقیق شروع کرنے کے لیے قرآنِ مجید سے رجوع کرنے والا

سورۃ النحل کی آیتِ کریمہ نمبر 123 پر کبھی نہ کبھی تو پہنچ ہی جاتا ہے۔ جس میں ارشاد

فرمایا گیا ہے کہ:

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴿۱۲۳﴾

''پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملتِ ابراھیم حنیف کی پیروی کریں جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

ملۃ کے معنی اے اللہ کریم ایسا دین ہی ہے ناں جسے تو نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اس بات کے کہ آپ تمام انبیاء سمیت اولادِ آدم کے سردار ہیں، آپ کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے تو اے ربِّ کائنات! اصول میں تمام انبیاء کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی ہے ناں جس میں رسالت کے ساتھ توحید و معاد کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔

اے خالقِ کل جہاں!!!

تیری اس کتاب جو کہ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ہے میں تو تُو نے اپنی صفات بیان کرتے ہوئے کس طرح دلائل کو خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے! اگر کسی کو اس کتاب سے بھی صراطِ مستقیم نہ مل سکے تو پھر اس سے بڑا بدبخت کون ہوگا؟

اے اللہ کریم! تو نے قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، ان کا نام لے کر 69 مرتبہ ذکر فرمایا ہے ناں !!!

اے اللہ کریم جن کا سینہ تو اسلام کے لیے کشادہ فرماتا ہے۔ جنہیں تو ''مسلمان'' کہتا ہے انہیں کتابِ ہدایت کی سورۃ الممتحنہ کی آیتِ کریمہ نمبر 4 میں خود ارشاد فرماتا ہے ناں کہ:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾

''(مسلمانو!) تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے! جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ظاہر ہو گئی۔لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں......اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

مشرکین کے لیے توبہ واستغفار کرنا تو بعد میں سورۃ توبہ میں واضح کر دیا گیا لیکن یہاں جدالانبیاء کی زبانی ایک پیغام، جو نصیحت حاصل کرنے والوں کے دل ودماغ میں گھر کر گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اپنے باپ سے فرماتے ہیں کہ:

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

تمہارے لئے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں!

اے اللہ کریم! اے وحدہ لاشریک! میں سیہ کار...... میں کم علم تیری کتابِ ہدایت سے کیا

پیش کروں، نمونے کے طور پر بھی کیا پیش کروں۔

قرآن مجید تو وہ کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف اپنے اندر دانائیوں کے ان گنت راز سموئے ہوئے ہے! اے اللہ کریم جو شخص بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تحقیق کرتے کرتے بائبل اور قرآن سے ہوتے ہوتے ''صراطِ مستقیم'' کی تڑپ لئے ہوئے آخر کار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تو پھر اسے سورۃ الانعام کی آیاتِ کریمہ نمبر 161-164 سے یہی سبق ملتا ہے کہ:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

''آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے کہ وہ ایک دینِ مستحکم ہے جو طریقہ ہے ابراہیم علیہ السلام کا جو اللہ کی طرف یکسو تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

آپ فرما دیجئے! کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے!

اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

آپ فرما دیجئے! کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لیے تلاش کروں

حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو بتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے!''

اے رب العالمین!

اور پھر جو...... جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''دعوتِ دینِ برحق'' تک پہنچ گیا اُس کا ایمان اقرار باللسان سے تصدیق بالقلب کی منزل پا گیا! اس کا عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت پختہ سے پختہ تر اور بالکل غیر متزلزل ہو گیا!

کیونکہ یہی تو نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کے تین بنیادی اصول ہیں۔

سورۃ الاعراف کی آیت کریمہ نمبر 157۔158 میں فلاح کا راستہ بتاتے ہوئے اے اللہ کریم!...... تیرا یہ فرمانِ عالی شان رسالتِ محمدیہ کی عالمگیر رسالت کے اثبات میں کتنی بڑی واضح دلیل ہے۔ اس میں تو نے ہی تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ...

آپ کہہ دیجئے کہ لوگو! میں سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں۔۔۔

یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں...... اور نہ کسی اور مذہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اور صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔

اے اللہ کریم! تیرے اس کلام میں ''دینِ حق'' کی تلاش میں سرگرداں ایسے ہی لوگوں کو سورۃ الاحزاب کی آیتِ کریمہ نمبر 21 کی روشنی میں منزلِ مقصود یہی ملتی ہے کہ:

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ

''یقیناتمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔''

یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ حکم تو عام ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ کی اقتدا ضروری ہے چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے معیشت سے ہو یا سیاست سے۔ الغرض زندگی کے ہر ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔

اور اے اللہ کریم! اس آیت کا بقیہ حصہ یہی ہے کہ

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

''ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔''

اس بات سے اللہ کریم یہی واضح فرماتا ہے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہی اپنائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا مرشد، اپنا پیشوا وہی مانے گا جو آخرت میں تجھ سے ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور کثرت سے تیرا ذکر کرتا ہو۔

اے اللہ کریم! کیسے کیسے غیر مسلم اور ملحد سائنسدان تھے جنہوں نے تقابلِ ادیان کا مطالعہ کیا تو (معاذ اللہ)

قرآن کی تعلیمات کو جھوٹا اور من گھڑت ثابت کرنے کے لیے انہوں نے تنقیدی نکتۂ نگاہ سے اپنے طور پر اس کی آیات پر بھی ''تحقیق وتخریج'' کا کام کیا......

انھوں نے اپنے طور پر موجودہ دور کی جدید سائنس Established Science کو معیار بنایا اور پھر قرآن مجید کے کئی ایک اُن سائنسی بیانات کو اس معیار پر پرکھا جن تک رسائی محض حال ہی میں ممکن ہوئی ہے۔ انہوں نے

علم فلکیات Astronomy

علم طبیعات Physics

علم الماء Hydrology

علم حیوانات Zology

طب Medicine

ارضیات Geology

علم البحر Oceanology

اور......اوراسی طرح انہوں نے جنرل سائنس سے متعلق سائنسی نوعیت کی کئی آیات کو قرآن میں ''پا'' ہی لیا تو انہیں بالآخر موجودہ دور کے ''جدید سائنسی علم Established Science کے ترازو میں تولا۔

لیکن انہیں یہ جان کر حیرانگی ہوئی کہ جدید سائنس اور قرآن کی تعلیمات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

انہوں نے اپنے طور پر قرآنِ مجید میں ذکر کردہ حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے واقعۂ معراج کو، سورج کو، چاند کو، کہکشاؤں کو، زمین و آسمان کو، سیاروں کو، ستاروں کو، پہاڑوں کو، آسمانی بجلی، پودوں، انسانوں، حیوانوں کے علاوہ، موسمی تغیرات اور قصص الانبیاء کو تاریخ اور سائنس کے پیمانے میں تولا تو انہیں قرآنی آیات کا پلڑا بھاری نظر آیا۔ پھر تصدیق بالقلب کے ساتھ یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور اقوام عالم کو یہ پیغام الٰہی دینے میں سرگرم ہو گئے کہ ''بے شک اسلام ہی دین برحق ہے''۔

مثلاً اے اللہ کریم تو نے تو 1400 سال پہلے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی کے

ذریعے سب کو بتادیا ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۭ

''اور جتنی قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنی قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 38)

اور کتنے ہی سائنسدان ہیں جنہوں نے آج جا کر یہ ثابت کیا ہے کہ چرند پرند ہمیشہ گروہوں کی صورت میں منظم طریقے سے رہتے ہیں۔

اے اللہ کریم!! تو نے سورۃ الذاریات کی آیت نمبر 49 میں ارشاد فرمایا ہے ناں کہ:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٩﴾

''اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

"كُلِّ شَيْءٍ" اس بات پر زور دے رہی ہے کہ انسان کے علاوہ چرند پرند حتیٰ کہ نباتات اور پودے سب کے سب جوڑوں (یعنی نر اور مادہ) کی صورت میں ہیں۔!

حتیٰ کہ کھوج لگانے والے تو اس نتیجے پر بھی پہنچے ہیں کہ بجلی میں بھی منفی اور مثبت ''ایٹم'' Electron/Proton شامل ہوتے ہیں۔ اور کئی حق پرست تو اس نہج پر بھی پہنچ گئے کہ ......اے اللہ کریم! تُو نے تو ہر ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی مقابلہ اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے۔ جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، کفر اور ایمان، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ حتیٰ کہ...... حیوانات جاندار کے مقابل جمادات (بے جان) اسی لئے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو...... یعنی آخرت ...... دنیاوی عارضی زندگی کے بالمقابل

دوسری......اخروی ابدی زندگی......!!

اور کچھ سائنس دان تو اے اللہ کریم! تیرے ہی دیے گئے علم کی بدولت اس حقیقت تک بھی پہنچ گئے ہیں کہ پودوں میں بھی نر اور مادہ اعضا پائے جاتے ہیں۔

یہ لوگ اس نکتۂ عروج پر پہنچے کہ اعلیٰ درجہ کے پودوں میں یعنی Superior Plants میں نسل خیزی کی آخری پیداوار ان کے پھل ہی تو ہوتے ہیں۔لیکن پھل بن جانے سے پہلا مرحلہ پھول کا مرحلہ ہوتا ہے۔اور یہ وہ مرحلہ ہے جس میں اس پھول میں نر اور مادہ اعضا Organs وغیرہ پائے جاتے ہیں۔آج سائنسی اصطلاح میں ان اعضاء Organs کو Stamens اور Ovules کے ناموں سے جانا جاتا ہے۔اور علم نباتات کے ماہرین نے تو یہاں تک دریافت کرلیا ہے کہ جب کوئی زردانہ Pollen کسی پھول تک پہنچتا ہے تبھی وہ پھول بارآور ہوکر پھل میں بدلنے کے قابل ہوتا ہے۔

اور اے اللہ کریم! آج کا پڑھا لکھا انسان...... پودوں میں اسی ''جنسی ملاپ'' کے حوالے سے،نر اور مادہ درختوں کے ذریعے سے صرف اور صرف ''کھجوروں'' کی بے شمار قسمیں اگانے کے ''قابل'' ہوگیا ہے!

اے اللہ کریم......!

سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 61 میں تیرا یہ فرمان ہے ناں کہ:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝٦١

''اور اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔''

قرآن کو تنقیدی نکتۂ نگاہ سے پڑھنے کے لیے پہلے عربی زبان سیکھنے والے ایسے کتنے ہی

غیر مسلم سائنسدانوں پر آج یہ بھی منکشف ہو چکا ہے کہ سورج کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ اس کو سراج بھی کہا جاتا ہے۔جس کے معنی مشعل یعنی Torch کے لیے جاتے ہیں! پھر قرآن میں اسے کچھ مقامات پر وھاج بھی کہا گیا ہے!

چاند کو عربی میں قمر کہا جاتا ہے۔قرآن مجید میں چاند کے لیے لفظ منیر استعمال ہوا ہے۔ یعنی کوئی ایسا جسم جو کہ منعکس شدہ روشنی دیتا ہو!

اے اللہ کریم! اپنے طور پر قرآن کی تعلیمات کو سائنس کے مصدقہ مفروضوں Established Facts سے متضاد ثابت کرنے کی تگ و دو کرنے والے ان سائنس دانوں کو تیرے پورے کلام "قرآنِ مجید" میں اَلْحَمْدُ سے لے کر والناس تک کوئی ایک نشانی (کوئی ایک آیت) بھی ایسی نہیں ملی جس میں چاند کو سراج یا وھاج کے نام سے پکارا گیا ہو۔

چاند تو سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔اور بس!!

اے اللہ کریم!! علم جینین کے حوالے سے بھی کتنے ہی غیر مسلم سائنس دان ڈاکٹرز ایسے ہیں جن کو تیرے کلام میں شامل سورۃ السجدہ کی آیت نمبر 9 نے تو بالکل ہلا کے رکھ دیا ہوا ہے کہ

وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ

"اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے"

یا پھر جیسا کہ سورۃ المومنون،سورۃ نمبر 23 کی آیتِ کریمہ نمبر 78 میں تیرا ارشاد ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔

"اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم

شکر کرتے ہو۔‘‘

آج ’’میڈیکل سائنس‘‘ کے ان ماہرین کا کہنا یہ ہے کہ انسانی جینین میں واقعی سب سے پہلے سماعت کی حس پیدا ہوتی ہے۔ چوبیسویں ہفتے کے بعد اس میں آواز سننے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔اور پھر کہیں اٹھائیسویں ہفتے میں جا کر اسی جینین کا پردۂ بصارت روشنی کو محسوس کرتا ہے۔

اے اللہ کریم......! میں کم علم قرآنِ مجید سے یعنی تیرے ہی کلام سے تیری ذات سے متعلق کیا حوالہ دوں......!!

سورۃ الکہف کی آیت نمبر 109 پڑھوں جس میں تو نے قل کا صیغہ استعمال فرمایا ہے یا پھر سورۃ لقمان سورۃ نمبر 31 کی آیتِ کریمہ 27 کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کروں۔جس میں تو خود ہی تو فرماتا ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾

’’روئے زمین کے (تمام) درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور باحکمت ہے۔‘‘

اے اللہ کریم......اے رب السّمٰوٰت والارض!

اے خالقِ کل جہاں! اے وحدہ لاشریک!

اے غفورٌ رحیم! اے سمیعٌ بصیر!

تجھے تیری ہر ہر صفت کا واسطہ تو ہم جیسے نام نہاد مسلمانوں کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر آپ کی سیرت کے ہر ہر پہلو سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں حق کو

پہچاننے کی توفیق عطا فرما۔

یا ارحم الرحمین

توحق پرستوں کی صفات بیان کرتے ہوئے سورۃ المائدہ کی آیاتِ کریمہ نمبر 83-84 میں ارشاد فرماتا ہے ناں کہ:

وَإِذَا سَمِعُوا مَآ أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰٓ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّٰهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّٰلِحِينَ ﴿٨٤﴾

''اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ کلام کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔ اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کر دے گا۔

اے اللہ کریم الشیخ عبدالرحیم گرین جیسے مؤحد، اور محقق کی اس انمول تحقیق کے بنیادی مقصد تک پہنچنے میں ہماری راہنمائی فرما اور ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا متبع مسلمان بنا دے کہ دنیا ہماری عبادات، ہمارے معاملات اور ہماری اخلاقی اقدار کو دیکھ کر یہ کہے کہ ''**بے شک اسلام ہی دین برحق ہے**۔''

کاظم حسین کاظمی

باب نمبر 1

اسلام کی حقانیت کا ثبوت!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بلاشبہ تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔اور ہم اپنے نفس کے شر اور اس نفس کی ہر ہر برائی کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

معزز سامعین!

حلقۂ دینِ اسلام میں شامل، اسلامی بہنو اور بھائیو!

انسانیت کے اعتبار سے دیگر (غیر اسلامی) بہنو اور بھائیو!!

میں! آج سے آپ کو ایک ایسے سفر پر لئے جا رہا ہوں۔۔۔ایسا سفر جس میں کافی دلچسپ اور حیران کن موضوعات شامل ہوں گے۔اور دراصل یہ وہ شہادت ہے کہ

"بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے!"

اور درحقیقت یہی مری تمنا اور خواہش ہے جو اس پروگرام کی بقیہ تمام تر اقساط میں، مَیں آپ لوگوں پر ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ہم لوگ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام واقعتا

وہی دینِ برحق ہے جسے خالقِ ارض وسما، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام تر بنی نوع انسان کی بہتری اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم لوگ اصل موضوع پر بات کریں میں بنیادی عوامل پر بات کرنے کے لیے آپ لوگوں کا تھوڑا سا وقت لوں گا۔ وہ صرف اس لئے کہ یہ بنیادی عوامل نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ میں اس پر بات نہیں کروں گا کہ ''ثبوت'' سے کیا مراد ہے؟ ایمان کیا ہے؟ اگر میں یہ دعوٰی کرتا ہوں کہ اسلام ہی دینِ برحق ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟

ہوسکتا ہے کچھ لوگ اسے ایک عجیب منطق سمجھیں کہ بھلا ایمان کو کیسے جھوٹ یا سچ ثابت کیا جا سکتا ہے۔

کیا کسی چیز پر بغیر کسی ثبوت کے یقین رکھنے کا نام ''ایمان'' ہے؟

کیا ایمان کا یہی مطلب ہے؟

سو میں اس بات کا تجزیہ کروں گا کہ ایمان کیا ہے اور اس ثبوت (یا شہادت) سے مراد کیا ہے، ثبوت یا شہادت کی کیا قدر و قیمت ہے۔

یہاں، سب سے پہلے میں قرآنِ مجید کی ایک آیت کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ وُہ آیت جو محض ایک جملہ نہیں ہے بلکہ قرآنِ مجید میں بار بار دہرایا گیا وُہ چیلنج ہے (جس کے ذریعے یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ۔۔) قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

(اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

اپنا ثبوت پیش کرو۔۔۔ اپنی کوئی شہادت پیش کرو۔

آپ اللہ کے متعلق اپنا کوئی دعوٰی پیش کر رہے ہیں یا درحقیقت کسی بھی شے سے متعلق کوئی

دعوٰی پیش کررہے ہیں تو آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ یا آپ کی کیا اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ اس سلسلے میں ''برہان'' یعنی کوئی دلیل پیش کریں اس کے لیے اپنی طرف سے کوئی ثبوت، کوئی شہادت پیش کریں۔ یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں بار بار مختلف انداز میں ارشاد فرماتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں (برہان سے مراد) محض کوئی ثبوت پیش کردینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ آپ کو اپنے دعوے کی سچائی ثابت کرنا چاہیے! یہی وہ بات ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زور دیا ہے۔

۔۔۔(یہی) کہ ثبوت پیش کرنا مدعی کا کام ہے، جو شخص کوئی دعوٰی کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس کو ثابت بھی کرے۔ نہیں تو پھر ہم لوگ ایک دوسرے کے خون اور ایک دوسرے کی جائیدادوں کی ملکیت کا دعوٰی کرسکتے ہیں۔ اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

مجھے اس بات کا مکمل ادراک ہے کہ آپ سب، اپنی روزمرہ زندگی کے معاملات میں، اس حقیقت سے بخوبی شناسا ہوں گے۔

مثال کے طور پر کوئی شخص آپ کے ہاں، آپ کی بجلی، گیس یا پانی کا میٹر ''چیک'' کرنے آجاتا ہے...... یا آپ کو مُیسر دیگر کسی ایسی ہی سہولت کا میٹر چیک کرنے آجاتا ہے تو لازماً وہ شخص (اپنے محکمے کی) وردی میں ملبوس ہوگا۔ نہیں تو پھر اس کے پاس (اپنے محکمے کا) کوئی شناختی کارڈ وغیرہ تو ضرور ہوگا۔

اگر کسی ''موٹر بائیک کلب'' سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص آپ کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ سوچیئے، کہ وہ شخص لمبے لمبے بالوں والا ہے، اس نے لیدر کی جیکٹ پہن رکھی ہے، اور وہ عجیب وغریب حلیے کا مالک ہے۔ تو میں وثوق سے کہتا ہوں کہ ایسے کسی بھی

شخص کو آپ اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ اس سے کہیں کہ ''جی آپ جہاں ہیں، وہیں رہیں!! آپ نہ تو میرے گھر کے اندر داخل ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اندر داخل ہو کر میرے گھر کا ساز و سامان کا معائنہ کر سکتے ہیں۔

آپ ایسا کیونکر کریں گے۔۔؟

اس لئے کہ ہوسکتا ہے آپ یہ سوچ رہے ہوں کہ یہ شخص جو میرے گھر کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے لوٹ لے!! یہ شخص میرے گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے ہی مجھ سے میرا مال و متاع چھین لے!!

اسی طرح اگر کوئی شخص آپ کے ''یوٹیلیٹی بلز'' دیکھنے کو آجائے تو آپ لازماً اُس کی شناخت کرنا چاہیں گے۔ آپ کی خواہش ہوگی کہ وہ شخص (اپنی محکمانہ) وردی میں ملبوس ہو۔ (ایسا کیوں ہے؟) کیونکہ...... اس شخص کو اپنے گھر میں گھسنے کی اجازت دینے سے پہلے آپ کو ثبوت چاہیے کہ یہ شخص وُہی تو ہے جس کا کہ اسے ہونے کا دعویٰ ہے!

بالکل ایسے ہی ایک اور مثال لیجئے، اگر آج ہی میں یہ دعویٰ کر دیتا ہوں کہ یہ سٹوڈیوز، Peace Tv کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ یہ تو میری ملکیت ہیں۔۔۔! یہ میرے ہیں، یہ عبدالرحیم گرین کے ہیں۔ اور یہ کہ یہ جگہ میری ملکیت ہے، آپ لوگ یہاں سے بھاگ جائیں، کیونکہ ان سٹوڈیوز کا کرتا دھرتا تو میں خود ہوں تو کوئی بھی میری بات کو سنجیدگی سے نہیں لے گا۔ کیونکہ اگر بالفرض میں عدالت میں چلا جاتا ہوں اور میں کسی بھی چیز سے متعلق اپنے حقِ ملکیت کا دعویٰ دائر کر دیتا ہوں۔۔ اگر میں دعویٰ دائر کر دیتا ہوں کہ فلاں جگہ یا فلاں جائیداد میری ملکیت ہے تو پھر مجھے اس کا ثبوت بھی پیش کرنا چاہیے۔ (اور واقعتاً) مجھے اس کا ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔

اب میں صرف یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ یہ میرا یقین ہے، میرا ایمان ہے اسی لئے یہی میرا ثبوت ہے۔

تو یہ تو کوئی قابلِ تحسین بات نہ ہوئی! کیونکہ روزمرہ زندگی کے معاملات میں کوئی بھی شخص ایسی کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن جب معاملہ دین کا ہوتا ہے تو کیونکر تضاد نظر آتا ہے۔

حالانکہ اگر آپ غور وفکر اور دینی غیرت سے کام لیں تو (آپ پر یہ عقدہ خودبخود وا ہوجائے گا اور) آپ کو پتہ چلے گا کہ دنیاوی معاملات کی نسبت دینی معاملات کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ جگہ میری ملکیت ہے یا یہ Peace Tv کی ملکیت ہے! کوئی میرا گھر، میرا مال ومتاع لوٹتا ہے یا نہیں۔ ایسی تمام باتوں کی کوئی قدر و قیمت ہے ہی نہیں بالخصوص اس وقت جب کہ ایسی باتوں کا موازنہ ان معاملات سے کیا جائے جن کا دعویٰ کوئی دین پیش کرتا ہے۔

کیونکہ دین ہی تو ہمارے مقصدِ حیات کی بات کرتا ہے۔ دین صرف اس دنیاوی زندگی اور اس کے مقاصد کی بات نہیں کرتا بلکہ یہ تو اخروی زندگی جس کو ہمیشگی حاصل ہوگی اس کی بھی بات کرتا ہے۔ اُس زندگی میں ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ دین ہمیں اس سے بھی آگاہ کرتا ہے۔

کیا اتنا ہی کافی ہے کہ کوئی بھی شخص اُٹھے اور دعویٰ کردے کہ خدا تو یہ کہتا ہے خدا تو وہ کہتا ہے۔!!!

آپ کو اِس بات پر ایمان لانا چاہئے آپ کو اُس بات پر ایمان لانا چاہئے۔

سو، کوئی بھی شخص، جو خدا کے متعلق کسی بھی قسم کا دعویٰ کرتا ہے، اسے اپنے اس دعوے

کی سچائی کے لیے ثبوت بھی پیش کرنا چاہئے۔ اور یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور مسلمانوں کو بھی اپنانے کو کہتا ہے (کہ وہ یہود و نصاری (یا دیگر ادیان کے ماننے والوں کو) کو چیلنج کرتے ہوئے کہیں کہ اگر تمہارا دین سچا ہے، اگر تم لوگ اپنے اپنے دعوے میں سچے ہو تو۔۔

قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ

(اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو

۔۔۔۔برہان پیش کرو۔

مثال کے طور پر، فرض کریں ایک عیسائی اٹھتا ہے اور وہ خدا کے متعلق دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی خدا ہیں یا وہ خدا کے بیٹے ہیں!!

یا بائبل اللہ کی کتاب ہے تو ٹھیک ہے ہم کہیں گے کہ اپنے دعوے کی سچائی کے لیے ثبوت تو پیش کرو۔!!

اور یہ وہ بات ہے جو کسی بھی معاملے میں دعویٰ کرنے والے کسی شخص سے کی جا سکتی ہے۔

فرض کریں کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ آپ مسلمان لوگ ہمیشہ یہی دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں کہ آپ لوگوں کا دین ہی دراصل حقیقی دینِ خدا ہے،۔۔آپ کا یہی دعویٰ ہے کہ آپ کا دین خالقِ ارض و سما کا نازل کردہ مکمل دین ہے۔! تو ٹھیک ہے جو کچھ بھی تم لوگ کہہ رہے ہو اگر یہ سچ ہے تو اپنی اس سچائی کو ثابت کرنے کے لیے ثبوت لاؤ۔ثبوت!!

اور واقعتاً ہر کوئی پھر ثبوتوں کا منتظر ہوگا (تو ایسے میں) اپنے اس دعوے کے لیے کہ ''**بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے**'' کو سچ ثابت کرنے کے لیے (دلائل و براہین سے مزین) ثبوت پیش کر کے ہمیں خوشی ہوگی۔

سو، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اسلام درحقیقت وہ دین ہے جو خالقِ ارض وسما کی طرف سے نازل کردہ ہے، ہم اس سلسلے میں حتی المقدور دلائل و براہین کے ساتھ بھرپور شہادتوں کے ساتھ ثبوت پیش کریں گے۔

اوراس سے میری مراد، واضح، دوٹوک، اور مثبت ثبوت ہیں۔ کیونکہ اگر آپ ڈکشنری کھولیں اوراس میں Evidence یا Proof کے معانی دیکھیں۔تو Proff ......تو گواہیوں،شہادتوں کے یکجا ہونے کا نام ہے۔

یوں سمجھئے کہ جب آپ کے پاس مناسب، کافی اورٹھوس مدلل گواہیاں اکٹھی ہوجاتی ہیں تو پھر آپ یہ کہنے میں حق بجانب ہوتے ہیں کہ فلاں بات سچ ہے کیونکہ یہ ثابت ہوگئی ہے!

ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فلسفی بنیادوں پر کسی بھی چیز کو آپ مکمل طور پر ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ ایسے معاملات میں کہیں نہ کہیں تھوڑے بہت شک کی گنجائش باقی رہتی ہے۔۔شک خواہ کم سے کم ہی کیوں نہ ہومگراس کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

سو، ہمارا مقصد اور ہمارا دعویٰ تو یہی ہے کہ ہم دلائل و براہین کے ساتھ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام ہی دراصل سچا دین ہے۔ہم امید کرتے ہیں کہ ہم دلائل و براہین سے آراستہ (ان شاء اللہ) اتنی شہادتیں پیش کریں گے کہ کسی بھی (انصاف پسند اور ذی شعور) شخص کے پاس یہ جواز ہی باقی نہ بچے گا کہ اس دعوے یا اس کی صداقت میں ذرّہ برابر بھی کوئی شک کر سکے! یہ معاملہ بالکل کسی عدالتی کاروائی جیسا ہی ہے!

یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ، گویا آپ کسی عدالت میں جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر انگلستان میں ہمارے ہاں ایک عدالتی نظام پایا جاتا ہے۔یعنی جب

کوئی بھی مقدمہ عدالت میں پیش کیا جاتا ہے تو منصفوں کا ایک گروہ، ان تمام تر شہادتوں کی بنیاد پر جو اُن کے سامنے پیش کی جاتی ہیں، اس مقدمہ سے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اور ان ججز (منصفین) کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ انہیں تو قطعاً یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اس شخص (مجرم یا مدعی) کا رنگ کیسا ہے، انہیں یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ شخص خوبصورت ہے یا بدصورت ہے، امیر ہے یا غریب ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اُن کی اخلاقی ذمہ داری ہی یہی ہے کہ وہ گواہیوں کی بنیاد پر مقدمے پر غور کریں۔۔ اور پھر انہیں چاہیئے کہ وُہ کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہو کر، کھلے دل و دماغ سے، دوٹوک انداز میں اس مقدمے کو پرکھیں، اس کی چھان بین کریں۔۔ کیونکہ گواہیوں، شہادتوں ہی کی بنیاد پر تو وہ کوئی فیصلہ کر پاتے ہیں۔ انہیں فیصلہ بہر حال کرنا ہی ہوتا ہے کہ جرم ثابت ہے کہ نہیں۔ فیصلہ بہر کیف ہر صورت ہونا ہی ہوتا ہے یعنی یہی (کہ ان ججز کو) فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ یہ شخص مجرم ہے کہ نہیں (یا یہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے کہ نہیں)

یہی وہ بات ہے جسے آگے چل کر ہم زیرِ بحث لائیں گے جسے یقین یا ایمان کہا جا سکتا ہے۔

یقین کیا ہے؟

یقین سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ واقعتا کیا یہ عجیب بات نہیں کہ آپ اپنے یقین، اعتقاد اور ایمان کو ثابت کریں؟

کیا یہ عقیدہ و ایمان صرف اتنی سی بات ہے کہ کسی بھی چیز سے متعلق آپ کا یقین پختہ ہے۔

یہ وُہ باتیں ہیں جنہیں ہم زیرِ بحث لائیں گے۔

کیا ایمان یا عقیدہ کوئی ایسی چیز ہے جس پر بس آپ کو یقین ہے یا یہ کوئی ایسا معاملہ ہے جسے کسی نہ کسی طرح (دلائل و براہین کے ساتھ) سچ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔(دوبارہ عرض کرتا چلوں کہ۔۔۔) ہم بات کرتے چلے آرہے تھے کہ سچ کیا ہے؟ عقیدہ وایمان سے کیا مراد ہے اور کیا کسی بھی مذہب کو ہم سچ ثابت کر سکتے ہیں؟

آیئے کچھ دیر کے لیے ''عقیدے'' کی پھر سے بات کرتے ہیں۔

آپ (سوچیں کہ آپ) عقیدے سے کیا مراد لیتے ہیں!

آیئے، ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

ایک نہایت ہی اہم بات جو اکثر میں لوگوں سے پوچھا کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ

''کیا آپ یہ یقین رکھتے ہیں کہ زمین اپنے مدار میں گھومتی ہے اور 365 دنوں میں سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔اور اکثر اوقات جن جن لوگوں سے میں یہ سوال پوچھتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ جی ہاں،۔۔۔ہم بالکل اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ سچ ہے۔

میں ان سے پوچھتا ہوں کہ

''آپ اس بات پر سو فیصد یقین رکھتے ہیں یا پھر۔۔۔؟ اور آیا آپ کو اس بات کا ادراک بھی ہے، یہ یقین بھی ہے کہ آپ کو اس بات پر سو فیصد یقین ہے!

عموماً ان کا جواب ہوتا ہے کہ ''جی بالکل ہمیں اس بات پر مکمل بھروسہ اور یقین ہے۔۔ کیوں۔۔کیونکہ یہ بات ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔

سو، وہ اس معاملے کو، اس بات کو تسلیم شدہ حقیقت کہتے ہیں۔اس پر میں ان سے کہتا ہوں کہ ٹھیک ہے، تو ثابت کیجئے۔

میرے لئے یہ نہایت ہی دلچسپ مقام ہوتا ہے کیونکہ کتنی ہی مرتبہ مجھے جواب نفی ہی میں ملتا ہے۔۔۔ کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ یہ یقین تو رکھتے ہیں کہ زمین اپنے مدار میں گھومتی ہے اور 365 دنوں میں سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ لیکن اگر ہمیں یہ ثابت کرنے کو کہا جائے تو ہم میں سے اکثر ایسا کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم کسی ایسی چیز پر یقین ہی نہیں رکھتے جو پہلے ہی اپنا تسلیم شدہ جواز رکھتی ہے۔

مثال کے طور پر شعبہ سائنس سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں نے ایسی کئی چیزوں کا بغورِ خاص مطالعہ کیا، ان کا مشاہدہ کیا اور پھر کہیں جا کر انہوں نے کچھ مفروضے (قاعدے/کلیے) تخلیق کیے۔ پھر انہوں نے اپنے ان مفروضوں کے حق میں دلائل پیش کیے۔ سوان کے پیش کردہ ان مفروضوں اور اُن دلائل ہی کی بنیاد پر لوگ آج کل عمل پیرا ہیں۔

۔۔۔ کتنے ہی سائنسدانوں نے، (نہ جانے) کتنی مرتبہ، ایسی چیزوں کا مشاہدہ کیا ہوگا، اور پھر۔۔۔ پھر کتنی ہی تحقیقات کے بعد جا کر انہوں نے۔۔۔ (اپنے پیش کردہ مفروضوں اور دلائل کی بنیاد پر) اسے ایک حقیقت تسلیم کیا ہوگا!! اور یوں۔۔ لوگوں نے بھی تسلیم کیا کہ ہاں یہ تو واقعی ایک تسلیم شدہ، مسلمہ حقیقت ہے!!

اس کے باوجود، ہم میں سے اکثر لوگ ان (مسلمہ حقیقتوں) کو ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم تو شاید یہ بھی نہیں جانتے کہ اس سلسلے میں سائنسدانوں کے پاس شہادتیں کیا تھیں!۔ ان کی منطق کیا تھی۔۔ ان کا مفروضہ کیا تھا!۔ لیکن سائنس دانوں پر ہمیں اعتماد ہے۔۔ سائنس پر ہمارا یقین ہے،۔۔ کیوں۔۔ کیونکہ۔۔ غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کون سا معرکہ ہے جو سائنس نے سر نہیں کیا ہے؟ غور کیجئے۔ سائنس نے کیا کیا ایجادات کی

ہیں۔!!

۔۔۔اسی طرح کے کچھ اعتقادات اور نظریات ہوتے ہیں ۔۔۔ کچھ وجوہات ہوتی ہیں جن کی بنا پر ہم کسی چیز پر یقین رکھتے ہیں۔

یہ بھی یقین کی ایک کیفیت ہے۔ یہ سائنس اور اس کی تعلیمات پر یقین ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ یقین ایسا کوئی یقین نہ ہو جیسا کہ ایک مذہبی یقین ہوتا ہے ۔۔۔لیکن اس کے باوجود بھی ۔۔۔ یہ ایک قسم کا یقین ایک قسم کا اعتقاد تو ہے!!

یہی وجہ ہے کہ جب اسلام یا اسلام کی تعلیمات کا معاملہ آتا ہے یا ۔۔۔ یوں سمجھیں کہ اس معاملے کا تعلق ہمارے آج کے موضوع کہ ''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے'' سے جا ملتا ہے تو پھر لازماً وہ ثبوت چاہئیں جن کو جان کر یہ پختہ یقین ہو کہ دینِ اسلام واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

تو آج سے (اس پروگرام کے توسط سے اپنی بقیہ اقساط میں یعنی اس کتاب کے آئندہ کے ابواب میں) ہم جو باتیں زیرِ بحث لائیں گے وہ درحقیقت اسی قسم کے یقین سے متعلق ہوں گی۔

یہ بالکل ایسا ہی معاملہ ہے کہ آپ اپنے کسی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں ۔۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ اپنے ڈاکٹر کی ہدایات پر اعتماد اور یقین رکھتے ہیں۔ وُہ آپ کا معائنہ کرتا ہے اور آپ ہیں کہ اس پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں ۔۔ کیوں ۔۔؟

کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ ایک ڈاکٹر ہے ۔۔ اس نے پڑھا ہے اور ڈاکٹری کا علم حاصل کیا ہے۔

سو اسی وجہ سے آپ اس کی ہر ہر بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اس کی تجاویز ۔۔ یا اس کی ہدایات اس کی تشخیص کے اعتبار سے ٹھیک ہی ہونگیں!

اسلام میں بھی اس قسم کا یقین ہے جس کا آج ہم ذکر کر رہے ہیں۔

جب ہم اسلام کے حوالے سے، یقین، اعتماد، یا ایمان کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ کسی ایسی بات پر بغیر کسی ثبوت کے ایمان لائیں جو نا قابلِ یقین ہو۔

قطعاً، (اسلام کے حوالے سے) قطعاً ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ۔۔۔ اسلام کے حوالے سے ہم آپ سے عرض کرتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ آپ سے خود فرماتا ہے کہ اُس بات پر (یقین رکھو) ایمان لاؤ جو ایمان لانے کے لائق ہے۔ یہ بات کہ، اللہ ایک ہی ہے۔ کل کائنات کا خالق ایک ہی ہے، ۔۔ اگر آپ نے میرے ایک اور پروگرام ''وجودِ باری تعالیٰ'' سے متعلقہ اقساط دیکھ رکھی ہیں۔۔ جن کو دیکھنے کا حوالہ دینا میں اس پروگرام کے ایک نہایت ہی اہم حصے کے طور پر ضروری سمجھتا ہوں تو پھر۔۔ یقیناً آپ جان جائیں گے کہ۔۔ بالآخر مَیں کیا ثابت کرنے اور کیا کہنے جا رہا ہوں!

سو میری آپ سے اتنی سی التماس ہے کہ اسلام آپ سے تقاضا کرتا ہے کہ اللہ صرف ایک ہی ہے۔ اور آپ اس بات پر بھی یقین رکھیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اشرف المخلوقات ایک ہستی حضرتِ محمدِ مصطفے ﷺ کی طرف آسمان سے کتابِ ہدایت یعنی راہنمائی بھیجی ہے۔

اور۔۔۔ آپ یقین لائیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اتنے اور ایسے کئی ایک ثبوت اور ایسی کئی ایک شہادتیں فراہم کر رکھی ہیں کہ جن کو جاننے، پرکھنے اور سمجھنے کے بعد کوئی بھی ذی شعور اور سمجھدار آدمی یہ ایمان لائے بغیر رہ ہی نہیں سکتا کہ اسلام واقعتا ایک ایسا دین ہے جو خالقِ ارض وسما کا نازل کردہ ہے اور جو کہ تمام تر بنی نوع انسان کی بہتری اور سراسر بھلائی

کے لیے ہے۔ یہ وہ موضوع ہے یہی وہ بات ہے جس پر ہم اپنے اس پروگرام کی بقیہ اقساط (یعنی اس کتاب کے بقیہ ابواب) میں بات کریں گے کہ وہ ثبوت کیا ہیں۔!!

ان میں سے کچھ ثبوت تو وہ مسلمہ حقائق ہیں جن کا ذکر (تفصیل کے ساتھ) ہم اپنے ایک اور پروگرام ''وجودِ باری تعالیٰ'' کی اقساط میں پہلے ہی کر چکے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمیں ان کو تھوڑا بہت دہرانا پڑے گا۔۔لیکن۔ہم تو قرآن کے معجزاتی پہلوؤں پر بات کریں گے۔ہم یہ مشکل حل کرنے کی کوشش کریں گے کہ معجزہ درحقیقت ہوتا کیا ہے یا معجزے سے ہم لوگ کیا مراد لیتے ہیں۔؟

یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ کسی بھی شے کو منجانب اللہ ثابت کرنے میں معجزے کی کیا اہمیت ہے!

ہم تو بس شہادتوں کی مدد سے ایسے ہی معاملات کو زیرِ بحث لائیں گے۔

آخر میں قرآنِ مجید کی ایک سورۃ کی چند آیات پر بات ختم کرنا چاہوں گا۔اور یہ سورۃ البینہ ہے، جہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ (البينة:١)

کہ اہل کتاب اور مشرکین۔۔۔مشرکین جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔خواہ یہ بت پرست ہوں۔ملحد ہوں۔یا اللہ تعالیٰ کو نہ پہچاننے والے۔۔۔ جو بھی ہوں۔

یہ لوگ کبھی بھی اپنے ملحدانہ عقائد کو نہیں چھوڑیں گے۔اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کی پیروی نہیں کریں گے،۔۔۔جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے۔۔

کوئی واضح، ٹھوس ثبوت نہ آ جائے، سو، یہ وہ بات ہے جو اللہ کریم ہمیں لوگوں کی فطرت سے متعلق بتا رہا ہے۔

لوگوں کی تو یہ فطرت ہے کہ انہیں ثبوت ضرورت ہوتے ہیں ۔ وہ تو بات بات پر شہادتیں مانگتے ہیں۔

البتہ، (اگر) انہیں کسی ایسی چیز کی ضرورت ہوئی ہو، جو انہیں اس بات کو سمجھنے اور محسوس کرنے پر مجبور کر دے کہ فلاں بات یا فلاں معاملہ سچ پر مبنی ہے۔۔۔تو ایسا ثبوت۔۔۔ وہ ثبوت کیا ہے (یا وہ ثبوت کیا ہوگا)۔

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔۔۔یعنی ایک رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کردہ۔۔ یہ تو ہوئی ایک بات! رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود ان واضح ثبوتوں میں سے ایک ثبوت ہیں کہ اسلام ایک سچا دین ہے۔

اور اس موضوع پر ہم اپنے گذشتہ پروگرام میں بات کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اس کو دہرائیں گے نہیں۔

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾

اس کا مطلب ہے کہ وہ رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاک کوئی صحیفہ لائے گا۔

اور یہ درحقیقت قرآنِ مجید کی طرف اشارہ ہے۔ظاہر ہے ہم اس کے متعلق بھی بات کریں گے۔حقیقت میں یہ قرآن مجید بھی ایک بہت ہی بڑا معجزہ ہے جو اللہ کریم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

فِیۡهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾

جن میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں۔(یعنی جن میں صحیح اور درست احکام ہیں)

اوراس کا مطلب ہے کہ وہ قوانین جو کہ غیر مبہم اور بالکل واضح ہیں۔۔۔(وہ اس صحیفے میں ہوں گے) اب یہ بھی ایک الگ تھلگ پہلو ہے! یہی تو اسلام کی رہنمائی ہے۔قرآن کی رہنمائی۔۔۔وہ اخلاقی سنہری اصول جو کہ دینِ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں۔۔سو میرے عزیز بھائیو اور بہنو۔۔۔یہ بھی ایک اور نہایت ہی شاندار موضوع ہے جس پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔

دینِ اسلام کے چند شاندار پہلو۔۔۔مسلمانوں کا طرز زندگی۔۔۔ان ساری اخلاقی اقدار میں سے ہم کس کس کو پرکھ سکتے ہیں؟۔۔۔اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس قسم کا طرزِ زندگی بذاتِ خود کیونکر؟ ایک ثبوت ہے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

سو، یہ ہیں چند ایک موضوعات جن کا کہ ہم جائزہ لیں گے۔ہم قرآن کے متعلق بات کریں گے،حفاظتِ قرآن سے متعلق بات کریں گے،قرآن مجید کو حفظِ کرنے سے متعلق بات کریں گے،اور پھر اس کے کچھ معجزاتی پہلوؤں پر بھی بات کریں گے۔

مثال کے طور پر وہ حیران کن سائنسی حقائق جو کہ قرآن مجید میں موجود ہیں۔ان پر بات کریں گے، پھر قرآن میں مذکورہ تاریخی مواد، اطلاعات، اوران حقائق پر بات کریں گے جن کا تعلق تاریخی معاملات سے ہے۔جی ہاں وہ حقائق جنہیں آج سے 1400 سال پہلے شاید کوئی جانتا بھی نہ ہو۔

اس کے علاوہ ہم قرآن کی پیشین گوئیوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش کردہ پیشین گوئیوں کے متعلق بھی بات کریں گے یعنی وہ معاملات اور اطلاعات جو قرآن مجید نے ہمیں مستقبل کے متعلق بتائیں۔اس طرح ان باتوں سے متعلق بھی ہم بات چیت کریں گے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل کے حوالے سے ہمیں بتائیں۔آپ نے اگر فرمایا کہ

یہ بات ایسے ہوگی تو وہ بالکل آپ ﷺ کے قول کے مطابق ویسے ہی واقع ہوئی۔

ہم ''ظاہر ہے کہ'' نبیء کریم ﷺ کے ان حیران کن معجزات کے متعلق بھی بات کریں گے جو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے صادر ہوئے۔

اس کے علاوہ، اضافی طور پر ہم قرآن مجید کی معجزاتی حیثیت، اس کی ادبی حیثیت پر بھی بات کریں گے۔ بالخصوص اس کے معجزاتی پہلوؤں اور اس کے دیگر خوبصورت اور حیران کن حقائق پر مبنی دل نشیں پہلوؤں پر بھی ہم بات کریں گے۔

ہم اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاری کی شہادتوں کی بات کریں گے یہ دلیل اور یہ برہان فی نفسہ ایک بہت بڑی شہادت ہے کہ یہود و نصاری میں سے ان کے اکثر لوگوں نے، ان کے علماء نے یہ تسلیم کیا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ سو ہم، انشاء اللہ بائبل میں مذکورہ کچھ حوالہ جات کا بھی ذکر کریں گے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت محمد ﷺ سے متعلق ان مقدس کتابوں میں پہلے ہی سے بتا دیا گیا تھا۔ ہم کچھ لوگوں کے واقعات سے متعلق بھی بات کریں گے جیسا کہ عبداللہ بن سلام مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم کے اسلام لانے کا قصہ ہے۔ پھر بالخصوص سلمان فارسی کا قصہ ہے، جو کہ ہمارے موضوع کے حوالے سے کافی مفید ثابت ہوگا۔

یقیناً کچھ ایسے حقائق سے متعلق ہم بات کریں گے جو واقعی کافی دلچسپ اور معنی خیز ہوں گے۔

یعنی ہم ایسی تمام تر شہادتوں کو یکجا کر دیں گے جیسے کہ۔۔۔

قرآن کا معجزاتی پہلو ہوا۔

قرآن کا ادبی پہلو ہوا۔

قرآن مجید میں مذکورہ سائنسی اور تاریخی حقائق وغیرہ۔۔۔ان کے علاوہ اہلِ کتاب کی شہادتیں۔۔۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیوں سے متعلق بات ہوگی۔۔۔درحقیقت مندرجہ بالا موضوعات میں سے کسی ایک موضوع کا بھی اگر ہم بغورِ خاص، غور وفکر سے مطالعہ کریں تو یقیناوہ منفرد اور حیران کن ہوگا۔۔۔لیکن جب ایسے کئی موضوعات کو یکجا کر دیتے ہیں، انہیں اکٹھا کرنا شروع کرتے ہیں تو پھر ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارے پاس تو پیش کرنے کے لیے کس قدر مدلل، ٹھوس اور پر مغز ثبوت (موجود) ہیں۔سو، ان دلائل و براہین کے ساتھ اور مختلف حوالہ جات کی مدد سے ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ محض ایک دعویٰ نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی ایسی چیز ہے جو بس ہم زبانی کلامی ہی کہتے ہیں۔

اس کی بنیاد تو کسی عقیدے پر ہے۔۔جیسا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ

''میرا تو یہ ایمان ہے'' نہیں۔ بلکہ ہمارے پاس ایسے پر مغز، مدلل اور ٹھوس دلائل، ثبوت اور شہادتیں ہیں کہ ہم اپنے اس یقین کو اس عقیدے میں بدل سکتے ہیں کہ اسلام واقعتاویسا ہی ہے جیسا کہ اسے ہونے کا دعویٰ ہے۔

جیسا کہ۔۔۔تمام تر بنی نوع انسان کی بہتری اور بھلائی کے لیے خالقِ ارض وسما کی طرف سے وحی کا آنا۔۔۔

ایک اور بات جو ہوسکتا ہے کہ بظاہر ہمارے موضوع کا حصہ نہ ہو لیکن میں یہاں اس کا اضافہ کرتے ہوئے اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ بحیثیت مسلمان، ہمارے پاس (اپنے دین کو سچ ثابت کرنے کے لیے) دلائل و براہین کا ہونا انتہائی اہمیت کا حامل ہے مسلمان ہوتے ہوئے آپ جو کچھ بھی کرتے ہیں۔۔بحیثیت مسلمان آپ جو بھی کردار

اپناتے ہیں، ۔بحیثیت مسلمان آپ قول وفعل کے اعتبار سے چاہے جو کچھ بھی کریں۔۔۔ آپ کے پاس (ہرایک) اس عمل کا جواز (جو کہ آپ کرتے ہیں، کسی واضح ،ٹھوس اور مدلل) ثبوت کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔

کیوں کہ ہمارے دین (دینِ اسلام) کا معاملہ محض تُک بندیوں کی بنیاد پر نہیں ہے۔ اس دین کی بنیاد، اس کی اساس تو ایسے معاملات یا مفروضات پر ہے ہی نہیں کہ (جی۔۔بس) ''میری تو یہی سوچ ہے'' یا یہ کہ، میں تو بَس ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔ یا اس دین میں کسی ثقافت۔ یا اس ثقافت کی روایات سے متعلق محض تک بندیوں والا معاملہ نہیں ہے کہ بس ہم انہی کی پیروی کرتے چلے جائیں!!

مسلمان ہونا درحقیقت کسی ایسے عقیدے پر کاربند ہونا ہے جو کہ حقائق اور شہادتوں پر مبنی ہو۔

ان دلائل وبراہین والی شہادتوں اور ثبوتوں سے مراد یہ ہے کہ اس عقیدے سے متعلق قرآنِ مجید کیا ارشاد فرماتا ہے اور حضرت محمد ﷺ اس سلسلے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔

سومعزز بہنو اور بھائیو!

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس سلسلے میں ہمارے اس پروگرام کی بقیہ اقساط جو ہم نہایت ہی ولولہ انگیز عنوانات کے تحت جاری رکھیں گے۔۔انہیں۔۔۔آپ ضرور دیکھیں گے۔(یعنی بقیہ ابواب کو آپ بغورِخاص پڑھیں گے۔۔۔مترجم)

''السلام علیکم''

باب نمبر 2

حفاظتِ قرآنِ مجید

بلاشبہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اور ہم اپنے نفس کے شر اور اس نفس کی ہر ہر برائی کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

آج سے اس پروگرام کی بقیہ اقساط میں ہم یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کریں گے کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

آج ہم حفاظتِ قرآن کے متعلق اظہارِ خیال کریں گے!

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم حفاظتِ قرآن سے متعلق بات کیوں کریں گے! کیا اس پر بات کرنا ضروری ہے؟ اس موضوع کا ''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے'' کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

میرے خیال میں ایک اعتبار سے تو اس کا موضوع کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔

کیونکہ اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دینِ اسلام خالقِ ارض وسماء کی طرف سے نازل کردہ دین ہے تو پھر اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے جو جو شہادتیں ہم پیش کر سکتے ہیں ان میں سے ایک شہادت تو یہ قرآنِ مجید ہے!

اور جو کچھ بھی قرآنِ مجید میں لکھا ہوا ہے" وہ فی نفسہ ایک قسم کی شہادت ہے!"

اس (قرآن مجید) سے متعلق بجا طور پر کوئی بھی شخص سوالات کر سکتا ہے۔ ٹھیک ہے۔

ہم اس سلسلے میں دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ قرآنِ مجید اللہ کی طرف سے نازل کردہ اصل کتاب ہے۔

درحقیقت ایمانداری اور خلوصِ نیت کے ساتھ عرض ہے کہ یہ وہ نہایت اہم اور ٹھوس دعویٰ ہے جو مسلمان خود بخود پیش کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر بائبل، ویدوں یا اسی طرح بدھا کی تعلیمات یا اسی طرح کسی بھی اور مذہب کی کتابوں کے حوالے سے جو دعویٰ ہم مسلمانوں کو ہے، بالخصوص ان کے ماننے والوں سے،، وہ صرف اور صرف اتنا ہے کہ اگر آپ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کی مقدس کتابیں، آپ کے ہادی آپ کے خدا۔۔۔ یا کسی مافوق الفطرت ہستی کی طرف سے نازل کردہ ہیں تو ٹھیک ہے!! اپنے اس دعوے کو ثابت کریں۔

ہم بھلا یہ کیونکر مان لیں کہ آپ لوگوں کی مذہبی کتابیں اصلی ہیں، مبنی برحق ہیں۔ ہوسکتا ہے ان میں تحریف کر دی گئی ہو، ہوسکتا ہے ان نسخوں میں ردّوبدل کر دیا گیا ہو، ہوسکتا ہے ان میں کچھ سچ پایا جاتا ہو مگر ان میں جھوٹ کی بھی آمیزش ہو۔ سو آج ہم یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کریں گے کہ قرآنِ مجید ہی درحقیقت وہ کتاب ہے جو کسی بھی قسم کی تحریف یا گڈمڈ سے پاک اپنی اصلی حالت میں محفوظ کی گئی ہے۔ سو ایک نقطۂ نگاہ سے واقعتاً یہ ایک نہایت ہی اہم معاملہ ہے!

کیونکہ جب بھی کوئی شخص قرآنِ مجید سے کوئی حوالہ سنتا ہے یا اِسی طرح جب کوئی شخص یہ سنتا ہے کہ فلاں بات تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے اور اس فرمان کو

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سچ ثابت کیا گیا ہے تو پھر آپ کو یقینِ کامل ہونا چاہیئے کہ یہ فرمان بالکل صحیح ہے۔ گویا یہ کوئی ایسی چیز ہے جو تصدیق شدہ (ایک مسلمہ حقیقت) ہے۔

یہ وہ چیز ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تحریف نہیں کی گئی ہے۔ یا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی (یا کمی بیشی) نہیں کی گئی ہے۔

سو، یہی تو وہ بات ہے جو ہمیں بے پناہ خود اعتمادی بخشتی ہے کہ جو کچھ بھی ہم قرآنِ مجید میں سے بیان کرتے ہیں، وہ مبنی برحق ہے، وہ حق سچ ہے۔ سو، یہ وہ پہلو ہے جس پر ہم بات کریں گے، لیکن۔ ایسا کرنے سے پیشتر، ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ کچھ ان عوامل کو یہاں دہرانا چاہتے ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنے ایک گذشتہ پروگرام کی اقساط میں کیا تھا۔

کیونکہ، میرے عزیز بھائیو اور میری محترم و معزز بہنو!!

''اسلام دینِ خدا ہے'' کے حوالے سے سب سے بڑی شہادتِ حق ہی یہی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا تعلیم دیتا ہے، گو کہ اس موضوع پر ہم پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں اور ایک اور پروگرام میں اس پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ لیکن میں یہاں اس کا انتہائی اختصار کے ساتھ دوبارہ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ (اپنے گذشتہ بیان کی ہر بات کو دہرائے بغیر۔۔۔!

آپ لوگ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) سے متعلق باکمال تعلیمات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اگر قرآنِ مجید کی صرف یہی تعلیمات کہ

☆ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے،

☆ اللہ تعالیٰ جیسی کوئی شے ہے ہی نہیں، وہ بے مثال ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔

قرآنِ مجید کی صرف یہی تعلیمات جو وہ دیتا چلا آرہا ہے۔۔۔ یقیناً کسی بھی ایسے آدمی کے لیے جو سمجھدار ہو، حق پرست ہو، جو مظاہرِ فطرت اور دل کی پکار سننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تو پھر اس کے لیے تو ''بس'' یہی تعلیمات، یہی ''شہادت'' کافی ہے کہ قرآنِ مجید اللہ کا کلام ہے۔

کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر مذہب کسی نہ کسی طرح خدا کی وحدانیت کے عقیدے کو غلط رنگ دیتا ہے۔

مثال کے طور پر عیسائیت خدا کی وحدانیت کی تعلیم دیتی ہے کہ خالق صرف ایک ہی ہے، جس نے ان دونوں جہانوں کو پیدا کیا ہے۔ ان کو سہارا دے رکھا ہے۔

لیکن ان کے اس عقیدے میں تو تحریف ہو چکی ہے، مثال کے طور پر، اس تخیل یا تصور کے ساتھ کہ خدا آدمی میں نفوذ کر چکا ہے، یعنی آدمی خدا بن گیا ہے، عیسائیت تو یہ بھی تعلیم دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان بھی ہیں اور خدا بھی ہیں سو یہ ہے وہ تحریف جو خدا کی وحدانیت کی واضح تعلیمات میں کی گئی ہے۔

کیونکہ درحقیقت جو راز ہم پر کھلتا ہے وہ تو یہی ہے کہ ایسا ہونا ہی سرے سے ناممکن ہے۔ ایک چیز بھلا کیسے مکمل انسان بھی ہو سکتی اور پھر مکمل خدا بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی ایک ہی وقت میں!

کیونکہ خدائی صفات اور بندے کی صفات میں تو سرے سے کوئی جوڑ ہے ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ جب کہ انسان تو فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، جب کہ انسان ضرورت مند ہے، محتاج ہے۔

کیا آپ کو سمجھنے کے لیے کوئی نکتہ ملا؟

۔۔۔یہ ہیں وہ پریشان کن تعلیمات!!

سو اس اعتبار سے، کوئی بھی مذہب جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان خدا ہے، یا یہ کہ خدا مخلوق جیسا ہے تو پھر ایسے مذہب کو ہم کس طرح مان لیں کہ وہ سچا مذہب ہے! کیونکہ یہ مذہب تو اللہ تعالیٰ کے متعلق جس بات کا پرچار کر رہا ہے یہ بات تو تحریف شدہ ہے، اللہ کریم کی ذاتِ اقدس پر بہتان ہے یا پھر یہ سراسر جھوٹ ہے۔ جب کہ دینِ اسلام اس قسم کی تمام تر بدعقیدگیوں سے پاک ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے متعلق اسلام کی تعلیمات ایسی ہیں جو کہ قابلِ جواز ہیں اور دل و دماغ کو مسخر ''اپیل'' کرنے والی ہیں۔ اور یہ امر بھی اُن مدلل، پرمغز اور مضبوط ترین شہادتوں میں سے ایک ہے کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

سو، میرے محترم ومکرم، بھائیو اور بہنو

اللہ کریم آپ سب پر اپنا رحم وکرم فرمائے!!

اللہ ہم سب کو سیدھی راہ دکھائے!!

اور اللہ کریم ہم سب کو ''سچ'' کو پا لینے کی توفیق عطا فرمائے!!!

آج ہم جس بات کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں وُہ یہ ہے۔

حفاظت قرآن مجید

البتہ حفاظتِ قرآن کے سلسلے میں ایک نہایت ہی اہم بات جس کا میں یہاں تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں وہ ہے، تاریخ سے شہادت یا تاریخی گواہی۔

لیکن اس تذکرے سے بیشتر میں ایک اور چیز سے آپ کو متعارف کرانا چاہتا ہوں۔
وہ۔۔یہ ہے کہ حفاظتِ قرآن کا جو معاملہ ہے وہ بذاتِ خود کیونکر ایک معجزاتی کرشمہ ہے!

یہ ایک عجیب وغریب بات کیوں ہے؟

اور پھر یہ کہ حفاظتِ قرآن بذاتِ خود کیونکر ایک ثبوت ہے، یا دیگر کئی شہادتوں میں سے ایک شہادت ہے؟ شہادتوں میں سے ایک شہادت کہنا زیادہ موزوں ہے۔۔کیونکہ ثبوت تو کوئی ایک آدھ ہی ہوگا! مگر شہادتیں۔۔شہادتیں تو کئی ایک ہو سکتی ہیں۔

جیسا کہ ایک شہادت تو یہی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

تو آیئے۔۔حفاظتِ قرآن مجید کا تذکرہ تاریخی حوالے سے کرتے ہیں۔

جی۔۔۔تو مسلمانوں کے روایتی ذرائع کے اعتبار سے،

احادیث نبویہ کی روایات کے اعتبار سے

نبی، کریم ﷺ کی تعلیمات کے اعتبار سے اور وہ لوگ جو آپ ﷺ کے بعد ہوئے یعنی صحابہ کرام، اور پھر تابعین۔۔ان سب کی تعلیمات کے مطابق۔۔۔دو طریقوں سے قرآنِ مجید کو محفوظ کیا گیا۔۔۔ایک طریقے سے تو اسے لکھ کر محفوظ کیا گیا۔

(یہاں) غور طلب بات تو یہ ہے کہ مغربی تہذیب میں کسی بھی دستاویز کو محفوظ کرنے کے لیے اس بات پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اسے لکھ لیا جائے۔

حالانکہ یہ کوئی ضروری بھی نہیں ہے کہ کسی بھی چیز کو دستاویزی صورت میں اگر لکھ لیا گیا ہے، یا کسی بھی کلام کو اگر صحیفے کے طور پر لکھ لیا گیا ہے تو بس وُہ حرفِ آخر ہی ہو۔۔۔

حفاظتِ قرآنِ مجید کے ضمن میں، مَیں (شہادت کے طور پر) قرآن مجید ہی میں سے

سورۃ الحجر کی ایک آیت پڑھنا چاہوں گا۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹

بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا۔

ذکر کا مطلب ہے یاد کرنا۔اور پھر ذکر تو قرآنِ مجید کا ایک نام بھی ہے۔

اور یقینا ہم ہی،۔۔۔اللہ سبحانہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔یقینا ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔یعنی قرآنِ مجید ہی میں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کا محفوظ ہو جانا کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

بلا شبہ،قرآنِ مجید کے معجزاتی کرشموں،اور اس کی کئی ایک شہادتوں اور ثبوتوں میں سے سب سے بڑا ثبوت ہی یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی بھی ہاتھ سے لکھی گئی کتاب یا صحیفے میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی یا تحریف ہوتی رہی ہے۔

ہاں مگر،''پرنٹنگ پریس'' کی ایجاد کی بدولت،آج کے دور میں شاید ایسا کرنا ممکن نہ ہو۔لیکن پرانے زمانوں میں جب کتابیں کاتبوں کی مدد سے لکھی جاتی تھیں تو ظاہر ہے ان میں تحریف کرنے،ان میں (کسی بھی نفس مضمون) کو غلط ملط کرنے،اور پھر ان میں کمی بیشی کرنے کے مواقع کافی حد تک موجود رہتے تھے۔

اس کے باوجود اسلامی تاریخ میں 1400 سالوں سے قرآنِ مجید (کسی بھی قسم کی تحریف،یا کمی بیشی سے پاک) بالکل ویسے کا ویسا ہی ہے(جس طرح کہ یہ نازل ہوا تھا)۔

درحقیقت یہ بہت بڑا کمال ہے کہ آج آپ قرآنِ مجید کا کوئی بھی نسخہ لیں۔۔مثال کے

طور پر قرآن مجید کا یہ نسخہ لیتے ہیں (برادرم عبدالرحیم، میز پر اپنے سامنے رکھے ہوئے قرآنِ مجید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں۔۔۔مترجم)

اس قرآن مجید کو لیتے ہیں اور اس کے عربی کے متن کو دیکھتے ہیں۔۔۔ یہ دراصل انگریزی اور عربی میں قرآن مجید ہے۔۔لیکن فرض کریں آپ قرآن مجید کا کوئی نسخہ لیتے ہیں اور پھر آپ اس نسخے کا موازنہ کرتے ہیں اس قرآنی نسخے سے جو سعودی عرب میں ہے، آپ اس نسخے کا موازنہ اس قرآنی نسخے سے کرتے ہیں جو ''مراکو'' میں ہے آپ اس کا موازنہ چین میں پائے جانے والے قرآنی نسخے سے کرتے ہیں، آپ اس نسخے کا موازنہ سائبیریا میں پائے جانے والے قرآنی نسخے سے کرتے ہیں۔

حتیٰ کہ تاریخی ادوار کے اعتبار سے آپ پیچھے چلے جائیں۔100 سال، 500 سال، 1000 سال، 1200 سال۔ بلاشبہ، قرآن مجید کا سب سے پرانا نسخہ جو آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔۔۔اور جس کا تعلق اس دور سے ہے جو دور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے قریب ترین ہے۔۔ (آپ اس قرآنی نسخے کا اس قرآنی نسخے سے موازنہ کر کے دیکھ لیں۔۔۔مترجم)

۔۔اس کا مطلب ہے کہ ہمارے پاس قرآن مجید کے وہ نسخے آج بھی موجود ہیں جن کا تعلق نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور سے ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ اگر آپ ۔۔عہد نبوی کے قرآنی۔۔ان نسخوں کو پرکھیں تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ اصل الفاظ ہو بہو وہی ہیں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ لکھائی (خطاطی) کا انداز مختلف ہو، اعراب کا انداز مختلف ہو، لیکن اصل الفاظ، اور اصل متن بالکل ویسے کا ویسا ہی ہے (جیسے کہ یہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھا)۔ یہ ہوئی ایک مسلمہ اور

مستند حقیقت!

دراصل یہ ان لوگوں کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل ہے جو یہ دعویٰ کرتے (ہوئے شوشے چھوڑتے رہتے) ہیں کہ۔۔ یاد رکھئے کچھ لوگ یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔۔ کہ قرآن کے متن میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ ایسے لوگ قرآنِ مجید سے متعلق بھی ایسا دعویٰ کرتے چلے آئیں ہیں جیسا کہ دعویٰ بائبل کے متعلق تو بالکل سچ ثابت ہو چکا ہے۔لیکن چند ایک لوگوں کے سوا، کوئی بھی۔۔کوئی بھی شخص ان لوگوں کے ان (بے بنیاد) دعووں کو سنجیدگی سے نہیں لیتا۔۔کیوں۔۔کیوں کہ ان کے اس دعوے کے خلاف سب سے بڑا ثبوت (خود قرآنِ مجید، اپنی اصلی حالت میں) موجود ہے، کیونکہ (اگر کوئی علم سے بے بہرہ اور عقل کا اندھا ایسا دعویٰ کر بھی دیتا ہے تو اس کو ثبوت پیش کرنے کیلئے) ہمارے پاس قرآنِ مجید کے یہ (قدیم وجدید) نسخے موجود ہیں۔ ہمارے پاس قرآنِ مجید کے کئی قلمی نسخے مختلف مقامات پر محفوظ ہیں:

مثلاً تاشقند میں ایک ایسا ہی نسخہ ہمارے پاس محفوظ ہے اسی طرح قاہرہ میں ہے، ایک یمن میں ہے۔۔ ہمارے ہاں قرآنِ مجید کے کئی ایک ایسے قدیم ترین نسخے ہیں جو نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک کے قریب ترین دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

آیئے اب تاریخی اعتبار سے، قرآنِ مجید کو لکھ کر محفوظ کرنے کا انتہائی اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں قرآنِ مجید کو کبھی بھی ایک کتابی صورت میں یکجا نہیں کیا گیا تھا۔

(کیونکہ) واقعتاً جب تک نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقید حیات رہے تو یہ ممکن (سمجھا جاتا) تھا

کہ ہوسکتا ہے قرآنِ مجید کی کچھ مزید آیات نازل ہوں۔

تاہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواتر یعنی باقاعدگی سے شروع سے لے کر آخر تک، بالخصوص رمضان المبارک کے ہر مہینے میں، قرآنِ مجید پڑھا کرتے تھے۔ اور اُس ماہِ رمضان میں، جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے اس رمضان میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت جبریل امین کے سامنے) دومرتبہ قرآن مجید کو دہرایا۔

حضرت جبریلِ امین آیا کرتے تھے اور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سامنے، رمضان کے مہینے میں قرآن مجید کو دہرایا کرتے تھے۔ سو، سورۃ فاتحہ سے لیکر سورۂ والناس تک قرآنِ مجید جانا پہچانا جاتا تھا۔ اور یہ ان لوگوں کے لیے تو اور زیادہ جانا پہچانا تھا جو قرآنِ مجید حفظ کیا کرتے تھے۔ یعنی جسے قرآن کہا جاتا ہے لوگ اس سے واقفیت رکھتے تھے۔ (لیکن یہ بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں) یہ کبھی بھی ایسی کسی صورت میں نہیں لکھا گیا تھا جسے آپ مصحف کہہ سکیں!

گو، لوگوں نے قرآن مجید کو مختلف صورتوں میں تو لکھ رکھا تھا لیکن یہ ایک کتابی صورت میں مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ''فتنۂ ارتداد'' کی وجہ سے کئی ایک ایسی جنگیں لڑی گئیں۔ یہ جنگیں اُن مرتدوں کے خلاف لڑی گئی تھیں جنھوں نے دینِ اسلام سے منہ پھیر لیا تھا، یعنی جو مرتد ہو گئے تھے۔

ایسے مرتدین کے خلاف لڑی جانے والی کچھ جنگوں میں بے شمار وہ لوگ شہید ہو گئے جنھوں نے سارے کا سارا قرآنِ مجید زبانی یاد کر رکھا تھا۔ جنہیں ''**حفاظ**'' کہا جاتا تھا۔ زبانی یاد کرنے والے،۔ یا محفوظ کرنے والے۔ یا عربی میں جنہیں حفاظ کہا جاتا ہے۔ اِن

(خوش نصیب) لوگوں نے مکمل قرآن مجید کو اپنی اپنی یاداشتوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔

ہم قرآنِ مجید کو زبانی یاد کرنے سے متعلق بالکل الگ سے بعد میں بات کریں گے۔ کیونکہ ابھی ہم قرآنِ مجید کو لکھ کر محفوظ کرنے سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔

سو اِن جنگوں میں ایسے کئی حفاظ کرام شہید ہو گئے۔ لہذا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، جو کہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے، انہیں کچھ لوگوں کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا، یہ کہا گیا کہ " آپ قرآنِ مجید کو کتابی صورت میں مرتب کیوں نہیں کرتے، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ہمیں بھی اسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ جائے، جس قسم کی پریشانی کا سامنا ہم سے پہلی امتوں، یعنی یہود و نصاریٰ کو کرنا پڑا ہے یعنی ان کی کتابوں میں ردو بدل ہوا، تحریف ہوئی، کمی بیشی ہوئی۔۔۔" ہمیں خدشہ ہے کہ اگر حفاظِ کرام شوقِ شہادت لئے اسی طرح کثیر تعداد میں شہید ہوتے رہے تو ہو سکتا ہے کہ پھر قرآن مجید کو محفوظ نہ کیا جا سکے۔ خیر، اس حوالے سے صحابہ کرام میں کچھ اختلاف بھی پیدا ہوا کیونکہ اس سلسلے میں کچھ اصحاب کی رائے یہ تھی کہ جو کام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نہیں کیا تھا وہ اُس کام کو بھلا کیسے کر سکتے ہیں۔

لیکن بعد میں اس معاملے پر اتفاق پایا گیا۔ اور یوں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے دیگر مسلمانوں سے مشاورت کی۔ اور اسے بہت اچھی تجویز خیال کرتے ہوئے وُہ اسے کتابی صورت میں مرتب کرنے پر راضی ہو گئے۔

خیر۔ انہوں نے اس سلسلے میں ان حفاظِ کرام کی رضامندی سے جو تب تک زندہ تھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ کاتبینِ وحی میں سے تھے) کو قرآن مجید کو یکجا کرنے کی ذمہ داری سونپ دی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قرآن کو اکٹھا کرنے اور پھر اسے شروع سے لے کر آخر تک مصحف کی صورت میں لکھنے پر راضی ہو گئے۔

اس سلسلے میں اُن کا ایک متفقہ فیصلہ تھا۔

اس حوالے سے انہوں نے ایک معاہدہ کیا یا ایک ضابطۂ اخلاق ترتیب دیا کہ ہر آیت کے لیے دو آدمی ۔۔۔یعنی کم سے کم دو آدمیوں کو (اس آیت کی صداقت پر) گواہی، شہادت دینا ہو گی۔

۔۔یعنی قرآن کی ہر ہر آیت کے لیے شہادت دینا ہو گی کہ یہ صحیح آیت ہے اور اپنی صحیح جگہ پر ہے، یوں اس طریقۂ کار کی مدد سے پہلا مصحف تیار ہوا۔

یہ مصحف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا اور جب ان کا انتقال ہوا تو یہ مصحف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد یہ مصحف ان کی بیٹی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحویل میں دے دیا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد تو دینِ اسلام دور دراز علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ دینِ اسلام ایران اور مصر تک پہنچ چکا تھا۔ اور کتنے ہی لوگ (گروہ در گروہ) مسلمان ہو رہے تھے۔

ایسے حالات میں کچھ لوگ (بالخصوص نومسلم حضرات) ایسے بھی تھے جنہوں نے تلاوتِ قرآنِ مجید کی قرآت سے متعلق ایک دوسرے سے بحثیں شروع کر دیں۔ ایک نہایت ہی اہم بات (جس کا تذکرہ کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات (۷) مختلف لہجوں میں قرآنِ مجید پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ سو اس وقت

تک تو وہ (۷) مختلف لہجے رائج تھے۔ان سب کو قرآن ہی سمجھا جاتا تھا۔۔کیوں۔۔؟؟

اس لئے کہ نبیء کریم ﷺ نے (بذاتِ خود) ان سات (۷) مختلف لہجوں میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔تاہم بعد میں (بالخصوص عثمانی دور میں) کچھ لوگوں نے جو اپنے لہجے میں قرآنِ مجید پڑھتے تھے انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ بحثیں شروع کر دیں جو قرآن مجید کو اپنے اپنے لہجے میں پڑھتے تھے۔

ایسے لوگوں نے ایک دوسرے کو کہنا شروع کر دیا کہ ہماری قرآت صحیح ہے اور تمہاری قرآت غلط ہے۔اور پھر۔۔اس معاملے میں بعض اوقات تو نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی!!

ان حالات میں ایک سپہ سالار حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ان سے عرض کیا کہ ''دیکھئے یہ بہت بڑی پریشانی ہے ہمارے باہمی اختلافات کا ایک ہی حل ہے کہ آپ لوگوں کو ایک ہی قرآت پر متفق کر دیں!!۔۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سپہ سالار کی اس تجویز کو سراہا اور فرمایا کہ ہم کیا کریں گے۔۔!!! ہم لوگوں کو (یعنی امتِ مسلمہ کو) قریش کی قرآت یعنی ان کے لہجے پر متفق کر دیں گے۔

قریشی لہجہ ہی وہ لہجہ تھا جس میں خود نبیء کریم ﷺ اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

سو،اس سلسلے میں انہوں نے (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) ایک مرتبہ پھر قرآنِ مجید کو یکجا کرنے کا حکم دیا۔۔اور (غور کیجئے) اس کام کو کرنے کے لیے انہوں نے کس شخص کا انتخاب کیا؟

(جی ہاں)۔۔اُسی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چنا گیا جنہوں نے (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں) پہلے بھی قرآن کو یکجا کیا تھا۔

ایک مرتبہ پھر انہوں نے (پہلے کی طرح) اُسی ضابطۂ اخلاق کی شرط اور قید رکھی کہ ہر آیت کے لیے کم سے کم دو آدمیوں کی یہ شہادت چاہیئے ہوگی کہ یہ آیت صحیح ہے اور بالکل اپنی اصل جگہ پر ہے۔

یوں انہوں نے ایک بار پھر قرآن مجید کو قلمی نسخے کی صورت میں یکجا کر دیا۔

اس کے بعد انہوں نے اس مصحف کا موازنہ اُس مصحف سے کیا جسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں یکجا کیا گیا تھا انہوں نے دونوں نسخوں کو بالکل ایک جیسا پایا۔ وہ دونوں نسخے ایک دوسرے سے (ہر ہر لفظ اور آیت کے اعتبار سے) بالکل ملتے جلتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطورِ خلیفہ یہ حکم نامہ جاری کیا کہ ہر وُہ نسخہ۔۔۔قرآن کا نسخہ جو لوگوں نے خود سے بنا لیا ہوا ہے اسے تلف کر دیا جائے۔

سو، ایسے نسخوں کو جلا کر اُن کو تلف کر دیا گیا۔ کیونکہ قرآن کے متن کو تلف کرنے کا یہ صحیح ترین اور پاکیزہ ترین طریقہ سمجھا گیا۔

آپ ایسا نہ سمجھیں جیسا کہ، مغربی ثقافت میں لوگ جب کتابوں سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں تو وہ احتجاجاً، یا مجبوراً انہیں جلا دیتے ہیں، نہیں۔ یہ معاملہ ایسا ہرگز نہ تھا۔

بلکہ یہ تو قرآنِ مجید کے اوراق کو تلف کرنے کا صحیح ترین (اور پاکیزہ ترین) طریقہ کار تھا۔

سو، اس لئے، اُس وقت لوگوں کے پاس (اپنا اپنا تیار کردہ) قرآن مجید کا جو جو نسخہ تھا (مندرجہ بالا طریقہ کار کے علاوہ) یا تو اسے (خلیفہ کے حکم سے) دھو دیا گیا (یا پھر جلا دیا گیا۔۔۔)

وہ مصحف قرآن جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتا ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر حضرت اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحویل

میں رہا تھا اسے دھوکر بالکل صاف کر دیا گیا۔ اس کے بعد، **مصحفِ امام** کے سوا یعنی حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں یکجا کئے گئے نسخے کے سوا۔۔۔ قرآنِ مجید کے ہر نسخے کو تلف کر دیا گیا۔

مصحفِ امام سے مراد قرآنِ مجید کا وُہ نسخہ قرار پایا جسے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگرانی اور ہدایات میں مرتب کروایا تھا۔

پھر اس "**مصحف امام**" سے 7 یا 9 مزید کاپیاں تیار کروائی گئیں۔ اور ان کاپیوں کو اُس وقت کی اسلامی دنیا میں تقسیم کر دیا گیا (اور اس بات پر زور دیا گیا کہ) بقیہ تمام تر نسخوں کو اسی مصحفِ امام جیسا ہی ہونا چاہئے!!

ماہرین کے مطابق ، ہمارے پاس آج بھی۔۔ جی ہاں۔۔۔ آج بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مرتب کردہ ان قرآنی نسخوں میں سے دو یا تین نسخے، (اپنی اصلی حالت میں) محفوظ ہیں۔

اور یہ نسخے نبی ء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے صرف 20 سال بعد (کے دور کے) مرتب کردہ ہیں۔

اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آپ قرآنِ مجید کا کوئی ایک نسخہ لیں اور پھر دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں۔ پھر اپنے نسخے کا دنیا (کے کسی بھی حصے) میں پائے جانے والے قرآن مجید سے اس کا موازنہ کریں۔

آپ بے شک تاریخی اعتبار سے، تین سو سال، چار سو سال، پانچ سو سال پیچھے چلے جائیں ۔۔ اور پھر آپ اپنے قرآنی نسخے کا اِن قدیم نسخوں سے موازنہ کریں۔

آپ (یقینا) دیکھیں گے کہ یہ نسخے ایک دوسرے سے قطعاً مختلف نہیں ہیں۔

ان میں حرف بہ حرف کیا بلکہ زیر زبر کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے؟

سو یہ ہے ایک مسلمہ حقیقت ۔۔ایک مسلمہ، مستند حقیقت!!

اور یہ ہے قرآن مجید کا وُہ حیران کُن معجزاتی کرشمہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود ارشاد فرماتا ہے کہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ (سورة الحجر، آیت نمبر 9)

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم نے ہی اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

سو اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی لامحدود حکمت ودانائی کے ذریعے قرآن مجید کو (کسی بھی قسم کی تحریف یا کمی بیشی سے) محفوظ رکھا ہوا ہے۔ایک نہایت ہی اہم بات کہ اس پروگرام کی بقیہ اقساط میں (یعنی اس کتاب کے بقیہ ابواب میں مترجم) دلائل وبراہین کے لیے جب بھی ہم قرآنِ مجید میں سے کوئی حوالہ دیں تو آپ پر یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ ہم کسی ایسے مسودے میں سے حوالہ دے رہے ہیں جو (کلام اللہ ہے اور) تصدیق شدہ ہے کہ یہ مبنی برحق ہے!

یہی تو وہ شے ہے جس کے بارے میں ہم مسلمانوں کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہم مسلمانوں کے تمام تر مسالک، (تمام تر مکاتبِ فکر کے لوگ) سب کے سب قرآنِ مجید کے ایک نسخے پر متفق ہیں اور قرآن مجید کے اس ایک نسخے پر ہم پچھلے 1400 سال سے متفق چلے آرہے ہیں۔

کیونکہ یہی تو وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی گئی ہے (یعنی اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے) اور یہ وہی کتاب ہے جو آج بھی (بغیر کسی ردوبدل کے) اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔

یہ (قرآنِ مجید) وہ کتاب ہے جس پر ہم بھروسہ کر سکتے ہیں۔یہی وہ کتاب ہے جس پر (بلا شک وشبہ) ہم ایمان لا سکتے ہیں یہ چند ایک وہ باتیں ہیں جن کے بارے میں اس پروگرام کی آئندہ کی اقساط میں ہم (قدرے تفصیل سے) بات کریں گے۔

۔۔آ گے چل کر ان شاء اللہ۔۔قرآن مجید کو زبانی یاد کر کے،یعنی حفظ کے ذریعے محفوظ کرنے کے حوالے سے بات ہوگی۔۔۔

تب تک اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

باب نمبر 3

قرآنِ مجید کا زبانی یاد کیا جانا (یعنی حفظِ قرآنِ مجید)۔۔۔ اور پھر اس کا نسل در نسل، سینہ بہ سینہ آگے منتقل ہوتے رہنا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بلاشبہ تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اور اسی سے معافی مانگتے ہیں اور اس کی بخشش کے طلبگار ہیں۔ اور ہم اپنے نفس کے شرور سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور اپنے برے اعمال کے برے نتائج سے بھی اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

آج (کی نشست) میں ہم پھر (دلائل و براہین کے ساتھ) وہی بات کریں گے کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔۔ گذشتہ نشست میں ہم نے قرآنِ مجید کو لکھ کر محفوظ کئے جانے سے متعلق گفتگو کی تھی۔۔۔ کہ کس طرح قرآنِ مجید کو اس کے نزول کے 23 سالہ دور میں لکھ لکھ کر محفوظ کیا گیا۔

تاہم اس موقع پر اس بات کو سمجھنا بہت ہی ضروری ہے کہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کا معاشرہ بنیادی طور پر اکثر معاملات کو زبانی نمٹانے والا معاشرہ تھا۔

مثال کے طور پر وہ لوگ جو ایک شخص سے دوسرے شخص تک کوئی معلومات منتقل کرتے تھے تو وہ (معلومات) اکثر کہانیوں یا اطلاعات پر مبنی ہوا کرتی تھیں وہ لوگ ان معلومات کو نسل در نسل یاد رکھتے تھے اور یوں یہ سلسلہ باپ سے بیٹے کو، اور پھر اسی طرح آگے منتقل

ہوتا رہتا تھا۔ سو، اس دور کی مروجہ اطلاعات اس طریقے سے پھیلائی اور یاد کی جاتی تھیں۔ اور قصے کہانیاں تو لوگوں کے دل ودماغ میں تر وتازہ رہتی تھیں!

اس پہلو کے اعتبار سے بھی قرآنِ مجید کے متن میں کوئی ردوبدل یا تبدیلی نہیں کی گئی۔

تاہم قرآنِ مجید کو زبانی یاد کرکے، یعنی حفظ کرکے اسے محفوظ کرنے کا مقام ومرتبہ بھی بلا شک وشبہ لاجواب ہے۔

اور یہ ہے وہ بات جس پر آج ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

دراصل قرآنِ مجید سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ نمبر 17 کی آیت نمبر 106 میں بذاتِ خود اس کا ذکر کرتا ہے جس کا مطلب ہے کہ

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾

اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کرکے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔

سو، قرآنِ مجید خود یہ کہتا ہے کہ اسے مختلف حصوں اور مختلف سورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اور یہ کہ یہ مختلف مراحل میں تدریجاً نازل ہوا ہے۔

اور ایسا کرنے میں بھی خالقِ ارض وسما کی عظیم الشان حکمت پوشیدہ ہے۔

تدریجاً نازل ہونے کے اسی عمل نے لوگوں کو یہ سہولت فراہم کی کہ وہ قرآنِ مجید کو زبانی یاد کرکے اپنی اپنی یاداشتوں میں محفوظ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید کی کچھ آیات کو کسی مخصوص وقت میں کسی مخصوص واقعے کی نسبت سے نازل فرماتا اور مسلمان ان کو یاد کرلیتے۔ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ان آیات کو یاد کرلیتے۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اصحاب جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے کہ وہ قرآن کی ان

آیات کو لکھ لیں اور وہ لکھ لیتے تھے۔لیکن یہاں ایک نہایت ہی اہم اور قابلِ ذکر پہلو جسے لازماً یاد رکھا جانا چاہیئے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خود تو اُمیّ تھے یعنی آپ ﷺ ایک ایسی شخصیت تھے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ بلکہ پورے عرب میں اس وقت بہت کم ہی ایسے لوگ تھے جو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ بہت ہی کم۔۔۔لیکن ان لوگوں میں سے جو پڑھے لکھے (مسلمان) تھے وہ قرآنِ مجید کو، کھجور کے پتوں، (حلال) جانوروں کی پاکیزہ کھال پر، اس وقت جو چمڑا دستیاب تھا اس پر اور اسی طرح (دیگر کئی) مختلف چیزوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔

لیکن اکثر لوگ قرآن کی نازل کردہ آیات کو زبانی یاد کرلیا کرتے تھے۔۔۔وہ صرف ان آیات کو زبانی یاد ہی نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے (قلب وروح) کے اندر نفوذ کر کے ان پر، (ان کی تعلیمات پر) عمل بھی کرتے تھے کہ وہ آیات اُن کی عملی زندگیوں میں انہیں کیا سکھاتی ہیں۔اس اعتبار سے انہیں دُہرا فائدہ ہوتا تھا۔

1- ان آیات کو اصلی الفاظ کے ساتھ حفظ کرنا

2- پھر اپنی عملی زندگیوں میں ان آیات پر عمل پیرا ہونا۔سو، قرآنِ مجید کے مرحلہ وار یعنی تدریجاً نازل ہونے میں ایک تو یہ عظیم حکمت عملی تھی جو پوشیدہ تھی۔

اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلام (کی تعلیمات) پر عمل پیرا ہونے، دینِ اسلام پر عمل پیرا ہونے کا حکم وقت کے ساتھ ساتھ بتدریج آتا تھا، اور واقعتاً ایسا ہونا بھی انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اچانک ہی کسی نظام کو یکسر تبدیل کر کے اسی پر چل پڑنا انسانوں کے لیے بہت ہی مشکل کام ہے۔

اور نزول کے اعتبار سے تو یہ قرآنِ مجید کا ایک حیران کر دینے والا پہلو ہے کہ یہ کس طرح مرحلہ وار، تھوڑا تھورا، آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا تا کہ یہ لوگ اس پر اپنی اپنی عملی زندگیوں میں عمل پیرا ہوسکیں۔

ایک اور نہایت ہی اہم بات جس کی طرف قرآنِ مجید ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے وہ ہے اُس کی تلاوت جسے قرآن مجید کو زبانی یاد کرنے کے لیے بہت ہی آسان بنا دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے ہمارے لیے قرآنِ مجید کو زبانی یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔ اور یہ بات حقیقت میں واقعی نا قابلِ تردید ہے کہ ہر دور میں قرآنِ مجید کو کیسے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ پھر حفظ کرنے کے اس عمل کو دوام بخشنے کے لیے۔۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے درمیان ۔۔ یقینا نبیِ کریم ﷺ اور مختلف ائمہ کرام ۔۔۔ یا وہ لوگ جو اس وقت مدینہ کے کے مختلف علاقوں میں نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔۔ وہ لوگ صبح کی نماز میں مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قرآنِ مجید کی تلاوت اونچی آواز میں کیا کرتے تھے۔ سو، اس طرح مسلمان باقاعدگی سے تلاوتِ قرآنِ مجید سنا کرتے تھے۔

اور رمضان کے مہینے میں تو یہ عمل بڑے اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ تو رمضان کے مہینے میں پورا قرآنِ مجید تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور مسلمان آپ ﷺ کی اس سنتِ مبارکہ پر عمل پیرا رہے اور وہ آج تک آپ کی اسی سنتِ مبارکہ (یعنی رمضان المبارک میں پورے قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے) پر بڑے خشوع وخضوع سے عمل کرتے چلے آرہے ہیں:

حضرت محمد ﷺ قرآنِ مجید کو حفظ کرنے کے لیے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرماتے

تھے۔

درحقیقت اس شخص کے لیے دینِ اسلام میں بہت ہی اجر وثواب ہے جس نے پورے کے پورے قرآنِ مجید کو زبانی یاد کر رکھا ہو۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو بہت پیارے صحابی جو آپس میں گہرے دوست تھے، ایک ہی وقت پر فوت ہو گئے۔ اس پر پہلے فوت شدہ شخص کو قبر میں اتارتے ہوئے رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بہت زیادہ تکریم کی۔ (صرف) اس وجہ سے کہ دوسرے (فوت شدہ) صحابی کی نسبت اس نے قرآنِ مجید کا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد کر رکھا تھا!

دراصل جو امام ہوتا ہے اُسے امام چُنا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس نے قرآن کا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد کر رکھا ہوتا ہے۔

اسی طرح نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ مخصوص آیات اور کچھ خاص خاص سورتیں یاد کرنے کی بھی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر جمعہ کی نماز سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ کہف تلاوت کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ سورۃ یٰسین کو رسولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنِ مجید کا دل قرار دیتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ (مفہوم) قیامت کے دن سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران اپنے ان پڑھنے والوں کی (اللہ کے حضور) شفاعت کریں گی جنہوں نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہوگا۔

سو ایسی کئی باتیں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے تھیں تاکہ وہ قرآنِ مجید کا زیادہ سے زیادہ حصہ زبانی یاد کرنے کی طرف مائل ہوں۔

لہٰذا، ایسے حوصلہ افزا اقدامات کی مدد سے اور پھر نمازوں کے دوران

تلاوتِ قرآنِ مجید سے قرآنِ مجید تدریجاً لوگوں کے دل و دماغ اور ان کی یاداشت کا ایک حصہ بنتا چلا گیا۔

خیر۔۔اب زبانی یاد کرنے کے اس عمل پر کچھ مزید گفتگو کرتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقالِ پُرملال ہوا، تو تب تک کئی ایک لوگ حفاظِ قرآن بن چکے تھے یعنی انہوں نے سارے کے سارے قرآنِ مجید کو حفظ کرلیا ہوا تھا اور مسلم معاشرے میں مکمل قرآن کو حفظ کرنے والے ایسے لوگوں کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قرآنِ مجید کو زبانی یاد کرنے کا یہ عمل (مسلمانوں میں) نسل در نسل چلتا ہوا آرہا ہے اور یہ عمل آج بھی جاری و ساری ہے۔

اسے آپ قرآنِ مجید کی متواتر یا مسلسل حفاظت کہہ سکتے ہیں۔ متواتر کی جو اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اس سے کیا مراد ہے؟

اس کا مطلب ہے کہ کئی ایک مختلف لوگ جنہوں نے کوئی خاص روایت یا واقعہ روایت کیا ہو ان لوگوں کے متعلق یہ بات بالکل ناممکن اور ناقابلِ یقین ہو کہ ان سب نے مل کر اپنی طرف سے کوئی جھوٹ گھڑ لیا ہو۔

دوسرے الفاظ میں، سوچیئے کہ آپ کے ہاں ایک ہزار لوگ ہیں یہ ایک ہزار لوگ دوسرے ایک ہزار لوگوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اسی طرح وہ ہزار لوگ پھر آگے سینکڑوں لوگوں کو تعلیم دے رہے ہوں۔۔ تو کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ کتنے، ہزاروں، لاکھوں لوگ اس طرح سلسلۂ علم سے وابستہ ہوں گے۔۔! اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان سب کے سب لوگوں نے اکٹھے ہو کر، مل بیٹھ کر کوئی سازش کی ہو کہ وہ کچھ جھوٹ موٹ گھڑ کر دین میں شامل کر دیں۔۔ نہیں۔۔ یہ وہ بات ہے جو قطعاً ممکن ہی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ متواتر کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسے کئی ایک ایسے لوگوں نے مل کر

روایت کیا ہے جن کے متعلق یہ یقین کر لینا ناممکنات میں سے ہے کہ انہوں نے خود سے کوئی جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہوگا۔

قرآنِ مجید کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے۔ پورے کا پورا قرآنِ مجید۔۔ اس کی ایک ایک آیت ہم تک مختلف زمانوں سے متواتر طریقے سے ہوتی چلی آرہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بھی شخص قرآنی علوم کا ماہر، یا اس کا حافظ بننا چاہتا ہے تو اُسے کسی ماہر استاد کے پاس بیٹھنا پڑتا ہے اور اُسے قرآنِ مجید کو ایک مخصوص انداز، مخصوص طریقہ کار سے سیکھنا پڑتا ہے۔۔ آگے چل کر ہم قرآنی علوم، اور قرآنِ مجید کو پڑھنے اور پڑھانے والوں کے اُن سلسلوں کے متعلق، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا ملتے ہیں۔۔۔ اُن کے متعلق انکشافات کریں گے۔

۔۔۔ آج ہم قرآنِ مجید کی نسل در نسل منتقلی سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں کہ قرآنِ مجید کس طرح مسلمانوں کے دل و دماغ اور اُن کی یاداشتوں میں محفوظ ہو کر رہ گیا ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں متواتر طریقے سے قرآنِ مجید کے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہونے کی بات کی۔ کہ کس طرح قرآنِ مجید ان ہزاروں مسلمانوں کے توسط سے جنہوں نے اِسے حفظ کر رکھا تھا ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہا۔ لیکن قرآنِ مجید کو صرف زبانی یاد کر لینا ہی کوئی واحد بات نہیں ہے۔ اس سلسلے میں تجوید ایک ایسا سائنسی علم ہے جس میں قرآنِ مجید کے تمام تر حروف کو ان کے صحیح صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔

اور یہ وہ علم ہے جسے سیکھنے کے لیے آپ کو لازماً کسی کی شاگردی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ اور اصولی طور پر وہ اساتذہ جنہوں نے تجوید، حفظ اور قرآنی علوم کو آگے منتقل کرنے میں امتیازی تعلیم حاصل کر رکھی ہوتی ہے، طلباء حصولِ علم کی غرض سے اکثر انہی کے پاس جاتے

ہیں۔

یہ طلباء ایسے اساتذہ کے پاس تقریباً 3 سے 6 سال تک علم حاصل کرتے ہیں۔ اور تین یا چھ سالوں کے دوران جب یہ طلباء اپنے اپنے شعبہءِ علم میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں تو وہ عالم ان کو تزکیہ عطا کرتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ عالم ان طلباء کو ایک تحریری سند عطا کرتا ہے کہ وہ اب خود قرآن کو (صحیح تلفظ کی ادائیگی کے ساتھ) تلاوت کر سکتے ہیں اور اس علم کو آگے منتقل بھی کر سکتے ہیں۔ اور وہ عالم یہ سند، اپنے ہر طالب علم کو ایک کڑے امتحانی مرحلے سے گذارنے کے بعد ہی عطا کرتا ہے۔

۔۔ کہ ہاں اب، فلاں فلاں طالبِ علم قرآنِ مجید کے حروف کو، الفاظ کو ان کے صحیح صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔

سو یہ علمِ تجوید بھی ایک سائنس ہے۔

یہ وہ طریقۂ کار ہے جو اس بات کی یقین دہانی کراتا ہے کہ قرآنِ مجید کے متن میں کسی بھی طرح سے کوئی تحریف یا کوئی گڈ مڈ نہیں کی جا سکتی۔

ایک اور نہایت ہی اہم بات جس کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ "عربی" ایک زندہ و جاوید زبان ہے۔۔ جی ہاں۔ یہ واقعی ایک زندہ و جاوید زبان ہے۔

لوگ آج بھی عربی بولتے ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو عربی بول سکتے ہیں، وہ تو قرآن اٹھاتے ہیں، اِس کی تلاوت کرتے ہیں اور آسانی سے اس کے متن کے مفہوم و معانی کو سمجھ سکتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ قرآن کی عربی زبان تو 1400 سال پرانی ہے۔۔ لیکن وہ عربی زبان آج بھی سمجھی جا سکتی ہے۔۔ کیونکہ یہ ایک زندہ و جاوید زبان ہے۔

سو، قرآنِ مجید کو زبانی یاد کر لینے کے عمل میں، ایک اور نہایت ہی اہم بات جسے ہمیں

اضافی طور پر یاد رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ ہر دور میں ہزاروں، لاکھوں لوگ قرآنِ مجید کو حفظ کرتے ہیں۔۔ یہ فی نفسہٖ قرآنِ مجید کا ایک الگ معجزاتی پہلو ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں خود جس مسجد میں کچھ خدمات سرانجام دیتا ہوں اس کے امام صاحب نے اس وقت مکمل قرآنِ مجید حفظ کرلیا تھا جب وہ صرف اور صرف سات سال کے تھے۔ سوچئے صرف سات سال کی عمر میں انہوں نے پورے کا پورا قرآنِ مجید حفظ کرلیا تھا۔ یہ قرآنِ مجید کا واقعتا ایک عجیب وغریب معجزاتی کرشمہ ہے۔

سو، قرآنِ مجید کا اس طرح محفوظ کئے جانے کا عمل، اس کا زبانی کلامی ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہونا،۔۔ یا اس کا لوگوں کے دل و دماغ یا ان کی یاداشتوں کا مستقل حصہ بن جانے کا عمل یہ کوئی محض ایسا ویسا معاملہ نہیں جس کا کہ مسلمان دعوٰی کرتے ہیں ۔۔۔ بلکہ یہ تو واقعی ایک ایسا عمل ہے جسے حتیٰ کہ غیر مسلم علماء نے بھی تسلیم کیا ہے اور اس کے متعلق اپنا اظہارِ خیال بھی کیا ہے۔

یہاں میں، قرآن سے متعلق چند اُن غیر مسلم محققین ''سکالرز'' کے تبصرے پڑھنے لگا ہوں۔۔ جنہوں نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔ یہ وہ علماء ہیں جو اپنے اپنے علوم کے میدانوں میں ''ماہرین'' تسلیم کئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اے۔ ٹی۔ ویلز، وہ لکھتی ہے کہ،

قرآنِ مجید مسلمانوں کے لیے محض ایک مقدس نسخے یا روایتی مغربی اصطلاح میں ایک مقدس ادب سے کہیں زیادہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ان گنت لوگوں کے لیے اس کی بنیادی اہمیت، صدیوں تلک، اس کی زبانی منتقلی میں مضمر رہی ہے۔ جس صورت میں یہ مسلمانوں کے سامنے آیا، یعنی جس صورت میں

محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کے سامنے 20 سال تک اس کی تلاوت کی۔ان کے وہ پیروکار اِن آیات کو محمد ﷺ کی زندگی ہی میں یاد کرلیا کرتے تھے۔اورزبانی یاد کر لینے کی یہ سعادت جو آپ ﷺ کے دور میں رواج پا چکی تھی۔۔ یہ سعادت اس وقت سے لے کر آج تک ایک متواتر تاریخی حیثیت سے چلی آ رہی ہے۔اور لکھے گئے قرآنِ مجید کی نسبت کئی حوالوں سے یہ زیادہ اہمیت کی حامل چلی آ رہی ہے۔

یوں قرآنِ مجید کو زبانی یاد کر لینے کی اس سعادت کو صدیوں سے ماہر قاریوں نے جاری رکھا ہوا ہے۔گو کہ مغرب میں قرآنِ مجید کو اس طرح زبانی یاد کر کے اس کی تلاوت کرنے کو ابھی تک کوئی خاص پذیرائی حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک اور مؤرخ جس کا نام ''کینتھ کریگ'' ہے وہ کہتا ہے کہ،

''قرآن، یقیناً مذہبی یا غیر مذہبی وہ واحد کتاب ہے جسے مکمل طور پر لاکھوں کروڑوں انسانوں نے زبانی یاد کیا ہے۔'' آیئے، ذرا اس فقرے کو دہراتے ہیں!

قرآن، درحقیقت۔۔ وہ واحد کتاب ہے، جی ہاں وہ واحد کتاب ہے، مذہبی یا غیر مذہبی جسے مکمل طور پر لاکھوں کروڑوں انسانوں نے زبانی یاد کیا ہوا ہے۔اور پھر وہ مزید کہتا ہے کہ

قرآنِ مجید کو اس طرح تلاوت کرنے کے کرشماتی پہلو کا مطلب یہ ہے کہ صدیوں سے اس کا متن سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔۔اور کسی بھی مقام پر اس کے ساتھ جذباتی وابستگی میں کہیں بھی کوئی خلا نہیں آیا۔اسی لئے نہ تو اسے آثارِ قدیمہ کے طور پر لینا چاہیے اور نہ ہی اسے قدیم ماضی کی کسی تاریخی دستاویز کے طور پر لینا چاہیے۔

حفظ کرنے کی حقیقی سعادت نے، یعنی قرآنِ مجید کو زبانی یاد کرنے کے عمل نے،

قرآنِ مجید کو مسلمانوں کے عروج وزوال کے تمام تر زمانوں میں (کسی بھی قسم کی تحریف سے) محفوظ رکھا ہے۔ اسی ''سعادت'' نے قرآن کو ہر نسل میں پھیلانے کے لیے افراد فراہم کیے ہیں۔ کسی بھی حوالے سے اس کی قدر ومنزلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

یہ بہت ہی معنی خیز اور نہایت اہم تبصرہ ہے۔!

کیونکہ۔ یہ تبصرہ واقعتاً مزید اس امر پر زور دیتا ہے کہ قرآنِ مجید محض کوئی حوالہ دینے والی کتاب نہیں ہے۔ یہ محض کوئی عبارت نہیں ہے، یہ تو ایک لازوال، زندہ وجاوید حقیقت ہے۔۔۔ایک حقیقت۔۔!!!

اور دراصل اس کو یاد کرنے، حفظ کرنے کی سعادت کا عمل اور پھر اس سعادت کا مستقل تسلسل سے، تواتر سے (نسل در نسل) چلتے رہنا ہی وہ معجزاتی کرشمہ ہے جو قرآنِ مجید کو ہر دور کے مسلمانوں کے دل ودماغ میں ایک زندہ وجاوید حقیقت بناتا ہے۔

اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پاس آج بھی ایک ایسی کتاب موجود ہے جو کہ اپنے اصلی متن اور تقدس وحفاظت کے اعتبار سے بالکل الگ تھلگ، بالکل منفرد ہے! یہی وجہ ہے کہ آج تک اس پر کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاسکا۔

یہ وہ بات ہے جو ''**ریورنڈ بازورتھ سمتھ**'' **Reverend Bosworth Smith** نے اپنی کتاب ''**محمد اینڈ محمڈنزم**'' میں لکھی ہے۔

اور میرا خیال ہے کہ یہ وہ بات ہے جس کو دہرایا جانا چاہیئے۔

وہ کہتا ہے کہ، ''یہ ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے اصلی متن کے حوالے سے، اور حفاظت کے حوالے سے۔۔۔ بالکل الگ تھلگ ہے۔ (اور اُس کا یہ کہنا ہے کہ) حفاظتِ قرآن

کے اس معیار پر کوئی بھی کبھی بھی شک نہیں کر سکتا۔

دیکھیے، ہر دور میں، کہیں نہ کہیں ایسے لوگ موجود رہے ہیں جنھوں نے مختلف حربوں اور مختلف حوالوں سے قرآنِ مجید کی اصلیت کے بارے میں کئی شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں کی ہیں، اور حال ہی میں تو ایسے کئی لوگ منظر عام پر آئے ہیں لیکن (الحمدللہ) حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی دور میں کوئی بھی نہ پہلے کبھی اس اہل تھا اور نہ اب ہے کہ وہ قرآن مجید کے زبانی سینہ بہ سینہ منتقلی کو غلط ثابت کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں چیلنج کر سکے۔

اور یہ وہ ناقابلِ تردید اہم نکتہ ہے جسے ہم مسلمانوں کو ہر صورت میں یاد رکھنا چاہیئے!!

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو لکھا بھی گیا، لکھ کر اس میں سے حوالہ جات بھی دیئے گئے، اور ہمارے پاس اس کے قدیم قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے قریب ترین زمانے کے نسخے۔۔۔وہ بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں۔اور ہم گذشتہ قسط میں (یعنی پچھلے باب میں۔مترجم) اسی سلسلے میں بات کر چکے ہیں۔لیکن جو بات قرآنِ مجید کی اس غیر متنازعہ اصلیت کو چار چاند لگاتی ہے وہ یقینی طور پر اس کو حفظ کرنے کا بے مثال اور لاجواب طریقۂ کار ہے۔یعنی قرآن کو زبانی یاد کر لینے کا عمل۔۔اور واقعی یہ ایک معجزاتی کرشمہ ہے۔

اس کا مشاہدہ میں نے خود بھی کیا ہے کہ رمضان کے مہینے میں مسلمان نمازِ تراویح کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔

یہ (نمازِ عشا کے بعد) رات کے وقت ادا کی جانے والی مخصوص نمازیں ہیں۔۔ان میں مسلمان اکٹھے ہوکر، تقریباً گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔اس دوران زیادہ سے زیادہ قرآنِ مجید پڑھا جاتا ہے۔اور عمومی طور پر ہم کسی ایسے امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں جس نے سارے کا سارا قرآنِ مجید حفظ کر رکھا ہوتا ہے۔

لیکن ۔ ’’سامعینِ محترم‘‘ (قارئین کرام)

یقین کیجئے کہ جب وہ امام صاحب رمضان کی نمازِ تراویح میں قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے ہیں تو بلا شک وشبہ، (ان کے مقتدیوں میں) دو، تین، چار، یا پانچ یا ہوسکتا ہے دس، (یا کئی ایک اور) ایسے افراد (بھی) موجود ہوتے ہیں جنہوں نے قرآن کا وہ حصہ یاد کیا ہوا ہوتا ہے جو امام پڑھ رہا ہوتا ہے یا پھر وہ خود بھی حافظِ قرآن ہوتے ہیں۔ یعنی انہوں نے بھی مکمل قرآنِ مجید یاد کیا ہوا ہوتا ہے۔

دیکھئے، لوگ بعض اوقات کوئی غلطی کر جاتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ وہ غلطی کر جاتا ہے، کوئی آیت بھول جاتا ہے، بعض اوقات کسی ایک آیت کو دوسری کسی مشابہ آیت کے ساتھ گڈ مڈ کر جاتا ہے۔ لیکن اگر امام سے کوئی بھول چوک ہوجاتی ہے، یا وہ رک جاتا ہے تو اکثر اوقات آپ اس کے مقتدیوں میں سے ایک اور آواز سنتے ہیں۔ جماعت ہی میں سے۔۔!!!

ایک حافظ کا دوسرے حافظ کو درست تلاوتِ قرآن کے لیے ’’لقمہ‘‘ دینے کا اور اپنی مدد آپ کے تحت اصلاح کرنے کا یہ عمل۔۔ ایک ایسا قابلِ قدر معاملہ ہے جس کا مشاہدہ آپ اس وقت کرتے ہیں جب آپ اس زندہ وجاوید معجزے کو سُن رہے ہوتے ہیں۔

آپ (بذات خود) یہ مشاہدہ کررہے ہوتے ہیں کہ کس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ مسلمانوں کے دل و دماغ، اُن کی یاداشتوں کے ذریعے، اپنے کلام کی حفاظت فرما رہا ہے۔

اور یوں آپ کا یقین اور بڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سچ ہی تو فرمایا ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴿۹﴾ (سورۃ الحجر، آیت نمبر 9)

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم نے ہی اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

یہ ایک زندہ جاوید۔۔(لازوال) معجزہ ہے۔

کیا پوری دنیا میں کوئی ایسی کتاب ہے، کیا کوئی ایسی اور چیز ہے جس کا موازنہ صرف زبانی یاد کرنے کے اس حوالے ہی سے قرآنِ مجید کے ساتھ کیا جا سکے؟

۔۔۔آگے چل کر ہم حفاظت حدیث، یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی حفاظت سے متعلق گفتگو کریں گے۔

یہ ہیں وہ عنوانات جن پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ ازراہِ کرم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا مت بھولیے گا۔ کیونکہ ہم سنتِ نبوی کی حفاظت کے متعلق بات کریں گے۔ ہم خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کے متعلق بات کریں گے!!

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مجھے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے!!

اللہ کریم آپ کو، اور ہم سب کو حق کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے!! (آمین ثم آمین)

آپ سے بات کر کے مجھے تو واقعی بہت خوشی محسوس ہوئی اور میں امید کرتا ہوں کہ جو جو حیران کن باتیں آپ نے سُنی ہیں ان سے آپ کے اندر ایک ولولہ پیدا ہوا ہوگا اور آپ سچ کو پرکھنے کے لیے اپنا ذہن بنائیں گے۔ ابھی تو آپ آگے چل کر ان سے زیادہ حیران کن باتیں سنیں (پڑھیں) گے۔

سو، اس اعتبار سے یہ جاننے کے لیے کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے مسلسل رابطے میں رہیے گا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

باب نمبر 4

حفاظتِ احادیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امن اور حکمت و دانائی کے صدر دروازے سے میں آپ کو صراطِ مستقیم کی طرف خوش آمدید کہتا ہوں۔

اکثر لوگ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔لیکن یہاں سوال یہ ابھرتا ہے کہ آیا وہ (اپنے اس دعوے) کو ثابت بھی کر سکتے ہیں (یا نہیں؟)۔

اگر آپ راہِ حق کے متلاشی ہیں یا کلمۂ حق کے لیے سرگرداں ہیں۔۔یا ہوسکتا ہے آپ متجسس ہوں کہ مسلمانوں کا اپنے عقیدے پر ایمان کیونکر ہے تو ایسے حقائق کے متعلق زیادہ سے زیادہ انکشافات جاننے کے لیے ہمارے اس پروگرام **"بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے"** کے حق میں دی جانے والی دلائل و براہین سے بھری شہادتوں والی اقساط دیکھنا مت بھولئے گا۔(یعنی دلائل و براہین سے بھرے شہادتوں والے ابواب پڑھنا مت بھولیے گا۔مترجم)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بلاشبہ تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ہم اسی کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔اور اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ہم اپنے نفس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔اور اپنے برے اعمال کے برے نتائج سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

حفاظتِ حدیث

میں عبدالرحیم گرین ہوں اور آپ ان شہادتوں کے لیے اس وقت میرے ساتھ ہیں

کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔

آج ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کی حفاظت سے متعلق گفتگو کریں گے۔ اس سے پہلے ہم نے قرآنِ مجید کو حفظ کرنے، اور اس کے سینہ بہ سینہ، منتقل ہونے کے عظیم المرتبت طریقۂ کار سے متعلق کچھ بیان کیا تھا۔

کہ کس طرح ہمارے بچوں نے صرف سات سال یا بعض اوقات اس سے بھی کم عمری میں پورے کا پورا قرآنِ مجید حفظ کرلیا ہوتا ہے۔ جب کہ ان میں سے اکثر بچے عربی نہیں بولتے۔ پوری دنیا میں ایسی کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ لیکن صرف قرآن ہی تو مسلمانوں کی راہنمائی کا ذریعہ نہیں ہے۔ دینِ اسلام کو مکمل طور پر سمجھنے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے قدم قدم پر نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ کامل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور آپ کی سنتوں سے رہنمائی لینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

آج ہم اس بات کا تجزیہ کریں گے کہ دینِ اسلام کے علماءِ حق نے کس طرح اور کتنی محنت ومشقت بھری ریاضتوں کے بعد نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو یکجا ومحفوظ کیا۔ سو آج ہمارا موضوعِ سخن یہی عنوان ہے۔

اس قدیم ترین دور کو یاد کیجیے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین رہ رہے تھے۔ جیسا کہ مائیکل والٹیئر اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ، ''قدیم دور میں لکھنے کا رواج بہت ہی کم پایا جاتا تھا۔ اس وقت یاداشت کو زبانی یاد کر کے سینہ بہ سینہ آگے منتقل کیا جاتا تھا۔ اس طریقۂ کار پر بہت زیادہ بھروسہ کیا جاتا تھا۔ آج کل تو اس کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس دور میں یہ رواج بہت مقبولِ عام تھا کہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے اقوال کو لکھ لینے کی

نسبت زبانی یاد کرتے تھے اور پھر ان کو اسی طرح آگے منتقل کر دیتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی بالکل صحیح صحیح زبانی یاد کر لینے کی اہلیت آج کے دور کے لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ پختہ تر اور قابلِ بھروسہ تھی۔ آج کے دور کے لوگ تو کئی باتوں کو اکثر مکمل طور پر سمجھتے ہی نہیں ہیں۔۔ کیونکہ وہ معلومات کو اپنی ''یاداشت'' میں ذخیرہ کر لینے کے طریقۂ کار کے عادی ہی نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری یاداشت کمزور ہے جب کہ اس یاداشت کو تیز کرنے کا عمل کمزور ترین ہے۔

ہم اپنی معلومات کو Hard Disk پر محفوظ رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یا پھر کاغذوں پر لکھ لینے کو ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن اُس قدیم دور میں لوگ علوم کو اپنے دماغ، اپنے ذہن میں یاد رکھا کرتے تھے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ۔۔ ہم یہی دیکھتے آئے ہیں کہ اکثر لوگ سنتِ نبوی کی اہمیت وافادیت کو بعض اوقات مکمل طور پر سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

سنت نبوی سے کیا مراد ہے؟

سنت کا آخر مطلب کیا ہے؟

عربی زبان میں سنت کا مطلب ہے، عمل، راستہ۔

پیغمبر کا طرزِ عمل۔ وہ طریقہ کار، ہر ہر وہ عمل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار کیا۔

وہ اقوال جو آپ نے ارشاد فرمائے۔

وہ اعمال جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمائے، وہ معاملات جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس سب کچھ کو سنت کہا جاتا ہے۔

اور سنت کو محفوظ کیا گیا ہے۔ یا جسے حدیث کہا جاتا ہے اسے محفوظ کیا گیا ہے۔

حدیث کا لغوی اعتبار سے مطلب ہے کوئی قصہ، کہانی

قرآن کو بھی ایک حوالے سے حدیث کہا جاتا ہے۔

بلکہ یہ اعلیٰ ترین حدیث ہے، اعلیٰ ترین بیان ہے۔لیکن شریعتِ اسلامی میں عمومی طور پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو حدیث کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔سوحدیث کی اصطلاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریروں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال۔۔ یا کسی بھی معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی ایک کتابیں ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں تو کتنی ہی باتیں ہیں جو نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائیں۔ کتنے ہی ایسے افعال ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیے۔ البتہ یہ بات قابلِ توجہ اور یاد رکھنے کے لائق ہے کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا دورانیہ 23 سال کا ہے۔۔اس اعتبار سے دیکھیں تو پھر تو بہت زیادہ مواد بنتا ہے۔

23 سال کے عرصے میں نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جو اعمال کئے، جو جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔۔ یا جس جس معاملے میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔۔۔ اس لحاظ سے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے ہی بیانات بنتے ہیں، کتنی ہی احادیث بنتی ہیں۔۔

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ حساس ترین ہے کیونکہ حقیقت میں نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے متعلق، جھوٹی احادیث گھڑنا شروع کر دیں اور یوں اِن لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا۔محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ فرمایا۔۔وغیرہ وغیرہ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ۔۔مثلاً جو

آدمی چاول کا کاروبار کرتا تھا اس نے سوچا کہ چاول بیچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ بات مشہور کر دو کہ نبی ءکریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ چاول کھایا کرو۔۔ چاول آپ کے لیے بہت مفید ہیں۔سو، اگر ہر آدمی یہ سمجھے کہ چاول اس کے لیے بے حد مفید ہیں اور یہ نبی ءکریم ﷺ نے فرمایا ہے۔۔تو ظاہر ہے زیادہ سے زیادہ لوگ چاول خریدیں گے۔اس طرح کئی حکمرانوں نے اپنے کرتوتوں کا کوئی نہ کوئی جواز پیدا کرنے کے لیے اپنی مَن پسند کی احادیث گھڑیں! سو، اسی لئے اسلامی دنیا میں ایک ایسا انقلابی ردعمل پیدا ہوا، جس پر آگے چل کر ہم ابھی بات کرتے ہیں۔۔وہ ایک ایسا حیران کن سائنسی علم تھا جس کی مدد سے ہم نبی ءکریم ﷺ کی صحیح ترین احادیثِ مبارکہ اور لوگوں کی طرف سے من گھڑت احادیث میں تفریق کر سکتے ہیں۔

اور اس سارے عمل سے ہمارا عقیدہ (ہمارا یقین) پہلے کی نسبت، مزید پختہ ہوتا ہے کہ اگر ہم دین اسلام کی بات کر رہے ہیں تو ہم کسی ایسی شے کی بات کر رہے ہیں جس کی تحقیق کی جاسکتی ہے، جسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

ہم تو کسی ایسی چیز کا ذکر کر رہے ہیں جو مسلمہ ہے تصدیق شدہ ہے۔یعنی اب ہم اپنے پاس تحقیق و تصدیق کرنے کے لیے سائنسی نوعیت کا ایک ایسا لائحہ عمل رکھتے ہیں جس کے ذریعے سے اور جس کی مدد سے ہم آسانی سے یہ جان سکتے ہیں کہ نبی ءکریم حضرت محمد ﷺ نے کیا کیا ارشاد فرمایا اور کیا کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔

خیر۔۔۔ یہاں یہ بات عرض کرتا چلوں کہ لوگوں نے احادیث میں تو من پسند کی کمی بیشی کر لی مگر ایسا کبھی بھی وُہ قرآنِ مجید کے ساتھ نہ کر سکے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اسلام کے انتہائی ابتدائی دنوں ہی سے کئی

لوگوں نے مکمل قرآنِ مجید کو حفظ کرلیا تھا۔

یوں، اسلام کے انتہائی ابتدائی ایام ہی سے، جیسا کہ اس کا تذکرہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔۔قرآن کا متن لکھ لیا گیا تھا محفوظ کرلیا گیا تھا اور اِسے تو یکجا بھی کرلیا گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بھی باغی فرقہ، کوئی گروہ، کوئی حکمران یا کوئی بھی فردِ واحد قرآن کے ذریعے اسلام کی تشریح اپنے من پسند انداز میں کرنا چاہتا تھا یا کسی چیز کو سچ ثابت کرنا چاہتا تھا تو وہ کبھی بھی اس اہل ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی من پسند نئی آیت بنالے یا قرآن کی کوئی آیت خود سے گھڑلے۔ایسا کرنا قطعاً ناممکن تھا۔

کیونکہ قرآن کا متن تو مسلمانوں کی تاریخ کے ابتدائی ایام ہی میں مرتب کیا جا چکا تھا۔۔اوراس پر سب کا اتفاق تھا۔لیکن احادیث نبوی یعنی نبیء کریم ﷺ کے اقوال کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تھا۔

اور یہ بات کہنے میں ہم حق بجانب ہیں اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ آج ہمارے پاس احادیث نبوی ﷺ کی کئی ایک کتابیں ہیں۔اور یہ کہ ہمارے پاس کوئی ایک بھی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں نبیء کریم ﷺ کی تمام تر صحیح احادیث ایک ہی جگہ یکجا کردی گئی ہوں۔

البتہ ہمارے پاس کچھ احادیث کا ایک مجموعہ ضرور ہے جو صحیح معنوں میں مسلمہ، تحقیق شدہ اور تصدیق شدہ ہے۔اور مختلف حوالہ جات کیلئے، دینِ اسلام میں قرآن کے بعد جسے سب سے زیادہ تصدیق شدہ نصاب یا متن سمجھا جاتا ہے۔

اسے صحیح البخاری کہتے ہیں۔!!

الصحیح کا مطلب ہے، درست، بے عیب، تحقیق شدہ اور البخاری۔۔اس امام یا عالم دین

کا نام ہے جس نے نبیء کریم ﷺ کی مختلف احادیث کو یکجا کرنے کی سعادت حاصل کی
صحیح البخاری کے بعد احادیثِ نبوی کا سب سے زیادہ مسلمہ اور صحیح ترین مجموعہ
احادیث جو ہے وہ ہے، صحیح مسلم شریف، اس سے مراد بھی احادیث کا صحیح ترین اور
تحقیق شدہ مجموعہ ہے۔

اس مجموعۂ احادیث کو امام مسلم نے مرتب کیا جو اپنے وقت کے ایک بلند پایہ عالمِ دین
تھے۔

قرآنِ مجید میں کئی مرتبہ آیا ہے کہ

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

(مثلاً سورۃ النساء، آیت نمبر 59۔۔۔مترجم)

اس کا مطلب ہے کہ

''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''

اب آگے چل کر اس کے متعلق ہم کچھ مزید بات کریں گے۔۔۔

تو ہم بات کر رہے تھے کہ دینِ اسلام کو سمجھنے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو جاننا اور پھر اس پر عمل پیرا ہونا کتنا ضروری ہے۔

درحقیقت آپ دیکھتے ہیں کہ صرف اور صرف قرآنِ مجید سے رہنمائی لیتے ہوئے اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو ترک کر کے دینِ اسلام میں عبادات ۔۔۔یعنی فرائض و واجبات کے کئی ایک ایسے بنیادی عوامل اور ان کی تشریحات ہیں جن پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر آپ روزانہ کی نمازِ پنجگانہ ہی کی مثال لے لیجئے! اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہوں کہ نماز کو کیسے ادا کرنا ہے؟ روزانہ ایک دن میں پانچ مرتبہ نماز کے اوقاتِ کار کیا کیا ہیں؟ ہمیں نماز کیسے ادا کرنی چاہیئے؟ ہر مخصوص نماز میں کتنی رکعتیں ہیں، نماز کی مختلف حالتوں میں ہمیں کیا کیا پڑھنا چاہیئے ۔۔نماز کی حالتیں کیا کیا ہیں ۔۔۔؟

ان حالتوں کا آپس میں رابطہ کیا ہے۔

ان تمام تر حالتوں کا قرآن مجید میں کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ ان تمام تر امور سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کی ایک ہی صورت ہمارے پاس ہے۔ اور وہ ہے، نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ مبارکہ کی حفاظت !!

سو، نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

صَلُّوا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِي اُصَلِّي

کہ نماز ایسے پڑھو، جیسا کہ تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

سو، اسی لئے مسلمان ہمیشہ نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے آئے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (سورة البقرة، آیت نمبر 110)

نماز قائم کرو (اور نماز ادا کرتے رہو)

لیکن قرآن میں اس کی تشریح نہیں دی گئی۔

اسی طرح قرآنِ مجید میں دیگر بھی کئی ایسے امور ہیں جنہیں ہم کچھ بھی سمجھ نہ سکتے اگر نبی ءکریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ بھرپور زندگی محفوظ نہ

کر دی جاتی۔

مثال کے طور پر قرآنِ مجید کی (سورۃ عبس) سورۃ نمبر 80 کی پہلی آیت میں ہے کہ

عَبَسَ وَتَوَلّٰى۔۔

جس کا مطلب ہے کہ

وہ ناراض ہوئے اور انہوں نے اپنا منہ پھیر لیا

(اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) کون ناراض ہوا؟ کس نے کس سے منہ پھیرا؟

یہ آیتِ کریمہ کس کے متعلق کیا خبر دے رہی ہے؟

جب تک کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی پاک سیرت اور آپ ﷺ کی بھرپور زندگی کا علم نہ ہو تو ہم اس آیت کے شانِ نزول سے بالکل بے خبر رہیں گے۔

اور یہ تو میں قرآنِ مجید میں سے ایسی کئی مثالوں میں سے صرف ایک آیت پیش کر رہا ہوں۔

درحقیقت قرآنِ مجید خود کئی مرتبہ نبیء کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کا حوالہ دینے کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

بلکہ قرآنِ مجید کی ایک آیت میں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نام کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اُس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اُس کو خوشی سے

مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

(سورۃ النساء، آیت نمبر 65)

(یعنی۔۔۔)

نہیں نہیں۔۔۔ وہ لوگ صاحبِ ایمان ہو ہی نہیں سکتے، ان کا ایمان مبنی برحق ہے ہی نہیں۔۔۔ یہ حقیقی ایمان نہیں ہے جب تک کہ یہ لوگ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو، اپنے تمام تر جھگڑوں میں منصف نہیں مانتے اور پھر اپنے دلوں میں اس کے خلاف کوئی اختلاف نہیں پاتے۔اور جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل اطاعت نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس امر کو بالکل واضح کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ پر، روزِ آخرت پر سچا ایمان رکھتے ہیں تو یقینا وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو منصف بنائیں گے۔۔۔ اور پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں پر (تنگ دل نہیں بلکہ) خوش ہوں گے۔

قرآنِ مجید ہمیں یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ جو کچھ پیغمبرِ خدا آپ کو دیں اسے لے لیں اور جس کام سے بھی وہ آپ کو روکیں اس سے رک جائیں۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(سورۃ الحشر، آیت نمبر 7)

قرآنِ مجید ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ پیغمبر خدا۔۔۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(سورۃ نجم، آیت نمبر 3-4)

پیغمبر خدا اپنی مرضی کے سوا کچھ بھی نہیں بولتے۔۔۔ یہ تو وحی کے سوا کچھ بھی نہیں جو

آپ ﷺ کی طرف نازل کی جاتی ہے۔

سو قرآنِ مجید میں دیئے گئے یہ حوالہ جات اس بات کو بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ دینِ اسلام کو سمجھنے کے لیے نبیِ کریم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا نہایت ہی ضروری اور اہمیت کی حامل بات ہے۔

اب، آیئے کچھ ان عوامل کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعے نبیِ کریم ﷺ کی سنتوں کو محفوظ کیا گیا۔ سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھیئے کہ نبیِ کریم کی سنت مبارکہ اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ایک سراسر عملی طریقۂ کار ہے۔ آپ نے تو بس اسی بات کو یاد رکھنا ہے کہ مسلمانوں کے لیے نبیِ کریم ﷺ کی ہستی میں ایک کامل نمونہ ہے۔ کہ ہمیں بحیثیتِ انسان کیسے ہونا چاہیئے۔

بلکہ قرآنِ مجید اس کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ احزاب، آیت نمبر 21 میں ارشاد ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

۔۔۔تم لوگوں میں سے (ہر ایسے شخص کیلئے) جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو، اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک (کامل) نمونہ موجود ہے۔

سو، سورۃ نمبر 33 کی آیت کریمہ نمبر 21 میں قرآنِ مجید واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے جس کا مطلب ہے کہ بلاشبہ، یعنی یقینی طور پر، پیغمبرِ خدا ﷺ کی ہستی میں ایک بہترین نمونہ ہے۔۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہو۔

سو، قرآن مجید ہماری راہنمائی فرما رہا ہے کہ نبی ٔکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی نمونہ حیات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔جس کی تقلید کی جانی چاہیئے (لیکن یہ نمونہ ہے کن لوگوں کیلئے۔۔مترجم؟) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہو۔

سو، تو یہ مسلمان ہی تو ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ روزِ آخرت، یومِ حساب پر بھی یقین رکھتے ہیں، جہنم کی آگ، جنت الفردوس وُہ ان سب باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (سب مسلمان) ہمیشہ سے حتی المقدور اپنی یہی کوشش کرتے چلے آئے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزِ مرہ کے معمولاتِ زندگی کی پیروی کی سعادت حاصل کریں۔

سو، مسلمانوں نے سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کی پیروی کو اپنی زندگیوں کا معمول اور نصب العین بنالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر سنت کو محض اس طریقے سے یاد نہیں کیا گیا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سُنا، یا میں نے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔۔!!

نہیں۔۔ بلکہ ان لوگوں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ پر عمل پیرا ہو کر دکھایا۔

مثال کے طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت پر یہ عمل بوجھ نہ ہوتا۔۔ یعنی ان کے لئے مشکل نہ ہوتا تو میں مسواک کا استعمال، دانتوں کو صاف کرنے کیلئے، مسلمانوں کے لیے لازمی قرار دے دیتا۔ (بخاری)

نبی کریم ﷺ خود مسواک کا متواتر استعمال کرتے تھے۔ آپ ﷺ صبح و شام اس کا استعمال فرماتے تھے۔ گھر سے باہر جانے سے پہلے، نماز سے پیشتر،۔۔ جب کہ آپ ﷺ کے اصحابِ کرام عملی طور پر آپ ﷺ کی اس سنتِ مبارکہ کی پیروی کرتے تھے۔ اور پھر اسی طرح ان اصحابِ کرام کے بچے ایسی کئی سنتوں پر عمل کرتے تھے، اور یوں۔۔ آپ ﷺ کے اصحابِ کرام فرمایا کرتے تھے کہ

ہم نے نبی ءکریم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا، ہم نے نبی ءکریم ﷺ کو ویسا کرتے دیکھا۔۔ اور یہ ہے وہ عمل جس کو کرنے کی آپ ﷺ نے ہمیں ترغیب دی۔''

سو، یہ آپ ﷺ کے کچھ معمولات کو صرف ذہنی طور پر یادرکھنے کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ یہ تو نبی ءکریم ﷺ کی ہر ہر سنت کو، ہر ہر ادا کو اپنی روزمرہ زندگیوں میں مکمل طور پر اپنا لینے کا نام تھا۔ سو، یہ ایک قابلِ ذکر طریقہ کار تھا جس سے نبی ءکریم ﷺ کے اقوال وافعال کی حفاظت کی گئی۔

مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میرے والد گیون گرین ہمیشہ مجھے ایک بات کی، ایک کہاوت کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ ان کے باپ نے اُن کو یہ کہاوت سکھائی تھی، غالب امکان ہے کہ ان کے باپ (یعنی میرے دادا کو) ان کے باپ نے یہ سکھائی ہوگی۔۔ وہ کہاوت کیا تھی صرف ایک مختصر سا جملہ کہ

R.A.U

یعنی **"Return After Use"**

اس کا مطلب ہے کہ اگر آپ نے کوئی چیز استعمال کی ہے تو پھر اسے استعمال کر لینے

کے بعد عین اس کی (پہلی) مناسب جگہ پر رکھ دیں''۔۔یعنی استعمال کر لینے کے بعد۔۔۔

سوچیئے کہ،اس روایت سے بالاخر ہمیں ملتا کیا ہے؟

میرے والد صاحب تو سینہ بہ سینہ اس روایت کے سلسلے کی بس ایک کڑی ہیں۔ میں نے اپنے باپ سے سیکھا،انہوں نے اپنے باپ سے سیکھا۔۔اور یوں یہ سلسلہ روایت تقریباً سو سال پر محیط ہے۔

جب آپ یہ دیکھتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی عمر 86 سال ہے اور پھر جب ان کے والد صاحب کے دور میں جاتے ہیں تو وہ بھی قریب قریب 80,70 سال کا دورانیہ ہے،اس طرح یہ ایک کافی مدت کا دورانیہ ہے۔اور اگر یہی بات میں اپنے بچوں کو ہو بہو منتقل کر دیتا ہوں اور پھر اسی طرح وہ اپنے بچوں کو منتقل کر دیتے ہیں تو شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں اس کا ایک مخصوص نام ہے۔۔۔

ایسے عمل کو اسناد کہا جاتا ہے۔اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے سلسلہ میں اسناد نہایت ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

کیونکہ لوگوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر کے جھوٹی اور من گھڑت حدیثیں بنانا شروع کر دی تھیں!! ایسے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ اصحاب نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا کہ۔۔اب مزید برآں ہم لوگ قطعاً یہ برداشت نہیں کریں گے کہ جس کا جی چاہے وہ کہتا پھرے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا اور میں نے رسول اللہ کو وہ کہتے ہوئے سنا۔۔اب نہیں۔۔بلکہ اب تو ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ آپ نے یہ حدیث کس صحابی سے راویت یا نقل کی ہے۔اور پھر وہ اس روایت کی تحقیق کے لیے اس صحابی کے ہاں تشریف لے جاتے اور اس سے پوچھتے کہ آیا اس نے ایسا کہا بھی تھا کہ نہیں۔۔مطلب یہ

کہ آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا فرماتے ہوئے سنا تھا کہ نہیں!!

اور اگر وہ اصحاب یہ دریافت کر لیتے کہ وہ راوی جھوٹا ہے۔ اُس نے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کیا ہے۔تو پھر وہ ہر کسی کو بتاتے، وہ ہر خاص و عام میں مشہور کردیتے کہ دیکھو۔۔۔فلاں شخص نے جھوٹ گھڑا ہے اور پھر اسے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کردیا ہے۔

۔۔۔آئندہ اس شخص کی باتوں پر یقین نہ کیجئے گا، یہ شخص جھوٹا ہے، یہ کذاب ہے۔۔یہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اپنی طرف سے گھڑتا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مستند ترین حدیثِ مبارکہ ہے۔۔جو کہ متواتر حدیثِ مبارکہ ہے۔۔اور یہ بات تو میں پہلے عرض کر ہی چکا ہوں کہ متواتر حدیث سے کیا مراد ہے

”کہ جس نے بھی شعوری طور پر کوئی جھوٹی بات مجھ سے منسوب کی، اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے“

۔۔۔سو، جو کوئی بھی شعوری طور پر جھوٹ گھڑتا ہے اور پھر اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے تو اُس کا مقدر دوزخ کی آگ میں جلنا ہے۔ یہ تو بہت ہی برا عمل ہے۔

لہٰذا کسی بھی شخص کو خود سے کوئی جھوٹ موٹ گھڑ کر، اسے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے منسوب نہیں کرنا چاہیئے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ فرمایا۔

کچھ لوگوں نے واقعتا ایسا کرنا شروع کردیا تھا۔ اس حد تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسے اقوال کو کھوٹے سکے قرار دے دیا۔

کھوٹے سکوں سے مراد سچ مچ کے کوئی کھوٹے سکے نہ تھے۔ بلکہ ان سے مراد وہ لوگوں کی طرف سے من گھڑت احادیث تھیں جو کئی لوگ دھڑا دھڑ بناتے پھرتے تھے۔

سو یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام (کافی محتاط ہو گئے) اور انہوں نے فرمایا کہ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ کس نے ایسا کہا، آپ نے ایسا کس سے سنا، یا سیکھا۔۔اس کی سند، اس کا کوئی ثبوت پیش کرو۔!!

یہ ہے وہ نقطۂ آغاز جس کے بعد راویوں کا سلسلہ معرضِ وجود میں آیا!!!

اسی مقام سے آگے چل کر علماء حق نے اپنا ذوقِ تعلیم احادیثِ نبوی پورا کرنا شروع کیا۔

کہ کیا یہ راوی روایت کرنے والے فلاں شخص سے ملا تھا۔ کیا وہ شخص واقعی سچا ہے، کیا وہ ایماندار ہے؟ کیا اس کی یاداشت مضبوط ہے۔۔۔کیا وہ متقی شخص ہے؟ ان علماء حق نے اس سلسلے میں ہر ہر راوی کے کردار، اور اس کی شخصیت کو مطلوبہ معیار پر پرکھنا شروع کر دیا۔

اور انہوں نے اس سلسلے میں ایسا صرف اس لئے کیا کہ پتہ چل سکے، اس امر کی یقین دہانی اور تصدیق ہو سکے کہ فلاں روایت میں ہر ہر راوی قابلِ بھروسہ ہے۔۔کہ روایت کے اس سلسلے میں یہ لوگ ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اور انہوں نے ایک دوسرے سے اس حدیث کو سیکھا تھا۔ اُن ''علماء حق'' نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ اس بات کی یقین دہانی کی جا سکے کہ کوئی نہ کوئی تو ضابطۂ اخلاق ایسا ہے جس کی مدد سے، جس کی بنا پر، یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کس نے، کیونکر، کیا کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا ارشاد فرمایا اور وہ کون کون سی باتیں ہیں جن کے متعلق شک کیا جا سکتا ہے۔۔کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا کہ نہیں۔ اور اس طرح وہ کون کون

سے اقوال ہیں جو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث نہیں بلکہ) من گھڑت ہیں اور جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

درحقیقت یہ ایک بہت ہی وسیع اور عمیق موضوع ہے۔ یہ واقعتا ایک سائنس ہے۔ یہ تو ایک ایسا علم ہے جس کی خاطر راہِ حق کے متلاشیوں نے اپنی پوری کی پوری زندگیاں کھپا دیں۔

جی ہاں۔۔ان لوگوں نے تو روایت کرنے کے اس ''سائنسی علم وفن'' کے مطالعے (اور تحقیقات میں) اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے صحیح ترین حوالہ جات اور ان کی صحیح ترین اسناد کے سلسلے میں اپنی اپنی زندگیاں کھپا دیں بلکہ ہر دور میں ایسے کئی جید مسلمان موجود رہے ہیں جنہوں نے اس ''سائنسی علم وفن'' کے شعبے کے لیے اپنی اپنی زندگیاں وقف کیں۔

اور پھر انہوں نے مستند ترین اور صحیح ترین احادیث مرتب کیں۔جن میں سے کچھ کا میں پہلے ہی تذکرہ کر چکا ہوں۔

جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی،۔۔یوں احادیث کے کئی ایک مجموعے ہیں اور پھر ان کی آگے کئی کئی جلدیں ہیں۔ جب میں مجموعۂ احادیث کہتا ہوں تو اس سے میری مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کی کئی جلدوں پر مشتمل، وہ کتابیں ہیں جنہیں علمائے حق نے یکجا کیا اور انہیں مستند قرار دیا۔

سو، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں یہ (''سائنسی علم وفن'') کافی وسیع اور عمیق ایک الگ موضوع ہے۔لیکن اس مرحلے پر یہ سب کچھ ہماری اس یقین دہانی کے لیے ہے کہ جب ہم یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مستند ترین ہے، یا صحیح ہے، متفق علیہ

ہے تو پھر آپ کو یقین ہونا چاہیئے کہ لازماً نبی ءکریم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہوگا۔ یا لازماً انہوں نے عملی طور پر ایسا ہی کیا ہوگا۔

رسولِ اللہ ﷺ کی احادیث کی حفاظت کے سلسلے میں آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے، میں آپ لوگوں سے امید کرتا ہوں کہ (دلائل و براہین سے مزین) ان شہادتوں کے ساتھ اس ثبوت کے لیے کہ

''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے''

آپ ہمارے ساتھ ساتھ رہیں گے۔۔۔!!!

باب نمبر 5

عربی زبان کا معجزاتی کرشمہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بے شک تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔

میں ایک مرتبہ پھر آپ کو اپنے پروگرام، ''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے'' میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

آج ہم ایک نہایت ہی اہم موضوع کو زیرِ بحث لائیں گے۔۔

قرآن کا معجزہ۔۔۔یعنی لغت کے اعتبار سے قرآن کا معجزاتی کرشمہ!

آپ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ ہر پیغمبر کو ایک نہ ایک قابلِ یقین معجزہ دے کر معبوث کیا گیا۔ ایسا معجزہ دیکھ کر اور اس کا مشاہدہ کر کے لوگ دل و دماغ سے اسے تسلیم کرتے تھے، اس کے باوجود کہ وہ نبیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے، مگر وہ لوگ دل و دماغ سے یہ یقین ضرور کرتے تھے کہ یہ معجزہ ہے، اور یہ کہ اسے کر دکھانے والا واقعی خدا کا رسول ہے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو دریا کو دو پاٹوں میں تقسیم کرنے کا معجزہ عطا کیا گیا۔ اور جب فرعون نے اس کا مشاہدہ کیا اور جب اس کی فوج اس دریا میں غرق ہوگئی تو پھر اسے پتہ چلا کہ اس کی قدر و منزلت کیا ہے۔ اس وقت اس نے کہا کہ میں موسیٰ اور بنی اسرائیل کے خدا پر یقین لاتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو شفا بخشتے تھے، کوڑھی کے مریضوں کو صحت یاب کرتے تھے، اندھوں کو بینائی عطا کرتے تھے، حتیٰ کہ وہ (اللہ تعالیٰ کے امر سے) مُردوں تک کو زندہ کر دیتے تھے!

یہ تھے وہ حیران کن، معجزے جو نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آنے والے رسولوں کو عطا کیے گئے۔

لیکن رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے۔۔ مجھے قرآن دیا گیا ہے، یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس (قرآن) کی وجہ سے، کسی بھی اور رسول کے دین کی نسبت، لوگ میرے دین میں زیادہ سے زیادہ داخل ہوں گے۔

سو، آج ہم قرآنِ مجید کے معجزاتی پہلوؤں کے متعلق بات کریں گے۔

یہ دیکھئے۔۔ایک معجزہ!!! اس وقت وہی قرآنِ مجید میرے ہاتھوں میں (ہے)

(برادرم عبدالرحیم قرآنِ مجید کو ہاتھوں میں اٹھائے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ جملہ کہتے ہیں۔۔۔مترجم)

آپ میں سے کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کس طرح اور کیونکر ایک معجزہ ہوا؟

اگر آپ نے ہمارے اس پروگرام کی گذشتہ اقساط دیکھیں ہیں (یعنی اس کتاب کے پہلے ابواب پڑھے ہیں۔۔۔مترجم) تو آپ کو اس مقام پر ایک اشارہ ملے گا کہ کس طرح قرآنِ مجید، اپنے محفوظ ہونے اور تحریف سے پاک وصاف ہونے کے اعتبار سے ایک معجزاتی کرشمہ ہے! لیکن کسی بھی چیز کا محض عجیب وغریب ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ چیز کوئی معجزہ ہے۔ (اگر ایسا ہے) تو پھر صحیح معنوں میں معجزے سے کیا مراد ہے؟

جی تو معجزہ تو کسی ایسے کام کا نام ہے جسے عام فطری تقاضوں سے حاصل ہی نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور معجزہ تو جادو سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جادوگر تو کوئی کرتب کر دکھاتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے ''عصا'' کی صورت میں آپ علیہ السلام کو ایک معجزاتی نشانی عطا کی۔

جب وہ اسے زمین پر پھینکتے تو یہ عصا اژدھا بن جاتا، اس پر فرعون نے کہا کہ میرے پاس جادوگر ہیں ایسا تو وہ بھی کر سکتے ہیں۔سو، اس نے اپنے جادوگروں کو بلا بھیجا اور پھر اُس نے اُن جادوگروں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مابین ایک مقابلہ کروانے کا اہتمام کر دیا۔(مقابلے میں) جادوگر اپنے جادوئی کرتبوں کے ذریعے لوگوں کو چقمہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔۔لوگوں نے یہ سمجھا کہ جو چھڑیاں انہوں نے زمین پر پھینکی تھیں وہ تو سچ مچ سانپ ہیں۔حالانکہ انہوں نے تو چھڑیاں پھینکی تھیں۔

لیکن لوگوں کو واقعتا انہوں نے ایسا (بصری) دھوکہ دے دیا کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کی وہ چھڑیاں (سچ مچ) سانپ ہیں۔۔کیونکہ انہوں نے ان (چھڑیوں) کو رینگتے ہوئے جو دیکھا تھا۔

لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ''عصا'' نیچے پھینکا تو اس نے ان (جادوگروں) کے جادو کو یکسر ختم کر دیا۔ایسا ہوتے ہی ان جادوگروں پر (فوراً) یہ بات عیاں ہو گئی کہ جو کچھ بھی (ان کے سامنے) ہوا وہ کسی بھی جادوگر کی فنی مہارت سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ معاملہ ہے۔

چونکہ وہ جادوگر اپنے فن میں کمال مہارت رکھتے تھے اور ویسے بھی اس وقت مصر میں

جادو ایک فن کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ فن اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔

اور ان کے معاشرے کا ہر فرد جادو کے فن سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ضرور تھا۔

حتی کہ مصر کی وہ کتاب "Book of the Dead" تو جادو کی تعلیمات کا سرچشمہ سمجھی جاتی تھی۔ اس (کتاب) کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے فوت شدگان کو دوبارہ زندہ کیا جاسکتا تھا۔

لیکن وہ جادوگر چونکہ سمجھدار تھے اس لئے وہ جان گئے کہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا پھینکنے کا) وہ عمل ان کے اس جادوئی فن پر کہیں زیادہ بھاری ہے۔ ان کے پیشے اور ان کی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ تھا۔ وہ تو خداوندِ کریم کی طرف سے تھا۔ اور اس بات کا ان جادوگروں کو مکمل ادراک ہو چکا تھا۔

ان کے لیے تو واقعتاً وہ ایک قابلِ یقین معجزہ تھا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں لوگ علمِ طب میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ اور بالخصوص یہودی تو اس علم میں اپنی مہارت پر بڑا فخر کرتے تھے۔

لیکن اس کے باوجود، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، اور۔۔ اور پھر انہوں نے (اللہ وحدہٗ لا شریک کے امر سے) اندھوں کو بینائی عطا کرنا شروع کی، کوڑھی کے مریضوں کو صحت یاب کرنا شروع کیا، حتی کہ جب انہوں نے مُردوں کو زندہ کرنا شروع کر دیا تو اُن لوگوں پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہ سب کچھ کرنا کسی بھی انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔

یہ تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے، اسی کی طرف سے ہے، تو، اس اعتبار سے ایک کتاب، یعنی یہ قرآن۔۔ یہ کس طرح سے کوئی معجزہ ہوسکتا ہے؟

۔۔اور وہ بھی اُسی معیار پر۔۔۔!!!

اس بات کا ہم نے (دلائل براہین کے ساتھ) آنے والی دو اقساط میں (یعنی اگلے دو ابواب میں۔مترجم) تجزیہ کرنا ہے صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔

کیونکہ، وہ شہادتیں، وہ ثبوت جو کسی بھی ذی شعور شخص کے اطمینانِ قلب کے لیے کافی ہو سکتے ہیں وہ ہم آپ کو (دلائل و براہین کے ساتھ) پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے کہ اسلام واقعتا ایسا ہی (دینِ خدا) ہے جیسا کہ اسے ہونے کا دعوٰی ہے۔

یعنی (یہ دین تو واقعی)۔۔وحی کے ذریعے سے خالقِ ارض وسما کی طرف سے تمام تر بنی نوع انسان کی رہنمائی اور بہتری کے لیے۔۔نازل کردہ ہے۔

اب ایک نہایت ہی اہم بات جسے لازماً یاد رکھا جانا چاہیئے۔۔۔وہ یہ ہے کہ ہر معجزہ کسی نہ کسی خاص وقت یعنی دور، اور کسی نہ کسی خاص جگہ سے متعلق تھا۔

جیسا کہ میں نے ابھی پہلے عرض کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک معجزہ دیا گیا۔۔۔ جب ان کو (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے) عصا عطا کیا گیا اور پھر کس طرح اس (عصا) نے جادوگروں کی کمال جادوگری کا ستیاناس کر دیا۔وہ جادو اس وقت مصر سے متعلق تھا، کیونکہ جادو اس وقت ایک ایسا فن تھا جس سے اس علاقے (مصر) کے لوگ متاثر تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اِطبّاء اور ڈاکٹرز لوگ بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے۔کیوں کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ان کی قابلیت و اہلیت کیا ہے؟

اور یہ کہ اس وقت ان کے لیے ایسا کر دکھانا قطعاً ممکن ہی نہ تھا۔وہ سب یہ جانتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام جن جن کمالات کا مظاہرہ کرتے ہیں یہ سب کمالات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔سو یہ سب کمالات اپنے دور اور اس علاقے کے لیے موزوں ترین تھے۔

لیکن قرآن ۔۔ ارے یہ قرآن تو تمام تر زمانوں کے لیے ہے۔قرآن تو روزِ جزا تک کے لیے ہے، اور قرآن کا معجزہ محض کوئی ایک معجزہ تو ہے نہیں۔

بلکہ اس کے تو تمام تر پہلو کئی حوالوں سے بذاتِ خود معجزاتی کرشمے ہیں۔

مظاہرِ فطرت سے متعلق اور ایسی چیزوں سے متعلق جن کا تعلق عمومی طور پر سائنسی تحقیقات سے ہے، ان سے متعلق وہ ارشادات اور وہ انکشافات ہیں جو اس میں درج ہیں۔

کیونکہ قرآنِ مجید میں تو ایسی معلومات بھی ہیں جن کا آج سے 1400 سو سال پہلے کسی کو شعور تک ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ یہ قرآنِ مجید کے سائنسی معجزے ہیں۔

کیونکہ قرآن تو سائنسی عہد کی بھی ایسے ہی رہنمائی کرتا ہے جیسے کہ یہ رسولِ خدا حضرت محمد ﷺ کے عہد کے لوگوں کی رہنمائی کرتا تھا۔ لیکن اس وقت ہمارا موضوع قرآن کے سائنسی معجزوں سے متعلق نہیں ہے، اس موضوع پر ہم آئندہ کی اقساط (ابواب، مترجم) میں بات کریں گے۔۔!

آج ہمارا موضوع ہے لغت کے اعتبار سے قرآن کا معجزہ ہونا۔۔!

اور کتنے ہی حوالوں سے یہ ایک تاریخی تحقیق ہے۔ یہ تو ایک ایسا معاملہ ہے جو آج کے اس دن تک بھی تمام تر جن وانس کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے۔۔ (کہ اس جیسا کلام بنا لاؤ)

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 88۔۔۔مترجم)

کیونکہ عربی زبان ایک زندہ وجاوید زبان ہے۔لوگ آج بھی عربی بولتے ہیں، وہ آج بھی قرآن مجید ہاتھوں میں لئے اسے پڑھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں حالانکہ یہ کتاب تو آج سے 1400 سال پرانی ہے۔ یہ بات یقینا آپ کے لیے باعثِ حیرت ہوگی۔۔ واقعتا۔۔ کیونکہ کم سے کم میں تو نہیں جانتا کہ دنیا بھر میں اس وقت کوئی اور ایسی کتاب ہو، یا کوئی اور ایسی زبان ہو۔۔اور وہ اتنی قدیم ہو۔۔اور جب کہ لوگ (آج بھی) اس کا فہم رکھتے ہوں اوراس کے لب و لہجے کو سمجھ سکتے ہوں۔

سوقرآنِ مجید کی یہ ایک بہت باکمال خصوصیت ہے،لیکن جس چیز کی ہمیں تحقیق کرنا ہے وہ تو ہے لغت کے اعتبار سے قرآنِ مجید کا معجزہ ہونا۔

قرآن کاوُہ کھلا چیلنج جو کہ آج سے 1400 سال پہلے عربوں کو دیا گیا تھا کہ اگر تم لوگ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے تو پھر اس کی سورت جیسی کوئی سورت ہی بنا لاؤ، اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے ۔۔اور یقینا تم کبھی بھی ایسا نہ کرسکو گے تو پھر دوزخ کی اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔لیکن اگر (ایسا) نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے

(اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 24-23۔۔مترجم)

سو، قرآن مجید کا یہ ایک کھلا چیلنج ہے، اور یہ چیلنج عربوں کے لیے تھا کہ وہ قرآن کی کسی سورت جیسی کوئی ایک سورت بنالائیں۔ یہاں۔ میں اس کی اہمیت بیان کرنے کی غرض سے آپ کا تھوڑا سا وقت لینا چاہتا ہوں۔

ظاہر ہے، ایسا کرنے کے لیے ہمیں واپس دورِ ماضی میں جانا پڑے گا۔ ہمیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے عرب کے متعلق معلومات حاصل کرنا پڑیں گی۔

ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دور ایک ایسا دور تھا، اور یہ خطۂ زمین ایک ایسا خطہ تھا جس میں کسی قابلِ ذکر تہذیب وتمدن کا نشان تک نہ تھا، یہ تو سراسر جہالت کا دور تھا جس میں تہذیب نام کی کوئی شے نہ تھی۔

درحقیقت، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے عرب میں زندگی ظلم و بربریت کا شکار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کو ظلم و بربریت کا دور کہا جاتا ہے۔

نومولود، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کردینا ان عربوں کا عام معمول تھا۔

نہ تو ان عربوں کے ہاں کوئی سڑکیں وغیرہ تھیں، نہ شاندار محلات تھے، نہ کوئی پرکشش انتظامی ڈھانچہ تھا اور نہ ہی سوچنے یا کچھ کہنے کے لیے کوئی اخلاقی اقدار تھیں۔۔لیکن۔۔ اُس دور میں بھی جو چیز واقعتا ان کے پاس تھی۔ وہ تھی ان کی زبان۔

وہ لوگ اپنی زبان کے ماہر تھے۔

اوران کے ہاں اگر کوئی تہذیبی اثرات تھے بھی تو وہ صرف اور صرف ان کی اسی زبان کے مرہونِ منت تھے۔

ہم یہ تو عرض کر چکے ہیں کہ عربوں کے ہاں کوئی قابلِ ذکر تہذیب نہ تھی جس کا کہ ہم ذکر کرتے، نہ تو ان کے ہاں کوئی شاندار عمارتیں تھیں اور نہ ہی وہ کوئی خاص ثقافتی ورثہ رکھتے تھے۔لیکن وہ اپنی زبان پر بے پناہ فخر کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ عرب کے لوگ، جو لوگ عرب نہیں تھے ان کے لیے عجمی کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔اور عجمی کا مطلب ہے کوئی ایسا شخص جو گونگا ہو۔کوئی ایسا شخص جو بالکل بول ہی نہ سکتا ہو۔سو واقعتاً وہ لوگ اپنی زبان پر بہت زیادہ فخر کرتے تھے۔کیونکہ یہ ایک زندہ وجاوید زبان تھی۔اور اس میں وہ کمال مہارت رکھتے تھے۔اس کے استعمال میں کمال کے ماہر تھے، وہ لوگ شاعری کے تو بے پناہ دلدادہ تھے۔اور اس کام کے لیے انہیں عوام سے جنس کی صورت میں باقاعدہ پذیرائی ملتی تھی۔۔جی ہاں شعر وشاعری کے لیے ان کے ہاں عوامی پذیرائی عام تھی۔

اسے ''اوہاس'' کہا جاتا تھا۔

اور یہ وہ مطلوبہ مقام ہے جہاں میں اللہ کے کلام کو رکھنا چاہتا ہوں۔کیونکہ اسی پس منظر میں قرآن کی طرف سے کھلم کھلا چیلنج پیش کیا جاتا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھے لکھے انسان نہیں تھے۔وہ کوئی پڑھی لکھی شخصیت نہ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان بطور شاعر یا کسی شعلہ بیان مقرر کے طور پر تو تھی نہیں۔

البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شناخت تو ایک صادق اور امین اور قابلِ اعتماد ہستی کے طور پر تھی۔

اس کے باوجود وہ یہ کتاب لائے جو کہ اپنی صفات کے اعتبار سے لاجواب ہے۔

جو کہ ادبی اعتبار سے بھی ایک شاہکار ہے۔ایک ایسا کلام جو **"اہلِ زبان"** ان عربوں نے بھی کبھی پہلے سنا ہی نہ تھا۔

اور عربوں کے لیے اس کا کلام خداوندی ہونے کا واضح ثبوت اس کا طرزِ بیان تھا۔اس کی فصاحت و بلاغت تھی۔اس کی شاہکار زبان تھی۔۔اس کی خوش بیانی تھی۔

سو قرآنِ مجید نے اہل زبان کو کھلا چیلنج دیا۔۔

پہلا چیلنج یہی تھا کہ۔۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۔۔۔

(اس جیسی کوئی سورت بنالاؤ۔۔۔)

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 23-24۔۔مترجم)

کیونکہ لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تو خود سے یہ کلام گھڑ لیا ہے، ان عربوں کا دعوٰی یہ تھا کہ یہ کلام محمد کی اپنی اختراع ہے۔ (معاذ اللہ۔۔۔مترجم)

باب نمبر 6

اُن لوگوں کے واقعات جنہوں نے قرآن سنا

اور

قرآن اُن کے دلوں میں گھر کر گیا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں عبدالرحیم گرین ہوں اور آپ ان حقائق کو جاننے کے لیے کہ **بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے** ایک مرتبہ پھر سے میرے ساتھ ہیں۔ آج میں آپ سے ان لوگوں کے واقعات بیان کروں گا جنہوں نے قرآن سنا اور پھر یہ قرآن ان کے دِلوں میں گھر کر گیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور وہ دور تھا جس میں اہلِ عرب زبان وادب کی ترقی کے اعتبار سے اپنے نقطۂ عروج پر تھے۔

بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عربی زبان میں سب سے بہترین نظمیں جو لکھی گئیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے مبارک دور میں لکھی گئیں۔

ان نظموں کو لکھنے والا، جس کا نام لبید ابن ربیعہ تھا، وہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم عصر تھا۔ جب اس کی نظمیں عکاظ کے میلے میں پڑھی جاتی تھیں تو اہلِ عرب اس کی عزت وتکریم کے لیے اسے ہدیۂ سلام پیش کیا کرتے تھے۔

لیکن اسی لبید کو جب قرآن سننے کا شرف ملا تو اُس نے نہ صرف اسلام قبول کرلیا بلکہ شاعری کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔

جب ایک مرتبہ اسے اپنا کلام سنانے کو کہا گیا تو اس نے حیرانگی کے عالم میں جھنجھلا کر کہا کہ ''کیا کہا۔۔۔؟'' شاعری۔۔؟

یعنی کلام اللہ۔۔قرآن مجید۔۔۔کے بعد کوئی اور کلام۔۔۔!!!

بلاشبہ عرب کے کئی ایک لوگ تو صرف قرآن کو سن کر ہی مسلمان ہو گئے، کیونکہ وہ یہ جان گئے تھے کہ یہ کلام تو بذاتِ خود کلام اللہ ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ انہیں اس بات کا مکمل ادراک تھا کہ زبان و بیان کے اعتبار سے قرآن جیسا کلام خود سے تخلیق کر لینا کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔

ویسے بھی قرآنِ مجید کا چیلنج کوئی ایسا ادب تخلیق کر لینا تو نہیں تھا جیسا ادب کچھ ادیبوں نے تخلیق کر رکھا تھا۔ یعنی۔۔۔مثال کے طور پر جیسا ادب شیکسپیئر نے، شیلی نے، کیٹس، ہومر یا اسی طرح کے دیگر عظیم ادیبوں نے تخلیق کیا۔!

بلکہ قرآن کا چیلنج تو ایسے ادب سے کہیں اعلیٰ وارفع مقصدیت کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔

کیونکہ قرآنِ مجید تو اپنی بنیادی ہیئت ہی سے دیگر ادبی تخلیقات سے سراسر مختلف ہے۔

ہر ہر اُس ادبی شاہکار سے جو قرآن سے پہلے عربی زبان میں تخلیق کیا گیا تھا۔۔ قرآن ہر اعتبار سے اُس سے مختلف تھا۔

یہ تو خیر آپ جانتے ہی ہیں کہ عربی زبان میں شاعری مختلف بحروں میں کی جاتی تھی۔۔ لفظ بحر کا مطلب ہے ''اوزان کا پیمانہ'' لیکن شاعری میں اس سے مراد ہر نظم کی مخصوص بحریں اور اس کے مخصوص اور مختلف اوزان ہوتے ہیں۔ پھر عربوں کے ہاں جنگی کارناموں پر

مشتمل رزمیہ شاعری تھی۔۔۔ان کے ہاں نثری ادب تھا، نظمیں لکھی جاتی تھیں اور۔۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔سو یہ تو تھے عربی زبان وادب کے نمایاں خدوخال!

بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ قرآن بھی ان میں سے کچھ نمایاں پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔۔ لیکن حقیقت میں قرآن کے متن میں تو ان پہلوؤں میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ یہ تو بالکل ایک الگ تھلگ اور منفرد کلام تھا۔ یہ قطعاً کوئی ایسا کلام نہ تھا جسے عربوں نے پہلے سن رکھا ہو، کیونکہ یہ تو مروّجہ بحروں اور شاعری میں استعمال ہونے والی دیگر بحروں میں سے کسی کا بھی سرے سے پابند ہی نہ تھا۔

اس کے باوجود، اس نے لوگوں کو ایک تازہ ولولہ دیا، انہیں شعور دیا کیونکہ زبان و بیان کے اعتبار سے تو یہ اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔یہی وہ بات ہے جس نے قرآن کو لافانی بنا دیا۔

سو اِس اعتبار سے عرب کے لوگوں نے، عرب کے بدؤوں نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی یہ پیغام سنا کہ انہیں تمام تر ایسی چیزوں کی عبادت ترک کر دینی چاہیئے جو کہ خود مخلوق ہیں۔۔انہیں بتوں کی پوجا نہیں کرنی چاہیئے۔۔انہیں لوگوں کی بندگی اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔۔انہیں ایک دوسرے کی بندگی اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔۔ بلکہ انہیں صرف اور صرف ایک خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔

یہ تھا پیغام سیدالمرسلین، امام المتقین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔۔۔اور تمام تر انبیائے کرام کا بھی یہی پیغام تھا۔جب عربوں نے یہ پیغام سُنا تو ان میں سے اکثر نے تو سرے سے اسے پسند ہی نہ کیا۔

وہ بغاوت پر اتر آئے اور بالخصوص ان کے امیر اور بااثر لوگ تو کھلم کھلا دشمنی پر اُتر آئے، کیونکہ ان کی سوچ کے مطابق اس پیغامِ خداوندی سے ان کے مفادات پر زد جو پڑتی تھی۔

کعبہ کی زیارت کو آنے والے تمام عرب حاجیوں کے لیے یہی کعبہ ہی مرکز ومحور تھا۔ وہ تمام تر عبادات جو مسجدِ حرام، کعبہ اور اس کے ارد گرد ادا کی جاتی تھیں، ان مقدس عبادات کی ذمہ داری ایک خاندان کے ذمہ تھی جسے قریش کے نام سے جانا جاتا تھا۔۔۔ اور یہ خاندان اس وقت کے تمام تر عرب خاندانوں سے زیادہ معزز ومحترم خاندان تھا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا تعلق بھی اسی قریش خاندان سے تھا۔ قریش ایک بہت بڑا خاندان تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی خاندان کی ایک شاخ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ تاہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کی وجہ سے اہلِ قریش تو سب کے سب مایوسی اور تذبذب کا شکار تھے کہ وہ اتنے سارے خداؤں کا ایک خدا کیسے بنا سکتا ہے؟ وُہ اتنے سارے خداؤں کو ایک خدا میں بدل کر اور پھر اسی ایک کی بندگی کیسے کروا سکتا ہے؟ انہوں نے تو سوچنا شروع کر دیا کہ اگر بتوں سے کعبہ کو پاک کر دیا گیا۔۔۔! اور اگر کعبہ کو صرف اور صرف ایک خدا کی عبادت و پرستش کے لیے مختص کر دیا گیا تو پھر کعبہ کا رخ کون کرے گا؟

مکہ میں کون آئے گا۔ اور یہ حج کون کرے گا؟ الغرض اس وقت ان کے دل و دماغ میں جو تفکرات تھے وہ سب کے سب ان کے دنیاوی اور مادی مفادات سے وابستہ تھے۔ ان کے ان تمام تر تفکرات کو اس حقیقت سے قطعاً کوئی غرض و غایت نہ تھی کہ آیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں یا نہیں ہیں۔ اس معاملے سے انہیں سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔

حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک چچا نے آپ سے کہا کہ۔۔۔ دیکھو۔۔۔ تمہارا قبیلہ اگر حاجیوں کی خدمت کرتا چلا آ رہا ہے تو ہمارا خاندان بھی حاجیوں کی خدمت میں پیش پیش رہا ہے۔

تمہارے قبیلے نے اگر کوئی نیکی کی تو ہمارے قبیلے نے بھی کوئی نہ کوئی نیکی کی۔ اب اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم نبی ہو تو بھلا ہم اس کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔

اسلام کی پیروی کرنے سے انکار کر کے دوسرے الفاظ میں وہ یہ برملا اعلان کرتے ہوئے تسلیم کر رہا تھا کہ اس کے اپنے قبیلے سے اس کی رفاقت ہی دراصل راہِ حق تلک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

(صد افسوس!) وہ لوگ کتنی بڑی بدبختی اور گمراہی کے راستے پر گامزن تھے۔

سو وہ سب کے سب صرف اس ایک بات پر متحد ہو گئے کہ اب اس قرآن کا مقابلہ کرنے اور اس کا سامنا کرنے کو وہ کیا کیا کر سکتے ہیں۔۔۔ یعنی اس حیران کن کلام کا مقابلہ وُہ کیسے کر سکتے ہیں جو کہ اپنے سامعین کو اپنا دیوانہ بنا دیتا ہے۔

سو، قریشی سرداروں کے ایک اجتماع میں **علقمہ ابنِ عبد المناف** نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ، اے سردارانِ قریش تم لوگوں پر ایک نئی مصیبت پڑنے والی ہے!

''جب تک تو محمد نوجوان تھے۔۔ تو اس وقت تک وہ تم سب کی من پسند شخصیت تھے۔ وہ صادق اور امین تھے۔ یہاں تک کہ تم لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی داڑھی آ گئی۔۔ پھر انہوں نے تم لوگوں تک پیغام الٰہی پہنچایا۔ اس پر تم لوگوں نے انہیں مجنوں اور جادوگر کہا، مگر وہ تو ایسے نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم نے ایسے لوگوں کو تو آخر دیکھا ہوا ہے، ایسے لوگ اپنی حرکات وسکنات ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ تم نے اُن کے بارے میں کہا کہ وہ کاہن ہیں۔ جب کہ ہم نے تو کاہنوں کو بھی دیکھا ہوا ہے، ان کے رویوں کو دیکھا ہے ان کی پیشین گوئیوں کو سنا ہوا ہے۔ پھر تم نے کہا کہ وہ تو ایک شاعر ہیں۔۔ مگر وہ تو شاعر نہیں ہیں، کیونکہ ہم ہر قسم کی شاعری سے واقف ہیں۔ پھر تم نے یہ تک کہہ دیا کہ وہ تو دیوانہ ہیں۔ لیکن وہ تو

ہرگز دیوانہ نہیں ہیں، کیونکہ ہم نے کتنے ہی دیوانوں کو دیکھا ہے۔ جب کہ آپ ﷺ کی ذات میں ان دیوانوں کی، خود سے خود کلامی کرنے اور سرگوشیاں کرنے والی دیوانگی ایسی کوئی علامات ہیں ہی نہیں۔

اے اہلِ قریش، اپنے رویئے پر غور وفکر کرو کیونکہ اللہ کی قسم تم پر عذاب بس اب آنے ہی والا ہے۔

خیر، قریش بالکل لاجواب ہو گئے۔

انہوں نے (رسولِ اللہ ﷺ کو دینِ اسلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کیلئے۔مترجم) ہر حربہ آزما لیا۔انہوں نے آپ ﷺ کو کاہن کہا، جادوگر کہا، شاعر کہا، حتی کہ انہوں نے آپ ﷺ کو مجنوں، دیوانہ تک کہا، لیکن نبیء کریم ﷺ ان تمام تر نقائص وعیوب سے پاک تھے۔ اور لوگ کیسے یقین کر لیتے کیونکہ وہ جب بھی حضور اکرم ﷺ سے ملا کرتے تھے تو انہیں آپ کی ذاتِ اقدس میں اس قسم کے عیوب کی (معاذ اللہ۔۔۔مترجم) کوئی ادنی سی علامت سرے سے ملتی ہی نہ تھی۔

آخر کار قریش نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب وہ لوگوں کو بتائیں گے کہ اس کے کلام کی جادوئی تاثیر سے ایک بیٹا اپنے باپ سے، بیوی اپنے خاوند سے اور بھائی اپنے بھائی کے قبیلے سے بھی جُدا ہو جاتا ہے۔

اُنہوں نے مل کر یہ تہیہ کر لیا اور حقیقت میں بات تھی بھی کچھ ایسی ہی!!!

کیونکہ ایک لحاظ سے تو صرف یہی ایک پیغامِ الٰہی کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، ایک انقلاب برپا کر دینے والا منفرد اور الگ تھلگ پیغام تھا۔ یہ ایک ایسا پیغام تھا جس نے مؤحدین اور مشرکین کے مابین تفریق پیدا کر دی تھی۔

سو، یہ تھا ان لوگوں کا دعوی، اسی لئے انہوں نے سب لوگوں کو یہ بتانے کا فیصلہ کرلیا کہ یہ تو وہ کلام ہے جس سے ایک شخص اپنے باپ، اپنے بھائی، اپنی بیوی حتی کہ اپنے خاندان ہی سے دور ہوجاتا ہے۔ سو اس سلسلے میں، ابولہب جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا وہ حج کے موسم میں، وہ حج جو سالانہ مذہبی اجتماع کی صورت میں ہزاروں سالوں سے چلا آرہا تھا۔۔ وہ ان دنوں میں خصوصی طور پر مکہ کے راستوں میں (حجاج کا) منتظر رہتا تھا۔۔!

اور مکہ کا حج تو عرب کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی کیا کرتے تھے۔ بت پرستی کی وجہ سے یہ حج اب کئی سالوں سے اپنی اصلیت کھو چکا تھا۔ یہ تو قریش کے لیے ایک بہت بڑا ذریعہ معاش تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ دل ہی دل میں کافی سہمے ہوئے بھی تھے کہ دینِ اسلام کا پیغام کہیں ان کے کاروبار کو تباہ و برباد نہ کردے۔

ذرا اس نکتے پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ آج بھی کتنے ہزاروں لوگ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں ان (اہلِ قریش) کے اُن خدشات کا اس فریضۂ حج کی ادائیگی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔۔

خیر۔ ابولہب مکہ کی طرف آنے والے راستوں میں جایا کرتا اور لوگوں کو خبردار کیا کرتا کہ۔۔ محمد سے ہوشیار رہنا وہ میرا بھتیجا ہے!!! میں بہتر جانتا ہوں کہ اس کے کلام میں ایسا جادوئی اثر ہے کہ اگر وہ کلام تم نے ذرا سا بھی سُن لیا، تمہارے کانوں میں اس کلام کی ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو تم پر بھی اس کا اثر ہوجائے گا۔

حضرات!

ایک شخص تھا جس کا نام طفیل ابن عمرو دوسی تھا۔! یہ طفیل ابن عمر ایک بڑے قبیلے کا سردار تھا اور وہ بذاتِ خود ایک منفرد لب و لہجے کا بلند پایہ شاعر بھی تھا۔ سو، اس اعتبار سے وُہ

اس معاشرے کی ایک اہم شخصیت تھا۔

سوچیئے ، وہ ایک قبیلے کا سربراہ تھا، اپنے وقت کا عظیم شاعر تھا اور وہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ جا رہا تھا۔ جونہی یہ شخص مکہ پہنچا تو اسے اہلِ مکہ میں سے ایک شخص نے روکا اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وہ تمام تر داستانیں سنائیں کہ وہ کیا کیا کرتا ہے۔۔روکنے والے شخص نے اس آنے والے شخص کو خبردار کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر صورت بچ کے رہنا کیونکہ وہ بڑا خطرناک ہے (معاذ اللہ۔۔۔مترجم)

دیکھیئے۔۔۔ یہ تھا وطیرہ اہلِ عرب کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق۔۔!!

۔۔۔ہم آج ان لوگوں کے متعلق بات کر رہے ہیں جنھوں نے قرآن سُنا اور پھر اس کلام الٰہی نے انہیں کس قدر متاثر کیا۔۔ اور کس حد تک ان کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا۔اور ہم طفیل ابنِ عمر کی بات کرتے آ رہے تھے۔ جو کہ کتنے ہی قبیلوں کا سردار تھا، وہ حج کے لیے آ رہا تھا جب کہ راستے میں قریش کے سردار اس کے منتظر کھڑے تھے۔اور وہ سردار ہر آنے والے کو یہی تنبیہ کرتے تھے کہ بس محمد کی باتیں نہ سُننا۔ اس کے کلام میں جاذبیت تمھیں دیوانہ کر دے گی۔۔ یہ تھا ان کا طریقۂ واردات!!!

طفیل خود بیان کرتے ہیں کہ جونہی میں مکہ پہنچا اور جونہی قریش کے سرداروں نے مجھے دیکھا۔وہ میرے پاس آئے اور میرا بڑا پر جوش استقبال کیا۔

یہ تاثر دینے کے لیے کہ وہ حاجیوں کا کس قدر خیال رکھتے ہیں مجھے ایک نہایت ہی شاندار مکان میں ٹھہرایا گیا۔

پھر ان کے سرکردہ سردار اکٹھے ہوئے اور انہوں نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ، دیکھو طفیل۔۔تم ہمارے مہمان بن کر مکہ میں آئے ہو،۔۔ دیکھو، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعوٰی کرتا

پھر رہا ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے۔اس نے ہماری اجارہ داری کا ستیاناس کر دیا ہے ہماری اجارہ داری کوتہس نہس کر کے ختم کر چھوڑا ہے، اس نے ہماری قومی وحدت کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ ہمیں تو بس یہ خدشہ ہے کہ وہ تمہیں بھی کہیں اپنا گرویدہ نہ کر لے، اور پھر تمہاری اجارہ داری اور تمہاری قوم کو بھی ایسے ہی ہلا کر ہی نہ رکھ دے جیسا کہ اس نے ہماری اجارہ داری اور ہماری قوم کے ساتھ کیا ہے۔

خبردار۔۔تم اس سے ہرگز ہرگز کوئی بات نہ کرنا، کسی بھی صورت میں اس کی کسی بات پر ذرا کان نہ دھرنا، ۔۔اس کے کلام میں تو ایسا جادوئی اثر ہے جو باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔

طفیل کہتے ہیں کہ ان سرداروں نے مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں ایسی کئی باتیں سُنا سُنا کے اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ میں نے اپنا پختہ ارادہ کر لیا کہ میں اس شخص سے کبھی بھی نہ ملوں گا۔ نہ تو اس سے کوئی بات کروں گا اور نہ ہی اس کی کوئی بات سنوں گا۔ اگلی صبح میں عبادت کے لیے کعبہ کی طرف گیا۔ میں نے بتوں کی پرستش وعبادت کرتے ہوئے کعبہ کا طواف کیا وہ بت جن کی عظمت وشان وشوکت کی تعظیم وتکریم کے لیے ہم لوگ حج کیا کرتے تھے۔ میں نے صرف اس خدشے کی بنا پر کہ کہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کلام و بیان مجھ پر اثر انداز نہ ہو جائے اپنے کانوں میں روئی ڈال دی۔

جونہی میں عبادت کرنے کی جگہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو کعبہ کے نزدیک ہی کھڑے ہیں۔۔ وہ ایسے انداز میں محوِ عبادت تھے جس کا انداز ہماری عبادت کے طریقہ کار سے یکسر مختلف تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کرنے کا طریقۂ کار واقعی بالکل الگ تھلگ تھا۔ اس منظر نے مجھے تو مبہوت کر دیا۔ عبادت کے دوران ان کے

خشوع وخضوع نے مجھے تو ہلا کر رکھ دیا۔ اور میں تھا کہ بس ان کی طرف کھنچا چلا گیا۔ حتیٰ کہ میں ان کے بہت قریب پہنچ گیا۔ میری اس حرکت کا کسی نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ حتیٰ کہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جو کچھ وہ تلاوت کرر ہے تھے وہ میرے کانوں تک پہنچنے لگا۔ سنائی دینے لگا۔۔

میں نے اپنے آپ سے کہا ارے طفیل تم کیا کرر ہے ہو۔۔!!

تم تو ایک با کمال شاعر ہو تم باوزن اور بے وزن شاعری میں تمیز تو کر ہی سکتے ہو، کون سی ایسی بات ہے جو تمہیں اس کلام کو سننے سے روک رہی ہے جو یہ شخص اس وقت پڑھ رہا ہے اگر ان کی طرف سے کوئی اچھی چیز ملتی ہے تو اسے لے لو، اور اگر اِس میں کوئی خرابی ہو تو اسے چھوڑ دو۔ طفیل اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ میں وہاں ٹھہرا۔۔ یہاں تک کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے گھر کے لیے روانہ ہو دیئے۔۔ میں بھی اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے، دبے پاؤں میں بھی اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر میں داخل ہو گیا۔

میں نے ان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آپ کے یہاں کے لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متعلق مجھ سے طرح طرح کی باتیں کہی تھیں بخدا وہ لوگ تو مجھے ڈراتے ہی رہے کہ میں ان باتوں سے دور رہوں، اور مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام سے بچنے کی تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے الفاظ سے بچنے کے لیے میں نے اپنے کانوں میں روئی تک ٹھونس لی۔ لیکن اس کے باوجود خدا نے اِس کلام کو سن لینا میرا مقدر کر دیا۔

اور مجھے تو یہ بہت اچھا لگا ہے۔ سو مجھے بھی اپنے اس پیغام کے متعلق کچھ آگاہ کریں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طفیل کو اپنے پیغام اپنے مقصدِ بعثت سے متعلق آگاہ کیا اور طفیل

کہتا ہے کہ اس کے بعد انہوں نے میرے سامنے سورۃ الفلق کی تلاوت فرمائی۔ اور وہ طفیل کہتا ہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے اتنا خوبصورت کلام پہلے کبھی بھی نہ سنا تھا، ۔۔ واقعتا اتنا پر اثر کلام، میں نے تو پہلے کبھی سنا ہی نہ تھا۔۔ اور ہاں نہ ہی اتنا پاکیزہ اور باکمال مقصدِ حیات مجھے پہلے کبھی بتایا گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حمایت میں، میں نے اپنا ہاتھ اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں دیا اور اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عہد کرتے ہوئے (یعنی بیعت کرتے ہوئے) برملا اظہار کیا کہ بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔۔ اور یوں میں دینِ اسلام میں داخل ہو گیا۔

حتی کہ اہلِ قریش اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود قرآن کا پیغام اس تک پہنچنے سے اُسے باز نہ رکھ سکے۔۔۔ طفیل نے وہ قرآن سنا، اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ اس کا قرآن کو سننا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن سُن لینے کے بعد بھی، قریش اسے اپنی چکنی چپڑی اور لگی لگائی باتوں سے مسلمان ہونے سے باز نہ رکھ سکے۔

ابن ہشام کے مطابق، وہ ایک واقعے کا ذکر کرتا ہے کہ ابوسفیان جو کہ۔۔۔ قریش خاندان کا ایک سردار تھا وُہ، ابوجہل اور ابواحنث۔۔ یہ سب لوگ چوری چھپے اپنے اپنے گھروں سے دبے پاؤں نکل جاتے اور پھر دنیا سے چوری چوری نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوتِ قرآنِ مجید سنا کرتے تھے۔ (سوچیئے۔۔۔) چوری چھپے، صبح تلک اپنی اپنی جگہ پر ۔۔۔ (ذرا غور کیجئے۔۔۔) کہ وہ لوگ اپنے اپنے گھروں سے، (دبے پاؤں) چوری چھپے نکلتے اور پھر صبح تلک (نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں) تلاوتِ قرآنِ مجید کو سنتے

(رہتے تھے)۔

(ایک دن یوں ہوا کہ) اِسی طرح (چوری چھپے۔۔) گھر واپس جاتے ہوئے وہ ایک دوسرے سے ٹکرا دیئے، ۔۔۔(جب سب پر ایک دوسرے کا راز فاش ہوگیا تو اپنی اپنی خفت مٹانے کیلئے) انہوں نے ایک دوسرے کو خبر دار کرتے ہوئے اس بات کا عہد لیا کہ

''خبردار! اس قرآن کو دوبارہ سننے کی حرکت نہ کرنا، کیونکہ اگر کسی نے بھی ہمیں ادھر دیکھ لیا تو یہ عمل اُس کے دل میں قرآن کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرے گا۔۔ انہوں نے ایک دوسرے سے وعدہ تو کرلیا۔۔ مگر ایسا تین راتوں تک ہوتا رہا۔۔

یعنی وہ تین دنوں تک مسلسل گھر سے چوری چھپے آتے رہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (مبارک آواز میں) تلاوتِ قرآن سنتے رہے، ۔۔۔ اور پھر (چوری چھپے، واپسی پر) ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے۔

حتیٰ کہ ایک دن ان سب نے پکی قسم کھائی کہ وُہ آئندہ پھر کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے۔

میرے پیارے سامعین! یہ ہے وہ سوال جو میری خواہش ہے، دلی تمنا ہے کہ آپ لوگ بھی اپنے آپ سے ضرور پوچھیں۔۔۔!

ایک اُمّی شخص کے لیے، جس کے پاس شاعری کا کوئی علم نہ تھا، یہ کیسے اور کیونکر ممکن تھا کہ وہ فصاحت و بلاغت بھرا ایسا بے مثال کلام خود سے گھڑ لیتا۔ ایسا کلام ۔۔۔!!!

جی ہاں، فنونِ ادب کے تمام تر ماہرین اور اساتذہ، وہ لوگ جو کہ عربی زبان میں کی جانے والی شاعری کی تمام تر اصنافِ سخن میں ماہر مانے جاتے تھے۔۔۔ وہ لوگ اس کلام

جیسی ایک مختصر سی سورت نہ بنا سکے۔۔۔ یہاں تک کہ وہ قرآن کے چیلنج کا جواب دینے میں اس قدر بے بس ہو گئے۔ اتنے زچ ہو گئے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان کی تمام تر شرافت زمیں بوس ہو گئی۔۔۔ معاشرے میں ان کی تکریم اور ان کی شرافت کے ساتھ ساتھ ان کی تجارت بھی تباہ و برباد ہو گئی۔۔!

انہوں نے قرآن کا چیلنج تو کیا خاک قبول کرنا تھا۔۔ البتہ وہ مرنے اور مارنے پر تل گئے۔

آیئے اب ایک اور واقعے کا تذکرہ کرتے ہیں، یہ واقعہ ہے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا جو بعد میں اسلام کے ایک محفوظ ترین محافظ ثابت ہوئے۔ حالانکہ یہی عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبولِ اسلام سے پہلے اسلام کے بدترین دشمن تھے۔

انہوں نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی کہ وہ اب مسلمانوں کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کے لیے ان پر حملے کیا کریں گے۔ ایسے میں مسلمانوں کے لیے حالات اس حد تک تنگ اور گھمبیر ہو گئے کہ وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

عرب کا معاشرہ چونکہ قبائلی نظام کی بنیاد پر مستحکم تھا اس لئے یہ ان مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا کہ وہ اپنے ہی قبیلے اور اپنے ہی لوگوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔۔!

مسلمانوں نے ہجرت کرنا شروع کر دی اور وہ ہجرت کر کے حبشہ میں پناہ گزین ہونے لگے۔

اور جب ایسا ہونے لگا تو عمر ابن الخطاب تو کافی فکر مند ہو گیا۔۔۔ کیونکہ وہ ایسا ہونے پر بہت ناخوش تھا۔ وہ جتنا اس معاملے پر سوچتا،۔۔۔ اتنا ہی اس پر اس کا دل اور زیادہ

کڑھتا۔۔اور وہ غم وغصے میں پہلے سے زیادہ غضبناک ہو جاتا۔

ایک دن، اس نے فیصلہ کر ہی لیا، کہ۔بس! (اب انتہا ہوگئی۔۔۔) اس نے کہا کہ میں محمد ہی کو (معاذ اللہ۔مترجم) قتل کر دیتا ہوں۔اس نے اپنی تلوار لی اور وُہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے (معاذ اللہ) کے لیے گھر سے چل پڑا۔لیکن راستے میں اس کی ملاقات اتفاقاً ایک ایسے شخص سے ہوگئی جو کہ خفیہ طور پر مسلمان ہو چکا تھا۔۔اس نے عمر سے کہا۔۔۔ اے عمر ایسے تلوار سونت کر کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟

عمر نے جواب دیا۔۔محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں (معاذ اللہ۔۔مترجم)۔۔!

تو اس شخص نے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کیا کرے۔یکا یک اسے خیال آیا کہ عمر کی تو اپنی بہن اسلام قبول کر چکی ہے۔تو اس شخص نے عمر سے کہا کہ، دیکھو اس سے پہلے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نمٹو، اپنے گھر والوں کی تو خبر لو، ۔۔۔اس پر عمر تو اور زیادہ غضبناک ہو گیا۔۔!!!

کیا مطلب ہے تمہارا۔۔؟ تو اس شخص نے کہا کہ تمہاری تو اپنی بہن مسلمان ہو چکی ہے، اس پر تو عمر آگ بگولا ہو گیا۔۔۔غصے میں پاگل ہو گیا! اس نے اپنا رستہ بدلا، اور ویسے ہی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے اپنی بہن کے گھر کی طرف چل پڑا۔وہ وہاں پہنچا، اور جب وہ دروازہ پر پہنچا تو اس نے اندر سے آتی ہوئی ایسی آوازیں سنیں جو اس نے پہلے کبھی بھی نہیں سُنی تھیں!!۔۔اس نے زور سے دروازہ کھولا، ۔۔تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی بہن اور اس کا خاوند کچھ پڑھ رہے ہیں۔اس کی بہن خوف سے لرزتے ہوئے، کانپتے ہوئے۔۔۔کھڑی ہوگئی۔اس عمر نے اپنی بہن کو اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ زمین پر گر گئی اور خون میں لت پت ہوگئی۔

یہاں تک کہ ۔۔۔ یہاں تک کہ عمر کی بہن نے کہا، کہ دیکھو تمہارا جو جی چاہے کرلو، مجھے بے شک جان سے ماردو، مجھے کچھ پرواہ نہیں، میں مسلمان ہو چکی ہوں ۔ کرلو، تم نے جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ عمر نے جب اپنی بہن کو گرا ہوا دیکھا۔ جب دیکھا کہ اس کا تو خون بہہ رہا ہے مگر وہ ہے کہ پھر بھی کس شان سے اپنے عقیدے کا دفاع کر رہی ہے حتی کہ وہ تو موت سے بھی خوفزدہ نہیں ہے، تو اس کا غصہ قدرے ٹھنڈا ہوا ۔ اس پر اس نے بہن سے کہا کہ اچھا دکھاؤ تو سہی کہ تم پڑھ کیا رہی تھی ۔؟ اس پر اس کی بہن نے کہا وہ قرآن کی آیات کلام الٰہی کی تلاوت کر رہی تھی ۔ عمر نے کہا، کہ اچھا ۔۔۔ دکھاؤ تو ۔۔ اس پر بہن نے کہا۔ ہرگز ہرگز نہیں ۔۔ تم تو اسے چھو تک نہیں سکتے جب تک کہ تم نہا دھو کر پاک صاف نہیں ہو جاتے ۔

سو، اس نے عمر کو ہاتھ دھلوائے کیونکہ وہ پاک صاف ہوئے بغیر قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔

پھر عمر بیٹھ گیا ۔۔۔

اور اس نے وہ اوراق پڑھنے شروع کئے اور جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا پڑھتا گیا ۔ قرآن تھا کہ اس کے دل میں گھر کرتا گیا!

اُس نے قرآن رکھا اور باہر چلا گیا ۔۔

وہ اس گھر کے دروازے پر جا پہنچا جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما تھے ۔۔ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہاں ہیں؟

لوگ خوفزدہ ہو گئے ۔۔۔ لوگوں نے عرض کیا ۔۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) عمر آیا ہے!

نبیء کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ۔ آنے دو ۔!

عمر اندر داخل ہوئے ۔۔ اور عرض کیا کہ ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں گواہی دیتا ہوں کہ

بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔۔

اور یوں اسلام کا ایک سخت ترین اور مضبوط ترین مخالف۔۔عمر۔۔اسی دینِ اسلام کا سخت ترین اور مضبوط ترین محافظ بن گیا جو آج بھی اپنے عدل، اپنے تقویٰ اور اپنی حق پرستی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ تھا ایک اور واقعہ۔۔ایک اور ایسے شخص کا واقعہ جس نے صرف اور صرف قرآن کے الفاظ کو سن کر دینِ اسلام قبول کیا۔

خواتین وحضرات۔۔۔

آپ کو اپنے اطمینانِ قلب کے لیے۔۔۔ایسے اور کتنے واقعات چاہئیں کہ پھر کہیں جا کر آپ مطمئن ہو سکیں کہ ''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے''

کیا آپ ابھی اور بھی کچھ سننا چاہتے ہیں؟ تو ٹھیک ہے۔۔۔ابھی بہت کچھ ہے۔۔۔

قرآن کے کلام اللہ ہونے سے متعلق۔ اور اس امر کے ثبوت کے لیے کہ واقعی۔۔

''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے''

ایسی کئی اور شہادتوں کے ساتھ، آگے چل کر (انشاء اللہ) مزید بات ہوگی۔

ہمارے ساتھ ساتھ رہئیے گا۔

باب نمبر 7

علم جنینیات "Embryology"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ٬

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ سب پر سلامتی ہو، اوراس کی طرف سے آپ سب پر اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے مزید کئی ثبوتوں کے ساتھ میں آپ سب کو اپنے اس پروگرام کی نئی قسط (یعنی اس کتاب کے نئے باب میں۔مترجم) میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

آج ہم قرآن کے سائنسی معجزوں کے متعلق گفتگو کریں گے!

قرآنِ مجید میں پائی جانے والی ان آیات کے متعلق اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن اقوال اوراحادیث مبارکہ کے متعلق گفتگو کریں گے جو کہ سائنسی اعتبار سے بلاشبہ شاندار اور بے مثال ہیں۔

ان حوالہ جات کے مطالعے کے بعد ایک سوال ضرور ابھرتا ہے کہ آج سے 1400 سال پرانی کتاب میں ایسی معلومات کیسے اور کیونکر پائی جا سکتی ہیں۔

یہ تو آپ پر واضح ہو ہی گیا ہوگا کہ سائنسی تعلیمات کا دارومدار معلومات کی بتدریج بہتری اور ترقی پر منحصر ہوتا ہے۔ہم تو سائنسی حقائق کی اصطلاح میں صرف اس وقت کچھ معلومات ذخیرہ کر سکتے ہیں جب کسی شے کا مطالعہ کیا گیا ہو، اس کا مشاہدہ کیا گیا ہو اور پھر ہر ہر حوالے سے اسے پرکھا گیا ہو۔

لیکن اس کے باوجود۔ وہ تمام تر حقائق ثابت کرنے کے لیے دراصل کسی بھی شے کا مطالعہ کرنے، اس کا مشاہدہ کرنے اور اسے پرکھنے کی اہلیت کا دارومدار بہت حد تک اس مواد پر ہوتا ہے جو ہمیں میسر ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر، اگر ہماری دسترس میں، جدید ترین اور مؤثر ترین دوربینیں (Telescopes) نہ ہوتیں تو ہم ستاروں یا نظامِ فلکیات کے متعلق کیا معلومات اکٹھی کر پاتے؟

اگر ہماری دسترس میں دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ یہ مؤثر ترین ''ٹیلی سکوپس'' نہ ہوتیں جن کی مدد سے ہم اپنی اردگرد کی دنیا سے کتنے ہی ثبوت یکجا کر پاتے ہیں (تو۔سوچیئے۔۔ ہم یہ تحقیقات کیسے کر پاتے؟)

جیسے اُن باکمال مؤثر ترین آلات کے بغیر جن سے کرۂ ارض کی پیمائش کی جاتی ہے ۔۔ہم کرۂ ارض کی مختلف سطحوں، اور پھر ان سطحوں کی مختلف بناوٹوں کے متعلق کچھ بھی علم کیسے حاصل کر پاتے۔۔۔؟ مثال کے طور پر ان جدید ترین شاندار علوم اور پھر ان علوم کے مختلف مدارج جو آج ہمارے دستِ قدرت میں ہیں۔ان کے بغیر ہم انسانی جنینیات کی بتدریج نشوونما سے متعلق کیا جان پاتے۔۔؟

کچھ دیر سوچیئے کہ

آپ کو کیسا لگے گا۔ اگر آپ کو چودہ سو سال پرانی کوئی ایسی قدیم ترین کتاب مل جائے۔اور پھر وہ کتاب ہمیں کچھ ایسی معلومات عطا کرے، وُہ وُہ حقائق ہم پر منکشف کر دے جو ہم نے اپنے مشکل ترین سائنسی تجربات و مشاہدات کے ذریعے محض حال ہی میں کچھ کچھ دریافت کیے ہیں!

سوچیئے۔۔۔

کتنے ہی متواتر تجربات ومشاہدات کے بعد اور اسی طرح کتنی ہی معلومات کے حصول کے بعد۔ حال ہی میں ہم پر یہ عقدہ کُھلا ہے کہ ہاں،۔۔۔ یہ معلومات تو ایک مسلمہ حقیقت ہیں۔! واقعی یہ تو حقیقت پر مبنی ہیں!

لیکن آج سے 1400 سال پہلے۔۔ جب کہ اس وقت ایسے حقائق کو پرکھنا کسی کے بھی بس میں نہ تھا۔۔۔ یقینا۔۔۔ ایسی معلومات کا تو کسی کو شعور تک نہ تھا۔

آج سے 1400 سال پہلے کی بات کر رہا ہوں۔

پھر اس مرحلے پر تو حقیقتاً دل ودماغ میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ ایک اتنی قدیم ترین پرانی کتاب میں ایسی معلومات اور ایسا علم آخر آیا کہاں سے!

یہ وہ چند سوالات ہیں جن کے جوابات کے حصول کے لیے، دلائل وبراہین کے ساتھ ہم اپنے اس پروگرام کی اگلی اقساط میں (یعنی اس کتاب کے آئندہ کے ابواب میں۔ مترجم) کھوج لگانے کی کوشش کریں گے تاکہ آپ کو "ثبوت" مہیا کرسکیں کہ **بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔۔!**

یہاں۔۔۔ اس مرحلے پر آپ کو ایک بات کی یاددھانی کراتا چلوں کہ۔ قرآنِ مجید ہر دور کے لیے ایک معجزہ ہے!

یہ قرآنِ مجید صرف عرب کے ان باشندوں، بدوؤں کے لیے کوئی معجزہ نہ تھا جو کہ صحرا نشیں تھے۔ ان لوگوں کے لیے تو (بے شک) قرآن کا اندازِ بیان، اس کی زبان کی فصاحت و بلاغت، اور اس کے اسلوب میں مخفی پُر معانی وہ گہرائیاں ہی ایک معجزہ تھیں ۔۔۔ جن کو سنتے ہی وہ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلے اس کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

ان کے ایمان لانے کے لیے اتنا کچھ ہی کافی تھا۔ کیونکہ وہ تو جان پہچان لیتے تھے کہ

کوئی بھی انسان ایسا اعلیٰ وارفع کلام خود سے تخلیق نہیں کر سکتا۔

لیکن۔۔۔ہم لوگ تو اہل عرب نہیں ہیں ناں!!

ہوسکتا ہے جب ہم قرآن سنیں تو ہم اس کی عظمت و بڑائی کے قائل ہوں، نہ ہوں۔۔!

کیوں۔ کیونکہ زبان و کلام کے اعتبار سے قرآنِ مجید کے فصیح و بلیغ ہونے کی قدرو قیمت ہمارے ہاں سرے سے ہے ہی نہیں۔

لیکن ہمارا ایمان ہے کہ قرآنِ مجید ہر دور کے لیے ایک معجزہ ہے! یہ موجودہ دور میں آپ لوگوں کے لیے بھی ویسا ہی ایک معجزاتی کرشمہ ہے جیسا کہ یہ آج سے 1400 سال پہلے رہنے والے لوگوں کے لیے تھا!

لیکن سوال پھر وہی ہے کہ یہ آج کیسے اور کیونکر ایک معجزہ ہے!۔ کیونکہ بظاہر تو وہ تمام تر پہلو جو اسے ایک معجزہ بناتے چلے آئے ہیں۔۔۔وہ تو اب یکسر بدل چکے ہیں۔۔کیوں۔؟

کیونکہ آج جن جن چیزوں کو ہم جتنا اہم سمجھتے ہیں ضروری نہیں کہ اہلِ عرب بھی آج سے 1400 سال قبل ان کو اتنا ہی ضروری سمجھتے ہوں۔

مثلاً عرب کے وہ لوگ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں رہ رہے تھے وہ تو شعروادب کے معاملے میں اپنی زبان اپنی قادرالکلامی، فصیح و بلیغ زبان دانی پر بہت زیادہ نازاں تھے۔۔

اسی طرح آج ہم لوگ تو یک زبان ہوکر صرف اور صرف ایک بات پر متفق ہو سکتے ہیں کہ آج کے عہد میں یہ فقط سائنسی علم ہی ہے جس پر بجا طور پر ہم لوگ فخر کر سکتے ہیں۔ ہم سائنس کی ایجادات اور اس کے مسلمہ اخذ کردہ حقائق پر نازاں ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آج کئی لوگ سائنس کی اخذ کردہ معلومات اور کامرانیوں کو بلا شک وشبہ ان عوامل میں

شمار کرتے ہیں جو کہ مغربی تہذیب کی بالادستی کا پیش خیمہ ہیں!

اور واقعتا اس معاملے میں تو بلا شک وشبہ دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں کہ آج کے دور میں تمام تر سائنسی ترقی اور اس کے دم سے تمام تر کامیابیاں، کسی نہ کسی کے حوالے سے مغربی تہذیب وتمدن ہی کی تخلیق کردہ ہیں۔

اور اس بات میں بھی کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آج تمام تر مغربی ممالک اور ان کے لوگوں کی طاقت کا راز سائنسی علوم میں ان کی کمال دسترس ہی میں مضمر ہے۔

آج ہم جن جن یونیورسٹیوں سے علم حاصل کرتے ہیں وہ تمام تر مغربی اداروں کی طرز پر بنائی گئی ہیں۔

انگریزی۔ آج کے دور میں ایک ایسی بین الاقوامی زبان ہے جو پوری دنیا میں بولی جاتی ہے۔جس میں کتنے ہی علوم سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں۔ اور حقیقت میں آج ہر معاملے کی ترقی کا تعلق ٹیکنالوجی کے میدان میں سائنسی ترقی کے ساتھ نتھی ہے۔

سو، اس اعتبار سے قرآنِ مجید سائنس دانوں کے لیے بھی ایک معجزہ ہے!!!

قرآن آج بیسویں اور اکیسویں صدی کے لوگوں کے لیے بھی ایسا ہی ایک معجزہ ہے جیسا کہ یہ آج سے 1400 سال پہلے عرب کے صحرانشینوں کے لیے ایک معجزہ تھا۔ ہماری منصوبہ بندی تو یہ ہے کہ آگے چل کر (یعنی بقیہ اقساط/ ابواب) میں ہم آپ کو احادیثِ مبارکہ، اور قرآن وحدیث کے اُن حوالہ جات سے متعارف کروائیں جو کہ سراسر سائنسی نوعیت کے ہیں۔جنہیں جدید سائنسی علوم نے بھی حق سچ تسلیم کیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ مَیں ان حقائق کا ذکر کروں، میں ایک نہایت ہی اہم پہلو کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وہ اہم پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید سائنس کی کوئی نصابی کتاب تو ہے

نہیں۔۔۔!

قرآن تو سراسر ہدایت وراہنمائی کی کتاب ہے۔۔۔

قرآنِ مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢

(سورۃ البقرہ، آیت کریمہ نمبر 1۔2)

الٓمّٓ۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو متقی پرہیزگار ہیں۔۔

سو قرآنِ مجید بنیادی طور پر، اور حقیقی معنوں میں، کسی بھی اور پہلو سے بالکل ہٹ کر بنیادی طور پر تو ہے ہی کتابِ ہدایت!!

یہی تو وہ کتاب ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ کون ہے، خالق کون ہے، کہ اللہ تعالیٰ تو وحدہ لاشریک ہے۔ بے شک اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ یہ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

یہ ہمیں اخلاقیات کا درس دیتی ہے۔ صحیح کیا ہے اور۔ کیا غلط ہے۔۔۔ ہم لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ رویہ کیسا ہونا چاہیئے۔۔۔!!!

اپنے اردگرد کے ماحول میں۔۔۔ ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیئے۔۔۔!

یہ کتاب ہمیں ان متقی اور پرہیزگار لوگوں کے قصے سناتی ہے جو ہم سے پہلے ہو گذرے ہیں!

۔۔۔ تاکہ اُن لوگوں کی زندگیاں ہمارے لیے حوصلہ افزائی کا باعث ہوں۔ تاکہ ہم لوگ اپنے اپنے معاملات واخلاقیات کو سنوار سکیں۔

قرآنِ مجید ہمیں ان لوگوں کے انجام سے بھی باخبر کرتا ہے جنہوں نے اس کے احکامات کی نافرمانی کی۔ جنہوں نے خدا کے ہوتے ہوئے گناہوں بھری زندگی گذاری جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کیا۔

اور قرآنِ مجید پھر ہمیں ایسے لوگوں کے اُس بُرے انجام سے جس کا اُنہیں سامنا کرنا پڑا، اس سے خبر دار بھی کرتا ہے۔

گویا قرآنِ کریم قوانین کی کوئی کتاب ہے، یہ ہمیں قوانین سکھاتی ہے، جن پر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت و دانائی اور علم و شعور کی روشنی میں عمل پیرا ہو کر ہمیں ضبطِ نفس سے کام لینا چاہیئے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ جو عظیم المرتبت ہے۔ اور دانا ہے!!!

سو، قرآن مجید سائنس کی کوئی کتاب تو نہیں ہے لیکن بلا شک وشبہ یہ ہمارا یقین و ایمان ہے کہ یہ خالقِ ارض وسما کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں جو بھی معلومات دی گئی ہیں ان کے متعلق یہ یقین، یہ توقع رکھنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ حکمت و دانائی بھرے علم کی عکاسی ہی تو کرتی ہیں قطعاً بلا جواز نہیں ہے۔

ہمیں یقینا، اس بات کی توقع رکھنی چاہیئے ۔۔۔ کہ ایک ایسی کتاب جو خداوندِ کریم کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اسے ہمارے اردگرد کی دنیا میں پائی جانے والی تمام تر تبدیلیوں سے مطابقت رکھنی چاہیئے ۔۔

جیسا کہ خداوندِ کریم تو پوری کائنات کا خالق ہے، (کائنات میں موجود) ہر ہر چیز کا خالق ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ ہستی ہے جو ہر ہر چیز کا علم رکھتی ہے۔ تو ظاہر ہے،

اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو تو ہر ہر اس امر سے مطابقت رکھنی چاہیئے جس کو ہم تجربات و مشاہدات سے ایک مسلمہ حقیقت مان سکیں۔

ہم بڑے ہی اہتمام کے ساتھ صرف مسلمہ حقائق ہی کی بات کر رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جن جن امور تک میں نے اپنے آپ کو محدود رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے وُہ ایسے امور ہیں جو بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں۔۔۔قطعاً کوئی غیر واضح امور نہیں ہیں کیونکہ ہم یہاں (ویسے بھی) کسی سائنسی مفروضے (کسی سائنسی تھیوری) کی بات تو کر نہیں رہے!

اگر چہ۔فلسفیانہ اعتبار سے تو۔۔۔سائنس کا ہر ہر بیان ایک مفروضہ ایک نظریہ ۔۔۔ ایک Theory ہے۔

سب کچھ ہی کوئی نہ کوئی ''تھیوری'' ہے، یہ تو صرف سائنسدانوں کا اپنا اپنا نقطۂ نظر ہے کہ۔۔کوئی بھی نظریہ وہ ''Theory'' ہے جسے باضابطہ طور پر نہایت مدلل اور پُر مغز شہادتوں کے بعد تسلیم کیا گیا ہو۔ نہ کہ نظریہ وُہ ہوتا ہے جس کے متعلق بہت کم شواہد میسر ہوں۔۔۔یا جس کے متعلق سرے سے کوئی ثبوت ہی نہ ہو!

یہی وجہ ہے کہ آپ کسی حد تک کہہ سکتے ہیں کہ سائنسدان تو صرف ایسے نظریات پر یقین و ایمان رکھتے ہیں جو سادہ الفاظ میں بہتر سے بہتر وضاحت پیش کر سکیں۔ اور جو زیادہ سے زیادہ قابلِ یقین شہادتوں سے مرقع ہوں۔

سو اسی لیئے ہم نے تو قرآنِ مجید سے صرف اور صرف وہی حوالہ جات منتخب کیے ہیں جنہیں سائنسی اعتبار سے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔اور یہاں، ایک مرتبہ پھر سے ہم اس بات کو دہراتے چلیں کہ قرآنِ مجید سائنس کی کوئی نصابی کتاب

نہیں ہے۔۔۔

یہ تو وہ کتاب ہے جو سراسر سرچشمہ ءہدایت ہے!

لیکن ہمیں یہ یقینِ کامل بھی حاصل ہونا چاہیئے کہ یہ کتاب ہمارے آج کے موجودہ دور کے مسلمہ حقائق سے قطعاً کوئی تضاد نہیں رکھتی ہے۔

سو، اسی لئے میں نے قرآنِ مجید سے اُن ارشادات وحوالہ جات کا انتخاب کیا ہے جنہوں نے خود مجھے بہت زیادہ متاثر کیا، مجھے حیران کر کے رکھ دیا حتی کہ میرا دل مُوہ لیا۔

اور مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے پہلی مرتبہ خود قرآنِ مجید کو پڑھنے کی سعادت حاصل کی تو وہ انتہائی خاص بات جس نے مجھے بالکل جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔۔۔

وہ یہ تھی کہ اس میں من گھڑت اور رومانوی کہانیاں یا داستانیں نہیں ہیں۔

یا اس میں محض ایسے کوئی پُر لطف بیانات نہیں ہیں جن کی آپ توقع رکھتے ہوں۔۔

اور وہ بھی بالخصوص کسی ایسی کتاب سے جو آج سے 1400 سال پہلے نازل کی گئی تھی۔

درحقیقت جو راز واقعتاً مُجھ پر کھلا وہ تو یہی تھا کہ اس کی تعلیمات تو حیران کن اور دل کو موہ لینے والی ہیں۔

سو۔۔۔ میں آج قرآنِ مجید میں پائے جانے والے کچھ ان عجیب وغریب بیانات کا تذکرہ کروں گا جن کا تعلق قانونِ فطرت سے ہے۔

میں یہاں، اُن شاندار ترین اور اُن باکمال حوالہ جات کا تذکرہ کروں گا جو کہ موجودہ دور کی سائنسی تحقیقات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

اور بلاشک وشبہ میں قرآنِ مجید میں بیان کردہ اُن حقائق کا ذکر کروں گا جو عورت کے رحم میں ایک بچے کی نشونما سے متعلق ہیں۔

اب، دیکھئے، یہ کس قدر دلچسپ امر ہے کہ ہم موازنہ کرنے کے لیے یہ دیکھیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں علم کا مقام و مرتبہ کیا تھا۔

کیونکہ کوئی بھی ایسا کلام جو کہ انسان کا اپنا مَن گھڑت ہو، اس کا خودساختہ تخلیق کردہ ہو۔۔۔ وہ کلام تو ضرور۔۔۔ ان نظریات اور تصورات کی عکاسی کرے گا جو کہ اس کے دور میں رائج ہوں گے۔

۔۔۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ مجید خود تخلیق کیا تھا یا اسے خودبخود گھڑ لیا تھا (معاذ اللہ۔۔۔ مترجم) تو لازماً پھر انہوں نے اپنے اردگرد کے عربوں کے، یونانیوں کے، رومیوں کے اور اس طرح اہلِ مصر کے مروجہ تصورات و نظریات کو یکجا کیا ہوتا۔۔۔ اور پھر یہ سلسلہ یونہی چل نکلتا۔۔

سو، علمِ جنینین (Embryology) سے متعلق سب سے زیادہ مشہور و معروف اور مروجہ نظریہ "Theory"۔۔۔ "Aristotalian Theory" کہلاتی تھی۔

کیونکہ ارسطو۔۔۔ Aristotle درحقیقت وہ پہلا شخص تھا جس نے واقعتاً سائنسی بنیادوں پر تحقیقات شروع کیں تھیں!

(یعنی یہ وہ پہلا سائنس دان تھا جس نے) انسانی زندگی کے آغاز و ارتقاء سے متعلق ۔۔!!۔۔۔ (سائنسی بنیادوں پر تحقیقات شروع کیں)۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ سب سے پہلا شخص تو (اس سے میری مراد بھی یہی ہے کیونکہ) یقینا مغربی دنیا میں وہی پہلا شخص تھا۔۔ اور یقیناوہی پہلا شخص ہے جس کے نظریات اور جس کے بیانات کو۔۔ دیگر سائنسدانوں کی نسبت دلائل اور ثبوت کے لیے، محفوظ کیا گیا ہے!

لیکن اس کا مفروضہ، اس کا نظریہ تو بہت ہی عام سا تھا!

اس کا نظریہ یہ تھا کہ مرد کا جرثومہ جب مادہ رحم میں پڑتا ہے تو وہ اس مادہ کے حیض کو جما دیتا ہے۔اور یوں۔۔۔عورت کے اسی جمے ہوئے حیض کے خون سے انسان کی تشکیل ہوتی ہے۔

اور اُس نے اپنے اس مفروضے (نظریے) کی بنیاد اِس (عام فہم) بات پر رکھی کہ خواتین جب حاملہ ہو جاتی ہیں تو اُن کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک نظریہ اخذ کیا کہ ان کی ماہواری کے ساتھ لازماً کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہے کہ یہ انسانی زندگی کی تخلیق کے لیے جم جاتا ہے۔

جب کہ آج کے دور میں ہم پر یہ عقدہ وا ہوتا ہے کہ یہ نظریہ تو سراسر غلط ہے۔

حتی کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں جا کر کہیں ، ایک ایسے شخص نے جس کا نام "Hotsoker" تھا اُس نے، اپنے دور کی مائیکروسکوپ کے ذریعے سے مختلف جانوروں کے جرثوموں (Sperms) کو دیکھنے کا دعوٰی کیا۔

یوں اُس دور کی مائیکروسکوپ سے اِن جرثوموں کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس نے دعوی کیا کہ اس نے تو ہر ہر جرثومے کے اندر پہلے سے بنے بنائے ایک مکمل ''جاندار'' کو دیکھا ہے۔

ایک چھوٹے سے بچے کو دیکھا ہے جو کہ سکڑا ہوا ہوتا ہے۔اس طرح اُس نے دعوٰی کیا کہ ایک زرافے کے جرثومے میں اس نے ایک لمبی سی گردن دیکھی۔۔اور ایک خرگوش کے جرثومے میں، اُس نے لمبے لمبے کان دیکھے ہیں۔۔دیگر جانوروں کے متعلق بھی اس کا نظریہ کچھ ایسا ہی تھا۔

اور اسے نشونما سے پہلے والا مفروضہ، یا نظریہ کہا جاتا ہے۔

جب کہ اس نظریے کے متعلق بھی آج ہم یہ جان چکے ہیں کہ یہ بھی محض جھوٹ کا ایک پلندہ ہے۔

اسی طرح دیگر کئی ایسے نظریات بھی ہیں جنھوں نے کبھی تو سائنسی دنیا میں ایک تہلکہ مچائے رکھا لیکن بعد میں وہ نہ تو صرف جھوٹے ثابت ہوئے۔۔۔ بلکہ اُن پر ہنسی آتی ہے۔ اور یہی حال Aristotle کے نظریات اور اٹھارویں صدی عیسوی کے مروجہ (سائنسی) نظریات وتخیّلات کا ہے۔

درحقیقت، یہ تو انیسویں صدی عیسوی کی بات ہے کہ ہم نے ایک انسانی جنینین کی نشوونما پر ایک مکمل بھرپور انداز سے اس کے درجہ بدرجہ مرحلہ وار تخلیقی عوامل پر تحقیقی کام شروع کیا۔ اب تنقیدی نقطۂ نگاہ سے جس بات کو ہم پرکھنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید اس سے متعلق کیا کہتا ہے۔

اگر قرآن جھوٹ موٹ کا پلندہ ہوتا۔۔۔ اگر قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا مَن گھڑت کلام ہوتا، جیسا کہ اکثر منکرین اسلام کا دعوٰی ہے تو لازماً یہ پھر اپنے دور کے مروجہ غلط اور جہالت پر مبنی نظریات کی بھی کچھ نہ کچھ عکاسی تو کرتا۔

لیکن ایسا تو ہرگز نہیں ہے، آیئے قرآنِ مجید کی سورۃ المومنون، سورۃ نمبر 23 کی آیات نمبر 12 تا 16 کا مطالعہ کریں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ
مَّكِيْنٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ
عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ
الْخٰلِقِيْنَ ﴿١٤﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تُبْعَثُوْنَ﴿١٦﴾

جن کا مطلب ہے کہ

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بابرکت ہے۔ پھر اس کے بعد تم مرجاتے ہو۔ پھر قیامت کے دن اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے۔

(سورۃ المومنون، آیات نمبر 12 تا 16۔۔مترجم)

''ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے پیدا کیا۔ اس آیت کا حوالہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے متعلق ہے۔

تمام تر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو معجزاتی طور پر پیدا کیا۔ یعنی انہیں ایسے پیدا نہیں کیا جیسا کہ بقیہ تمام تر مخلوق کو پیدا کیا۔

اللہ کریم نے زمین کے مختلف مقامات سے مٹی اٹھائی اور پھر اس نے اس مٹی سے انسانی شکل وصورت بنائی۔ پھر اس شکل وصورت میں اس نے روح پھونکی اور یوں آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا کو تخلیق کیا گیا۔۔

''سو یہ وہ عقیدہ ہے جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا تو اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہے۔ لیکن اس کے بعد قرآن فرماتا ہے کہ ہم

نے اس کو ایک نطفہ سے بنایا۔

عربی میں جو لفظ ''نُطفہ'' استعمال کیا گیا ہے اس کا مطلب ہے قطرہ! (وہ قُطرہ جو۔۔۔) ایک محفوظ مقام یعنی (عورت کے) رحم میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو ایک علقة بنایا۔

میں ابھی کچھ ہی دیر میں وضاحت کروں گا کہ ان الفاظ کے معانی کیا ہیں۔

لیکن پہلے (اس بات پر غور کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) ہم نے اسے ایک "نُطفہ" سے بنایا۔۔ پھر اس "نُطفہ" کو (مادہ رحم میں ٹھہرا کر) علقة بنایا۔ پھر ہم نے عَلَقَة کو مُضْغَةً بنایا۔ پھر ہم نے مُضْغَةً سے ہڈیاں بنائیں اور پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس میں روح پھونک کر اس کو بالکل ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو اللہ کریم مختلف مراحل کا ذکر فرماتا ہے۔ نطفه، عَلَقَة، مُضْغَةً، اورلحم۔

جی ہاں، یہ مراحل ہیں پھر جا کر ہم انسانی شکل وصورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آگے مزید فرماتے ہیں کہ

سو کیسی بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو تمام تر صناعوں سے بڑھ کر ہے پھر تم بعد اس (تمام قصہ عجیبیہ) کے مرنے والے ہو۔

سامعین! (قارئین کرام)! یہ ایک نہایت ہی اہم اور قابلِ توجہ نکتہ ہے! کہ اللہ تعالیٰ اُن عجیب وغریب اور حیران کن حقائق، جن حقائق کو سائنس نے تو محض حال ہی میں دریافت کیا ہے۔۔ بیان کرنے کے فوراً بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں یاد دہانی کراتا ہے کہ

اے بنی آدم تم کو مرنا بھی ہے۔۔اور پھر روزِ جزا کو تمہیں زندہ کیا جائے گا۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف مراحل سے گذار کر تمہیں پیدا کیا ایک ایسی چیز سے جو چپک جاتی ہے، عَلقة سے، مُضغَةً سے، اور (اسی طرح) پھر لحم سے۔۔۔ان تمام تر مرحلوں سے گذار کر پیدا کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ یقینی طور پر قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرے گا۔

نطفه کا مطلب وہ قطرہ ہے جو (عورت کے رحم میں) ٹھہرتا ہے۔

اور محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نطفه مرد اور عورت (دونوں کے جرثوموں) کے ملاپ سے بنتا ہے۔

درحقیقت آپ فرماتے ہیں کہ تخلیق کے لیے دونوں کے جرثومے آپس میں گڈمڈ ہوتے ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ

مرد کے مادہ منویہ کا جرثومہ اور (اس طرح) عورت کے مادہ منویہ کا جرثومہ مل کر نطفہ بنتا ہے۔۔یعنی یہ چھوٹے چھوٹے جرثومے۔۔چھوٹے چھوٹے قطرے۔۔آپس میں ملتے ہیں یہ نہایت ہی اہم بات ہے کیونکہ نبیء کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق تو مرد وزن دونوں کے نطفوں کے ملاپ سے ہوتی ہے۔

یہ بات بھی آپ ﷺ کے دور میں پائے جانے والے نظریات کے سراسر برعکس ہے۔

اس کے بعد، اب ذرا غور کیجئے کہ عربی زبان میں لفظ عَلقة کے کیا معانی ہیں۔

اس کے تین معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

ا۔ کوئی چپکنے والی چیز

۲۔ خون کا لوتھڑا

۳۔ کوئی جونک نما چیز!

درحقیقت ان معانی کے اعتبار سے (علقة کی) یہ ساری صورتیں انسانی جنینین کی ابتدائی نشونما کو ہو بہو بیان کرتی ہیں۔ پھر ان نطفوں کے ملاپ کے جنینیاتی عمل کے بعد جا کر ایک ذی روح چیز بنتی ہے۔وُہ چیز۔۔نمونے کے اعتبار سے (ایسی جونک نما ہوتی ہے کہ وہ) صحیح معنوں میں ماں کے رحم کے ساتھ چپک جاتی ہے (یعنی۔۔۔) جو ماں کے رحم میں بچہ دانی کے ساتھ چپک جاتی ہے۔

علقہ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا ہے۔۔یعنی یہ ایسی چیز جیسا ہوتا ہے جو چپک جاتی ہے۔ اور پھر یہ ہو بہو ایک جونک نما شے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے میں اس کی یہ مشابہت حیران کُن حد تک شاندار ہوتی ہے۔

نہ صرف اس (چیز، یعنی علقة) کی ظاہری شکل وصورت۔۔(جونک جیسی ہوتی ہے) بلکہ اپنے رویئے کے اعتبار سے بھی یہ۔۔۔(بالکل جونک جیسی ہی ہوتی ہے۔۔) کیونکہ ایک جونک جس شے کے ساتھ چپکتی ہے (اپنی نشوونما کے لیے) اسی سے (اُس کا) خون چوستی ہے۔ اسی طرح عَلَقة بھی اپنی ابتدائی خوراک اپنی ماں ہی سے لیتا ہے۔۔ اور یوں یہ بڑھتا رہتا ہے۔ (حتی کہ) بعد میں یہ خون کا ایک لوتھڑا دکھائی دینے لگتا ہے یہ تو پہلی بات ہوئی کہ لفظ عَلَقة ۔۔۔انسانی جنینین کی ابتدائی نشونما کے مختلف درجات کو

ہو بہو بیان کرتا ہے۔ یہ وہ بات ہے کہ 1400 سال پہلے جس کا علم قطعی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بالکل ناممکن تھا۔۔۔ کیونکہ انسانی جنینیں کی نشوونما کا یہ مرحلہ تو وہ مرحلہ ہے جس کا مشاہدہ تو صرف اور صرف جدید ترین اور مؤثر ترین Micro Scope (خوردبین) کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس کے باوجود 1400 سال پہلے اس مرحلے کو بعینہٖ ایسے ہی بیان کر دیا گیا ہے سو۔ اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ علقة کے مرحلے سے گذر جانے کے بعد یہ (چیز) مُضۡغَةً بن جاتی ہے۔ اور ''مُضۡغَةً'' کا مطلب ہے۔۔۔ کوئی ایسی چیز جیسا کہ چبایا ہوا گوشت!!

اور (حیران کن بات تو یہ ہے کہ) یہ (مُضۡغَةً) بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔۔ (بالکل ایسا ہی۔۔) جیسا کہ (اس کے متعلق) قرآنِ مجید اور پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ کہ یہ کسی حد تک مکمل ہوتا ہے اور کچھ کچھ نامکمل بھی ہوتا ہے۔! یعنی اس کی کچھ شکل وصورت ہوتی بھی ہے اور کچھ نہیں بھی ہوتی۔ اور پھر اگر آپ اس مرحلے میں اس کا مشاہدہ کریں تو یہ (مُضۡغَةً) بالکل (ہو بہو) گوشت کے اس ٹکڑے جیسا دکھائی دیتا ہے جسے چبایا گیا ہو۔

پھر اس ''مُضۡغَةً'' میں ایک عجیب وغریب بات ہوتی ہے اس مرحلے کے بعد ہڈیوں کے بننے کا مرحلہ آتا ہے۔ ہڈیاں بنتی ہیں اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر چہ ہڈیاں بننے اور پھر ان پر گوشت چڑھنے کے عمل کے دوران وقفہ بہت ہی کم ہوتا ہے ۔۔ لیکن یہ بات نہایت ہی دلچسپی کا باعث ہے کہ عربی زبان میں جو لفظ یا جو اصطلاح

استعمال کی گئی ہے۔۔ یہ لفظ رفتار کو ظاہر کرتا ہے، کسی ایک چیز کا کسی بھی دوسری چیز کے تعاقب میں لگے ہونے (کے عمل) کو ظاہر کرتا ہے۔

(سائنسی میدان میں قرآن کا معجزاتی کرشمہ دیکھئے کہ) عربی زبان کے استعمال کردہ الفاظ کا چناؤ اور ان کا انتخاب بھی اپنے (اندر چھپے ہوئے) معانی کے اعتبار سے، انسانی جنینین کی ابتدائی نشونما سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔

اس کے بعد حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ بیالیس راتیں گذر جانے کے بعد، اللہ کریم اپنے ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس کی شکل وصورت بناتا ہے۔۔۔اس کے کان، اس کی آنکھیں۔۔۔اس کی جلد اور اس کا گوشت بناتا ہے۔۔اس کی ہڈیاں بناتا ہے او رپھر اللہ کے حضور عرض کرتا ہے کہ اے مالک!! کیا یہ نر ہے یا مادہ! پھر آپ کا مالک خود اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔اور فرشتہ (اللہ تعالیٰ کے) اس امر کا ریکارڈ رکھتا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک **42** راتیں گذر نہ جائیں آپ کسی بھی صورت بچے کی جنس سے متعلق کوئی بھی حتمی فیصلہ دینے کے اہل ہی نہیں ہوتے۔

آج سے 1400 سال پہلے ایسی معلومات ایک ایسی ہستی کے پاس کیسے اور کیونکر پہنچیں جو کہ ایک صحرا نشین تھی۔

یقینی طور پر یہ ایک شہادت ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے'' کے ثبوت کے طور پر کچھ مزید شہادتوں کیلئے، ہمارے اس پروگرام میں ہمارے ساتھ رہیئے گا۔

تب تک کے لیے السلام علیکم!!!

باب نمبر 8

قرآن میں (بیان کردہ) سائنسی حقائق

(حصہ اوّل)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔۔ اور اس کی رحمتوں اور اس کی برکات کا نزول ہو۔

آپ کو اپنے پروگرام ''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے'' میں ایک مرتبہ پھر خوش آمدید کہتا ہوں۔

ہم قرآن مجید میں بیان کردہ سائنسی نوعیت کے کچھ حیران کُن معجزاتی کرشموں کی بات کر رہے تھے۔ یہ وہ حقائق ہیں جنہیں قرآنِ مجید میں پایا جا سکتا ہے۔

یہ حقائق ہمیں حیران و پریشان کر دیتے ہیں کہ ایسی معلومات، ایک ایسی کتاب میں جو کہ 1400 سال پرانی ہے، کیسے پائی جا سکتی ہیں۔ ہم قرآنِ مجید کی اُن آیات کا جائزہ لے رہے تھے جو عورت کے رحم میں بچے کی نشونما سے متعلق ہیں۔

اور ہم نے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کا حوالہ بھی دیا تھا جس میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ

جب حمل کو 42 راتیں گذر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو اس کے پاس بھیجتا ہے جو اس کی شکل وصورت بناتا ہے۔ گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے، پھر وہ فرشتہ اللہ کے حضور

عرض کرتا ہے کہ اے خداوندِ کریم کیا یہ نر ہے یا مادہ! اور آپ کا خداوندِ کریم جو چاہتا ہے وہ فیصلہ کرتا ہے۔ اور وہ فرشتہ پھر اس امر کا ریکارڈ رکھتا ہے۔

سو، یہ ایک حقیقت ہے کہ صرف 40 یا 42 دنوں کے بعد ہی بچے کی جنس کی شناخت ہوسکتی ہے۔ اور یہ سائنسی اعتبار سے بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے! اور یہ بڑی ہی گہری اور دلچسپ بات ہے جو کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی۔

کئی باتیں تو ایسی ہیں جن کا علم صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو ہے۔ اور جن جن چیزوں کا ذکر آپ ﷺ نے (اللہ کے امر سے ارشاد) فرمایا ان میں سے ایک (عورت کے) رحم میں بچے کی جنس سے متعلق ہے۔

جیسا کہ ایک مسلمان عالمِ دین کا کہنا ہے کہ صرف چالیسویں دن کے بعد ہی ایسا ہوتا ہے۔ نبیءِ کریم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ کے مطابق چالیسویں دن کے بعد ہی فرشتہ ماں کے رحم میں بچے کی شکل وصورت بناتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ یہ نر ہے یا مادہ ہے۔ (یعنی) پھر جا کر اس (فرشتے) کو بھی یہ علم ہوتا ہے (کہ یہ نر ہے یا مادہ ہے)۔ تو جیسا کہ اس عالم دین کا کہنا ہے کہ اس کے بعد ۔۔۔ پھر ہر کوئی بچے کی جنس کو جان سکتا ہے۔

سو، نبیءِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد جو کہ (دورِ جدید کی مسلمہ) سائنسی تحقیق کے عین مطابق ہے۔ حیران کُن ہے۔ یہ وُہ مسلمہ حقیقت ہے جسے ہم نے تو ابھی حال ہی میں دریافت کرنا شروع کیا ہے۔

ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ (نبیءِ کریم ﷺ کی) یہ حدیثِ مبارکہ بچے کی نشونما اور اس کی شکل وصورت (شناخت) کے حوالے سے صحیح ترین اوقاتِ کار کے متعلق بھی

درست ترین معلومات بیان کرتی ہے۔

بچے کی جنس کا پتہ تو واقعتاً چالیس دنوں کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

اور یہ اتنی بڑی علمی خبر۔۔صرف اور صرف اعلیٰ ترین مائیکروسکوپس کی ایجادات کے بعد ہی جا کر دریافت ہوسکتی تھی۔(سو، یہ) آج سے۔۔بس کچھ چند دہائیاں قبل کی بات ہے۔۔۔!!!

میں نے تو قرآن وحدیث کی رو سے ماں کے رحم میں بچے کی نشونما کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔اسی طرح کا جامع ترین علمی ذخیرہ دستیاب ہے۔

اگر آپ اس موضوع کا مزید مطالعہ کرنا چاہیں تو اس سے متعلقہ مواد آسانی سے انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔

اس حوالے سے ڈاکٹر ذاکر نائیک نے ایک باکمال کتاب تخلیق کی ہے۔

''جدید سائنس قرآن وسنت کی روشنی میں''

اگر آپ ان موضوعات پر مزید تحقیقات کرنا چاہیں تو آپ یہ سارے کا سارا مواد اسلامک ریسرچ فاونڈیشن سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

لیکن میرا خیال ہے کہ میں یہاں کینیڈا میں ''یونیورسٹی آف ٹورانٹو'' کے شعبہ اناٹومی کے صدرِ شعبہ **پروفیسر کیتھ مور** کے ایک حوالے کا تذکرہ کرتا چلوں۔!

پروفیسر کیتھ مور ماں کے رحم میں بچے کی ابتدائی نشونما سے متعلقہ علوم کے حوالے سے ایک ماہر ترین شخصیت ہیں اور ان کی ایک کتاب "The Developing Human" پوری دنیا کے کئی ایک کالجز اور یونیورسٹیوں میں کئی سالوں سے ابھی تک ابتدائی درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جا رہی ہے۔

کئی ایک مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

اسے (پروفیسر کیتھ مورکو) انسانی بچے کی ابتدائی نشونما سے متعلق قرآن وحدیث میں سے کچھ حوالہ جات دکھائے گئے۔

ان کے مطالعے کے بعد وہ ایک نتیجہ پر پہنچا۔

آئیں دیکھیں کہ اس نے کیا کہا۔!

''انیسویں صدی تک انسانی بچے کی نشونما کی مرحلہ وار تخلیق سے متعلق کچھ بھی نہیں کہا گیا۔ بلکہ انسانی بچے کی ابتدائی نشونما کے مرحلہ وار طریقۂ کار کو انیسویں صدی کے اخیر میں کہیں جا کر وجود میں لایا گیا جس کی بنیاد حروفِ تہجی کی علامات پر رکھی گئی تھی۔ پھر بیسویں صدی ہی کے دوران ہندسوں کا استعمال کیا گیا جو انسانی بچے کی ابتدائی نشونما کے 23 مرحلوں کی نشاندہی کرتے تھے۔

ان مرحلوں کو گننا اور پھر ان کا سمجھنا قطعی طور پر آسان نہیں ہے، لہذا اس سے بہتر کوئی اور طریقۂ کار ہونا چاہیئے جو مؤثر ہو اور۔۔۔ حالیہ سالوں میں قرآنِ مجید کے مطالعے نے انسانی بچے کی ابتدائی نشونما کے اس مرحلہ وار تخلیق کی ایک اور بنیاد فراہم کی ہے جو کہ اس بچے کی حرکات وسکنات، اس کی مرحلہ وار تبدیلیوں اور اس کی شکل وصورت کو سمجھنے کے لیے نہایت ہی آسان ترین ہے۔ یہ قرآن مجید فکری شعور کو اجاگر کرنے والے احکامات کو (مختلف) اصطلاحوں (کی مدد) سے بیان کرتا ہے۔(وُہ احکامات۔۔) جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد رسول ﷺ پر فرشتۂ جبریل کے ذریعے نازل کیے گئے۔ اور پھر قرآنِ مجید میں درج کیے گئے۔

وہ مزید کہتا ہے کہ (اب) یہ بات مجھ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ

یہ آیات محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس لازمی طور پر اللہ کی طرف سے آئی ہوں گی۔

کیونکہ ایسا واضح علم تو کئی صدیاں پہلے تک دریافت ہی نہیں ہوا تھا۔اس بات پر میرا یقین اور بڑھا ہے کہ محمد ﷺ بے شک۔یقینی طور پر اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔''

محترم خواتین وحضرات۔۔۔

آپ کو اس (تبصرے) پر غور کرنا چاہیئے۔دیکھئے۔۔وُہ (کیتھ مور) ایک ماہر آدمی ہے،۔۔بلکہ یوں سمجھیں کہ وہ اپنے شعبہ تعلیم اناٹومی کی ماہر ترین شخصیت ہے۔

اس کی مثال لیجئے کہ وہ (علم جنینیات سے متعلق) نبیءِ کریم (حضرت محمد ﷺ) کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی قرآنِ مجید کی اس آیت (اور بعض احادیث) کا مطالعہ کرتا ہے، تجزیہ کرتا ہے۔۔اور پھر برملاوُہ پکار اُٹھتا ہے کہ۔۔۔!!!

ایسی (سائنسی) معلومات کا کسی کو بھی علم ہونا (ان کا شعور ہونا)۔۔اور وُہ بھی آج سے 1400 سال پہلے۔۔بالکل ناممکن ہے۔وُہ اُسے نہ صرف ناممکن قرار دیتا ہے بلکہ وہ تو تجویز کرتا ہے کہ دورِ جدید کے علم جنینین کو بھی اسی مرحلہ وار طریقۂ کار کی پیروی کرنی چاہیئے۔۔۔جو قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا کہنا یہ ہے کہ ماں کے رحم میں بچے کی نشونما کو قرآنِ مجید نے اتنی خوبصورتی اور موثر ترین، درست ترین انداز میں بیان کیا ہے کہ اس موضوع سے متعلق سائنس کی درسی کتابوں کو اسی (مرحلہ وار طریقۂ کار) کو اپنی اساس بنانا چاہیئے!!!

جی ہاں۔۔۔کیتھ مور تو اب خود یہ کہتا ہے، یہ واقعتا ایک باکمال سائنسدان کا شاندار بیان ہے۔

اور چلتے چلتے آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ الحمد للہ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

خواتین وحضرات!!!

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ (سائنسی) معلومات کہاں سے اکٹھی کیں۔ایک ایسی ہستی جو کہ آج سے 1400 سال قبل صحرانشین تھی اُس (ہستی)۔۔نے (سائنسی نوعیت کا) ایسا علم (آخر) کہاں سے اکٹھا کیا یہ وہ سوال ہے جو آپ (سب) کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہیئے!!!

یہ وہ سوال ہے جس پر آپ کو غور وفکر کرنا چاہیئے!

اب اِس کے بعد ایک اور (سائنسی) پہلو جس کا ہم یہاں تذکرہ کرنا چاہتے ہیں وہ ہے ''Water cycle'' یہ آبی بخارات کا وہ عمل ہے جس میں سورج کی تپش سے سمندر کا پانی گرم ہوتا ہے۔ پھر اس سے آبی بخارات بنتے ہیں اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انہی آبی بخارات سے بادل بنتے ہیں۔۔اور پھر کس طرح ہوائیں ان بادلوں کو لے کر چلتی ہیں۔۔ اور پھر ان بادلوں سے بارش ہوتی ہے۔

قرآنِ مجید آبی بخارات کے اس عمل کو اور اسی طرح سطح سمندر کے اندر زیرِ زمین لہروں کے اتار چڑھاؤ کے عمل کو بھی صحیح ترین انداز میں بیان کرتا ہے۔

۔۔۔ہم کچھ سائنسی حقائق کا تذکرہ کرتے چلے آرہے تھے جن کا قرآنِ مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وُہ حقائق ہیں جن کا آج سے 1400 سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہونا بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

انہی سائنسی حقائق میں سے ایک حقیقت جس کا کہ اب ہم ذکر کرنے لگے ہیں وہ ہے آبی بخارات کا عمل۔

ہوسکتا ہے کہ آبی بخارات کے اس پورے عمل کے متعلق بات کرنا آپ کو عجیب لگے۔

مثال کے طور پر سطح سمندر کے زیرِ زمین لہروں کے اتار چڑھاؤ سے متعلق۔۔۔!!!

لیکن قدیم یونانی لوگ اپنی تمام تر فلسفیانہ صلاحیتوں اور اپنے علوم وفنون کے باوجود اسے صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ان لوگوں نے تو یہ فرض کرلیا ہوا تھا کہ سطح سمندر کے زیرِ زمین لہروں کا اتار چڑھاؤ پانی کی ان بوچھاڑوں کی وجہ سے ہوتا ہے جو سمندر کی تہوں سے آتی ہیں اور پھر اس کی غاروں میں جمع ہوجاتی ہیں۔

اور پھر یہی بوچھاڑ جو کہ سمندر کی تہوں سے آتی ہے اور اس کے غاروں میں جمع ہوجاتی ہے وہ پھر ایک بہت بڑے سمندر کے ذریعے جس کو Abyss کہتے ہیں،سمندر کی تہوں کے ذخیروں میں چلی جاتی ہے۔دراصل اٹھارویں صدی عیسوی تک تو آبی بخارات کے عمل کو صحیح طور پر واضح کر کے بیان ہی نہیں کیا گیا۔

اس کے باوجود آج سے 1400 سال قبل قرآنِ مجید کی سورۃ الزمر،آیت نمبر 21 میں (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) فرماتا ہے کہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ

''اے مخاطب کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اور پھر وُہ اسے زمین کی سوتوں میں داخل کردیتا ہے۔

یہ آبی بخارات سے متعلق نہایت سادہ ترین لیکن درحقیقت صحیح ترین بیان ہے۔

ایک اور حیران کن حقیقت جس کا ذکر قرآنِ مجید میں کیا گیا ہے۔۔۔یہ ہمیں قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 24،سورۃ نور،کی آیت نمبر 40 میں ملتی ہے۔

یہ آیت ان لوگوں کی حالت کو بیان کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں۔قرآنِ مجید ایک منکر کی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰

''یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو، اِس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل ہے (غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہیے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں۔ اور جس کو اللہ ہی نورِ (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور میسر نہیں ہوسکتا۔''

اب دیکھیے، ظاہری طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں ایک نہایت ہی سادہ سی مثال پیش کررہا ہے۔

ایک ایسا شخص جو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر اور اُس کتابِ ہدایت پر جو اُس نے آسمانوں سے نازل کی اس پر ایمان نہیں رکھتا، یعنی اِس کی پیروی نہیں کرتا۔ تو وہ (واقعتا) ایک ایسا شخص ہے جو کہ اندھیرے میں ہے، اس کی زندگی تذبذب کا شکار ہے۔ یعنی ایسے لوگ اپنی زندگی میں اس قدر تذبذب کا شکار ہیں کہ وہ اپنے سامنے کسی بھی شے (تک) کو دیکھ نہیں سکتے۔

یہ ہے (منکرینِ خدا کی) وہ کیفیت جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں۔

تہہ در تہہ اندھیرا، الجھن پہ الجھن، وہ تو یہ تک نہیں دیکھ سکتا کہ اس کے سامنے کیا ہورہا ہے! اگر اللہ تعالیٰ خود کسی کو نور ہدایت نہیں بخشتا تو اس کے لیے کوئی راہِ ہدایت ہے ہی

نہیں۔سو،اس (آیت) میں روشنی کے فقدان کی بات کی گئی ہے۔کہ جس میں کوئی بھی شخص نہ کچھ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے کچھ سُجھائی دیتا ہے کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔سو، یہ ہے وہ صورتحال جس کا ذکر قرآنِ مجید میں کیا گیا ہے،

بظاہر تو یہ ایک نہایت ہی شاعرانہ اور نہایت ہی پختگی کے ساتھ حیران کن انداز میں (بس ایک) منظر کشی کی گئی ہے ۔۔ایک گھپ اندھیرے کی ۔۔۔اور کسی کو کچھ سُجھائی نہ دینے کی ۔۔(منظر کشی ۔۔مترجم)

لیکن اگر اس (آیت) کا مطالعہ ہم ذرا تفصیل میں جا کر، اس (کے معانی) کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر کریں تو اس میں کتنے ہی (سائنسی) حقائق پوشیدہ ہیں۔

اس مقام پر بھی کچھ سائنسی حقائق کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

سوچیئے کہ ۔۔قرآن سب سے پہلے ایک وسیع اور گہرے سمندر کا تذکرہ کرتا ہے۔پھر یہ لہروں کے اوپر لہروں کا ذکر کرتا ہے۔ہم میں سے اکثر لوگ ان لہروں سے تو بخوبی آشنا ہوتے ہیں جو سطح سمندر کے اوپر پائی جاتی ہیں۔

لیکن یہاں،لہروں کے اوپر لہریں ہونے سے کیا مراد ہے۔؟

کیا سمندر کے اندر بھی کوئی اور لہریں ہوتی ہیں؟

خیر۔۔۔!

چلیئے،اس راز کو تلاش کرتے ہیں!

قرآنِ مجید ایک ایسے شخص کے متعلق بھی بات کرتا ہے جسے روشنی،نور میسر نہیں ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو کچھ دیکھ ہی نہیں سکتے۔

دیکھیئے۔۔روشنی کی شعاع سات رنگوں سے مل کر بنتی ہے۔

یعنی بنفشی، نیلگون، نیلے، سبز، پیلے، زردی مائل اور سرخ رنگوں کے ملاپ سے بنتی ہے۔اور روشنی ہے کہ جب یہ پانی کی سطح سے ٹکراتی ہے تو منعکس ہو جاتی ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ، مثال کے طور پر سمندر کی اوپر والی سطح کے 10 یا15 میٹر (کی گہرائی) تک پانی سرخ رنگ کو (اپنے اندر) جذب کرتا ہے۔۔اور جوں جوں آپ (سمندر کی) زیادہ گہرائی میں جاتے ہیں تو قوسِ قزح کا ہر ہر رنگ ہے کہ پانی میں جذب ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ (جب) آپ 1000 میٹر کی گہرائی میں جا پہنچتے ہیں تو وہاں مکمل گھپ اندھیرا ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ حیران کر دینے والی بات یہ ہے کہ دورِ جدید کی سائنسی تحقیقات سے ہم یہ راز اخذ کر چکے ہیں کہ (سمندر کی) متحرک لہریں سمندر کے پانی کی گہرائی کی نشاندہی کرتی ہیں۔ کیونکہ گہرے پانیوں کی لہروں کا اپنے سے اوپر والی سطح کے پانیوں کی لہروں سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔سو، لہروں کے اوپر لہروں سے مراد۔۔(کیا ہے؟۔۔یہ سمجھنے کے لیے) غور کیجئے کہ

ایک تو سطح سمندر کے اندر یعنی گہرے سمندر کے اندر کی لہریں ہیں۔اور پھر کچھ لہریں تو ایسی ہیں جو سطح سمندر پر پائی جاتی ہیں۔ پھر اسی طرح بادل وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں یہ بھی تو تاریکی میں اضافہ کرتے ہیں۔اور روشنی کے تسلسل کے منقطع ہونے اور اس کے بکھر جانے کا باعث بنتے ہیں۔ سب سے بڑی دلچسپ بات تو یہ ہے کہ وہ گھپ اندھیرا یاد کریں۔۔۔جس کے متعلق قرآنِ مجید ارشاد فرماتا ہے کہ وُہ اتنا گھپ اندھیرا ہوگا کہ اگر منکرینِ خدا اپنا ہاتھ بڑھائیں گے تو انہیں اپنا ہاتھ تک سُجھائی نہ دے گا۔

یہ ہے وُہ گھپ اندھیرا جو سمندر کی گہرائیوں میں اس کی اندرونی لہروں کے نیچے سے

شروع ہوجاتا ہے۔ ایسی گہرائیوں میں کچھ ایسی مچھلیاں پائی جاتی ہیں جو دیکھنے کے لئے (اپنے جسموں سے پیدا کردہ) اپنی ہی روشنی استعمال کرتی ہیں۔

حیران کن امر یہ ہے کہ اس مخلوق کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ خود سے روشنی پیدا کرسکتی ہے۔

یہ بات اس لئے بھی حیرانگی کا باعث ہے کیونکہ آج کے اس جدید (سائنسی) دور سے پہلے تک یقینا کوئی بھی سمندر کی ان اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہی نہیں ہوسکا تھا۔

یہ تو محض آج کی جدید ترین مشینری، غوطہ خور کشتیوں اور غوطہ لگانے کے لیے پہنے جانے والے مخصوص لباس کی بدولت ہی انسان سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ پایا ہے۔

ہمارے پاس قرآنِ مجید ہے جو کہ 1400 سال پہلے کا ہے۔! یہ سمندر کی اندرونی لہروں کو بیان کرتا ہے، یہ اس گھپ اندھیرے کو بیان کرتا ہے جو کہ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں پایا جاتا ہے۔

سوچیئے کہ کیا ارض وسما میں کوئی ایسی ہستی ہے جو آج سے 1400 سال قبل ایک صحرا میں رہتی ہو اور اس کے پاس سمندر کے ایسے سائنسی علوم کا علم ہو۔

خیر۔۔۔!!

پروفیسر راؤ جو کہ کنگ عبد العزیز یونیورسٹی جدہ میں ایک پروفیسر ہیں اور جو ''میرین بیالوجی'' کے ماہر مانے جاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ

''آج سے 1400 سال پہلے کا کوئی شخص ایسے دقیق مسئلے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر ہی نہیں سکتا تھا۔

یہ خبر لازماً قادرِ مطلق، خالقِ ارض وسما کی طرف ہی سے آئی ہے!

(میرے معزز و محترم خواتین و حضرات)۔۔۔

قرآنِ مجید میں پائی جانے والی عجیب و غریب سائنسی حقیقتوں کا اختتام اسی بات پر تو نہیں ہوتا ہے۔۔۔

کیونکہ ایک اور بات جس کا ذکر میں اب کرنے لگا ہوں وہ تخلیقِ کائنات سے متعلق ہے۔

یعنی قرآنِ مجید میں پائی جانے والی وہ آیاتِ کریمہ جو کائنات سے متعلق ہیں۔

موجودہ دور تک۔۔ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ 1960 تک تخلیقِ کائنات کی ہیئت کے مفروضوں کے حوالے سے سائنسدانوں کے مابین بہت بڑا تضاد پایا جاتا تھا۔ کچھ سائنسدان یہ سمجھتے تھے۔۔۔ بلکہ ان کا پختہ نظریہ تھا کہ کائنات کی ہیئت مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں کائنات درحقیقت پھیلتی چلی جارہی ہے۔

سو، کائنات کی وسعت پزیری کے اسی مفروضے سے ایک اور مفروضہ معرضِ وجود میں آیا جس کو Big Bang Theory کہتے ہیں۔

اس میں خیال یہ کیا جاتا ہے کہ ساری کائنات کا کوئی نہ کوئی مشترکہ نقطۂ آغاز ہے۔

جو آناً فاناً۔۔۔ ایک ہی وقت میں ہوا،

کوئی ایسا گاڑھا مواد یا مادہ۔۔ جس کا کہ ہماری کائنات محض ایک چھوٹا سا۔۔ (بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ لامحدود چھوٹا سا حصہ تھا۔۔ اور پھر یہ چھوٹا سا لامحدود حصہ پھٹ پڑا۔۔ اور یوں وُہ کائنات معرضِ وجود میں آ گئی جس سے آج ہم لوگ واقف ہیں۔ سو، ان کے اس نظریے کی بنیاد اس مفروضے پر تھی۔

انہوں نے اپنے اس نظریے کی خوب تشہیر کی، اور ملحدین یعنی خداتعالیٰ کی ذات کے

منکروں کے لیے تو یہ ایک قابلِ رشک نظریہ تھا۔۔کہ کائنات تو ایسی ہی ہے جیسے یہ شروع میں رہی ہے اور آنے والے وقتوں میں بھی ایسے ہی رہے گی۔

اور یہ وہ نظریہ تھا جس پر شروع شروع میں بہت زیادہ یقین کیا گیا۔ اس پر الفرڈ آئن سٹائن نے بھی یقین کیا اور بعد میں کئی اور لوگوں نے بھی اسی نظریے، یعنی کائنات کے مستقل ہونے کے نظریے کی پیروی کی۔

پھر **Big Bang** کے نظریے کا پرچار کرنے والا فریڈ ہائیڈ جو تھا اُس نے اس نظریے کو تقویت بخشی اور لیمسٹر ا وہ شخص تھا جو کہ **Big Bang** کے اس نظریے کے ساتھ ساتھ فریڈ ہائیڈ کی مخالفت کر رہا تھا۔

ایسے میں ایک ایسی شہادت منظر عام پر عام آ گئی جس سے یہ ظاہر ہوا کہ قوسِ قزح کے رنگوں میں وہ تبدیلیاں جو کہ ستاروں اور کہکشاؤں کی طرف سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔۔ انہوں نے تو یہ راز کھول دیا ہے کہ کائنات تو مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

کس قدر حیران کن بات ہے کہ یہ وہ سائنسی حقیقت ہے جسے حال ہی میں تسلیم کیا گیا ہے، اسے تقریباً تمام تر اُن سائنسدانوں نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے جن کا تعلق اسی شعبۂ تعلیم سے ہے۔

ان سب کا کہنا یہی ہے کہ ہم ایک ایسی کائنات میں رہ رہے ہیں جو مسلسل بڑھ رہی ہے۔

سو ایسے ماہرین کی شہادت سے بھی اس "Big Bang" کے نظریے کو اور زیادہ تقویت ملتی ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ آج سے 1400 سال قبل اس سلسلے میں قرآنِ مجید

کیا ارشاد فرماتا ہے!

ٹیلی سکوپ اور دیگر ان تمام تر ذرائع سے بھی بہت پہلے جن کی مدد سے آج ہمیں یہ معلومات حاصل ہوسکیں۔

قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 51 (سورۃ الذاریات) کی آیتِ کریمہ نمبر 47 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴿۴۷﴾

''اور ہم نے آسمانوں کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں۔''

(یعنی ہم انہیں وسعت دے رہے ہیں)

میں اس فرمان الٰہی کو دہراتا ہوں

اور ہم نے آسمانوں کو بنایا اور ہم اُنہیں وسعت دے رہے ہیں۔

آج سے 1400 سال پہلے ہی قرآن مجید نے اس کا ذکر فرما دیا کہ کس طرح کائنات پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ 1964ء میں ایک نہایت ہی طاقتور ٹیلی سکوپ کے ذریعے دریافت کی جانے والی ایک اور نہایت ہی اہم شہادت جس کا مشاہدہ کیا گیا وہ ہے کارخانۂ قدرت میں پائی جانے والی روشنی کی انتہائی باریک کرنوں کی چمک!!

اور اس کی پیشین گوئی Big Bang کے مفروضے میں بھی کی گئی تھی۔ یہی کہ یہ کائنات ایک نہایت ہی گرم سیال مادے کا ایک حصہ ہے۔

ابتدائی طور پر معرض وجود میں آجانے والی اس کائنات کا حصہ جو جب کافی حد تک ٹھنڈی پڑ گئی تو پھر اس سے ہائیڈروجن وغیرہ کئی ایک گیسیں بنیں۔ یوں ایک صاف ستھری خلا معرض وجود میں آ گئی۔

اسی نظریے کی دریافت نے علم طبیعات کے ماہرین کی رہنمائی کی کہ وہ بالعموم اور بالخصوص یہ تسلیم کریں کہ Big Bang کا نظریہ ہی کائنات کی وسعت پذیری اوراس کی ارتقاء کے لیے بہترین بنیادی اصول اورنمونہ ہے۔

اب دیکھیں کہ قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 21 (سورۃ الانبیاء) کی آیت نمبر 30 میں کیا ارشادفرمایا گیاہے

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ

”کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہُوا کہ آسمان اور زمین آپس میں پہلے ایک ٹکڑے کی صورت میں ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ان کوجدا جدا کر دیا۔اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے بنایا ہے۔کیا وہ ان باتوں کوسُن کر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔“

کائنات کا وہ مشترکہ مواد یا وہ مشترکہ مادہ یا وُہ کوئی واحد شے جس کے متعلق آج سائنسدانوں کا خیال یہ ہے کہ (یہ ہماری) کائنات اسی سے (الگ ہوکر) معرض وجود میں آئی۔۔۔اورجس خیال نے "Big Bang" کے نظریے کی طرف راہنمائی کی۔اس کے متعلق عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ اس ایک ہی مادے کی کیفیات اورصورتیں اس قدر تیز رفتاری پر مبنی تھیں کہ جن کو سمجھنا یا جن کو پرکھنا ممکن ہی نہیں۔

اور یہ امر (فی نفسہ بھی) اپنے اندر کتنی ہی ایسی حقیقتیں سموئے ہوئے ہے کہ یہ تخلیق تو واقعتاً کسی ایسی بزرگ و برتر ہستی ہی نے کی ہے جو بے شک خالقِ ارض وسما ہونے کے لائق ہے۔

یہ ہیں وہ حقائق جن کے متعلق قرآنِ مجید ہمیں آگاہ کرتا ہے۔قرآنِ مجید ہماری کائنات کے ارتقائی مراحل (کی تخلیق) کا بھی ذکر کرتا ہے۔۔۔کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارض وسماوات کو تخلیق کیا تو یہ ایک دُخان کی صورت میں تھے۔عربی زبان میں دُخان کا مطلب ہوتا ہے دھواں!

قرآنِ مجید کا یہ ارشاد کائنات کی انتہائی گرم گیسوں والی اس کیفیت کو بھی ہوبہو بیان کرتا ہے جو ستاروں اور کہکشاؤں کی تخلیق سے بھی پہلے کی تھی۔

ہمارے پاس آج سے 1400 سال پہلے کا نازل کردہ قرآنِ مجید ہے جس میں کائنات کی وسعت پذیری کا ذکر موجود ہے کائنات کا پہلے پہل ایک ہونے کا ذکر ہے کہ یہ ارض وسماوات دونوں ایک ہی جز تھے۔

وُہ قرآن جو کہ کائنات کی اس ابتدائی کیفیت کا ذکر کرتا ہے جس میں صرف گیسیں ہی گیسیں یا صرف دھواں ہی دھواں تھا۔

یہ معلومات ایک ایسی کتاب میں ہیں جو کہ آج سے 1400 سال پرانی ہے!

اور یہ وُہ حقائق ہیں جنہیں سائنسدانوں نے آج جا کر کہیں دریافت کرنا شروع کیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط

(سورۃ الانبیاء، سورۃ نمبر 21، آیت 30)

۔۔۔اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے۔یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ ہر جاندار چیز پانی ہی سے بنائی گئی ہے۔

میں اور آپ 70 سے 80 فیصد تک پانی پر مشتمل ہیں۔یعنی 70 سے 80 فیصد تک

پانی سے بنائے گئے ہیں۔ یہ ہے وہ حقیقت جس کا تذکرہ قرآنِ مجید میں 1400 سال پہلے کیا جاچکا ہے۔

کیا ابھی بھی آپ یقین نہیں کریں گے۔۔!!!

کیا ابھی بھی آپ ایمان نہیں لائینگے۔۔۔!!!

وہ کون سی دلیل ہے، کون سی شہادت یا کون سا ثبوت ہے جو آپ کے اندر اس احساس کو اجاگر کرے گا کہ ہاں، واقعی قرآنِ مجید (اللہ کا کلام ہے اور) حق سچ ہے۔ آپ کب سمجھنا اور ماننا شروع کریں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

(یہ حوالہ جات جو ابھی تک شہادتوں کے ساتھ ہم پیش کر چکے ہیں۔۔) یہ بھی ایک بہت بڑا ثبوت ہیں کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے! (ہمارے اس پروگرام کی) آئندہ کی اقساط میں ہمارے ساتھ ساتھ رہیئے گا (تا کہ آپ کی خدمت میں) ہم قرآنِ مجید سے کچھ مزید حیران کن حقائق پیش کرسکیں۔

تب تک السلام علیکم۔۔ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو، اس کی رحمتوں اور اُس کی برکتوں کا نزول ہو۔ اور اللہ کرے کہ آپ کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی نصیب ہو! (آمین، ثم آمین۔۔۔مترجم)

باب نمبر 9

قرآن میں (بیان کردہ) سائنسی حقائق

(حصہ دوم)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں ایک مرتبہ پھر آپ کو اپنے پروگرام میں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے، خوش آمدید کہتا ہوں۔

ہم ان اقساط میں (یعنی ابواب میں۔ مترجم) قرآنِ مجید میں پائے جانے والے سائنسی نوعیت کے کچھ معجزاتی کرشموں کی بات کرتے چلے آرہے تھے۔ اور معلومات آج سے 1400 سال پرانی اس کتاب میں ہیں جس کے متعلق ہر مسلمان کا یہ پختہ یقین و ایمان ہے کہ یہ خالقِ ارض و سماء یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا کلامِ برحق ہے۔ جو کہ تمام تر بنی نوع انسان کی رہنمائی اور بہتری کے لیے نازل کی گئی ہے۔

لیکن یاد رکھیے، قرآنِ مجید کے متعلق ہم مسلمانوں کا یہ کوئی محض زبانی کلامی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ ہمارا یہ دعویٰ تو ایسا ہے جس کے ثبوت کے لیے ہم شواہد اور شہادتیں پیش کر سکتے ہیں۔ اور ہمارا تو یہ پختہ یقین ہے کہ ہر وہ ذی شعور انسان، ہر ایسا آدمی جو غور و فکر کرنے والا ہو، جو بالکل غیر جانبدار ہو کر (ثبوت کے لیے پیش کردہ) ان دلائل و براہین کو پرکھنے کے لیے ان کا تجزیہ کرنے کے لیے اپنا وقت کھپاتا ہے اپنی توانائیوں کو خرچ کرنا جانتا ہے، تگ و دو، یعنی کوشش کرتا ہے (تو بالآخر) یہ راز اُس پر کُھل ہی جاتا ہے کہ اسلام واقعتاً ایسا

ہی دینِ برحق ہے جیسا کہ اس کو ہونے کا دعوٰی ہے۔

یعنی یہ ایک ایسا دین ہے جو خالقِ ارض وسما کی طرف سے نازل کردہ ہے۔۔۔۔ جو کہ تمام تر بنی نوع انسان کی راہنمائی اور اس کی بھلائی کے لیے ہے۔

گذشتہ قسط میں (اس سے پہلے باب میں۔مترجم) ہم قرآنِ مجید کے کچھ اُن حوالہ جات کی بات کر رہے تھے جن کا تعلق کائنات سے ہے۔ یہ کہ کائنات پھیل رہی ہے، اور یہ کہ کائنات کا مشترکہ ماخذ ایک ہی ہے، اور یہ کہ جس کائنات کو ہم جانتے ہیں وہ تو گیسوں کے مادے سے پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ معلومات تو محض حال میں دریافت ہوئی ہیں۔

آیئے تخلیقِ کائنات کے حوالے سے قرآنِ مجید کی کچھ مزید آیات کا ذکر کرتے ہیں۔ اس عنوان سے متعلقہ ایک آیت جس کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ سورۃ نمبر 21 (سورۃ الانبیاء) کی آیت کریمہ نمبر 33 ہے

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳

''اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن کو پیدا کرنے والا ہے، سورج اور چاند ہر ایک اپنے اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔''

یہاں ایک نہایت (ہی) دلچسپ بات ہے کہ حرکت سے متعلق عربی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔۔۔ یعنی خود ساختہ حرکت کے لیے وہ لفظ ہے سَبَحَ ۔۔ جب کہ اصل عبارت ہے یَسْبَحُوْنَ ۔۔۔

یہ لفظ (عربی لغت کے اعتبار سے) ایک ایسی حرکت کو ظاہر کرتا ہے جو کسی مذکورہ شے کے اپنے ہی جسم سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اگر یہ حرکت پانی میں روبہ عمل ہے تو اس سے مراد

تیرنا ہوگا۔۔اگر یہی حرکت زمین پر روبہ عمل ہے تو اس سے مراد چلنا ہوگا۔سواس سے مراد وہ حرکت ہے جو مذکورہ جسم ہی سے رونما ہوتی ہے۔

سو،اس اعتبار سے اگراس میں (کسی شے کے) خلا(میں) کسی عمل کا تذکرہ ہے تو اس سے مراد ہوگا گردش کرنا۔یعنی وہ (کوئی شے یا کوئی بھی جسم جس کا ذکر کیا گیا ہوگا وہ) خودبخود حرکت کرے گا۔اب یہ کس قدر حیران کن بات ہے کہ (آج سے)1400 سال پہلے سورج،زمین اور چاند کے متعلق قرآنِ مجید ارشادفرماتا ہے کہ وہ گردش کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ سوچ رہے ہوں کہ سورج تو ساکن ہے۔تو ایسا ہرگزنہیں ہے جیسا کہ زمین اور چاند گھومتے ہیں،زمین سورج کے گرد گھومتی ہے جب کہ سورج اپنے ہی مدار کے گرد گھومتا ہے۔

سو اس حوالے سے یہ بالکل درست کہا گیا ہے ۔ درحقیقت زمین ایک مدار میں (گردش کرتی) ہے۔اسی طرح سورج بھی ایک مدار میں ہے۔لیکن یہ ایک ایسے مدار میں ہے جو دیگر ستاروں کے مرکز کے گرد ہے۔ بلکہ حقیقت میں تو یقین یہ کیا جاتا ہے کہ اگرسورج اپنے مدار میں گھومتا رہے تو اس مقام پر جاکررُکے گا جس کوSolar Epic کہتے ہیں۔ یعنی یہ اُس مقام پرجاکےرکے گا جوکہ ستاروں کے جھرمٹ کے عین درمیان ہے۔

سو، یہاں جس چیز کا سراغ ہمیں ملتا ہے وہ یہی ہے کہ قرآنِ مجید اُن (سائنسی) علوم سے (ہمیں) آگاہ کررہا ہے جن (علوم کی) آج سے 1400 سال پہلے کسی کوخبر تک نہ تھی۔اور یہ معلومات سائنسی (علوم کے)اعتبار سے بالکل حقیقت پر مبنی ہیں۔

رات اوردن کی تبدیلی کا معاملہ،اورزمین کے بیضوی ہونے کی صورت کا تذکرہ۔۔

قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 31(سورۃ لقمان) کی آیت نمبر 29 میں واضح طور پر ذکر کیا گیا

ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح رات کو دن میں تبدیل کرتا ہے اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی سورۃ نمبر 39 (سورۃ الزمر) کی آیت نمبر 5 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

''اسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔''

اور اس (عمل) کے لئے قرآنِ مجید میں عربی زبان کا جو مخصوص لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ ہے کَوَّرَ۔

کَوَّرَ کا مطلب ہے آپ کا اپنے سر کے گرد پگڑی باندھنے کا عمل۔ سو، (اس لفظ کے اعتبار سے بھی۔ مترجم) یہ عمل بیان کرتا ہے کہ کس طرح رات اور دن باری باری ایک دوسرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

اور آپ تحقیق کر سکتے ہیں کہ ان دونوں (دن اور رات) کے ایک دوسرے میں تبدیل ہونے کے عمل کے بیان کا ذکر قرآنِ مجید میں بالکل ایسے ہی کیا گیا ہے جیسا کہ حال ہی میں زمین کے گول ہونے کے متعلق تحقیقات کی تصدیق ہوئی ہے۔ اور یہ زمین بالکل ایسے ہی ہے۔۔۔

بالخصوص ان فلاسفروں کے لیے جنہوں نے تو یہ فرض ہی کرلیا تھا کہ زمین گول ہے۔ لیکن حقیقت میں اس نظریے کو عوام میں پزیرائی نہ مل سکی۔لیکن (غور کیجیے) کہ یہ بھی ایک ایسا علم ہے جس کا احاطہ قرآنِ مجید میں کیا گیا ہے۔

اور یقینی طور پر ہم آج کے (جدید سائنسی) مروجہ علوم کی بدولت اس کو بیان کرسکتے ہیں۔ یہ ایک اور نہایت ہی دلچسپ پہلو ہے کہ زمین کی صورت کے لیے (قرآنِ مجید میں) جو لفظ استعمال کیا گیا ہے یہ وہی لفظ ہے جو شترمرغ کے انڈے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک ''گلوب'' کو دیکھ کر تو ہوسکتا ہے کہ آپ یہ سوچنا شروع کردیں کہ زمین مکمل گول ہے۔ جب کہ حقیقت میں زمین ایسی ہے ہی نہیں۔ یہ تو قدرے بیضوی ہے، یہ مکمل طور پر گول نہیں ہے۔ یہ واقعتاً بالکل ایسے ہی بیضوی ہے جیسا کہ شترمرغ کا انڈہ ہوتا ہے۔

اور اس مرحلے پر جو بات ناقابلِ فراموش ہے وہ یہ ہے کہ اِن آیات کی جو کم سے کم ممکنہ تشریح ہوسکتی ہے اس کو قرآنِ مجید زمین کی صحیح صورت کو بیان کرتا ہے! یقینی طور پر ہم (مسلمان دعوے سے) یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں کوئی بھی (قرآنی) بیان موجودہ مروجہ سائنسی علوم (تعلیمات) سے متصادم یا ان کے متضاد نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ اِن (قرآنی ارشادات) کے متعلق غوروفکر سے کام لیں۔۔ اگر آپ صرف اور صرف آج سے 1400 سال پہلے کی کتاب قرآنِ مجید ہی کا سہارا لے لیں تو یقینا آپ کو اس میں کہیں بھی کوئی تضاد نظر نہیں آئے گا۔

لیکن یہاں میری مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ قرآن ہر چیز کی تصدیق کرتا ہے۔

چلیئے، (کچھ دیر کیلیئے) فرض کر لیتے ہیں کہ قرآنِ مجید کسی بھی سائنسی علم کی تصدیق نہیں کرتا۔ یا آپ فرض کرلیں کہ یہ کسی بھی سائنسی علم کی پیشین گوئی کرتا ہی نہیں ہے۔

چلیئے۔۔کچھ دیر کوفرض کر لیتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں تو کوئی قابلِ ذکر بات ہے ہی نہیں!

حالانکہ۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے کیونکہ گذشتہ کچھ اقساط میں میں خود آپ پر (دلائل و براہین کے ساتھ) یہ واضح کر چکا ہوں کہ قرآن کی تعلیمات کس قدر عجیب وغریب اور حیران کُن ہیں۔ جب ان تعلیمات میں تخلیق کائنات کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کائنات کا ذکر جس میں کہ ہم (سب) رہ رہے ہیں۔

لیکن، چلیئے، کچھ دیر کوفرض کر لیتے ہیں کہ یہ (سائنسی نوعیت کی) تمام تر معلومات قرآنِ مجید میں سرے سے ہیں ہی نہیں۔

چلیئے، کچھ دیر کو یہی فرض کر لیتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو موجودہ دور کے (مروجہ جدید سائنسی) علوم سے متصادم ہو، اِن علوم کی نفی کرتا ہو، ۔تو صرف اور صرف یہی بات ہی قابلِ قدر (اور قابلِ ذکر) ہوگی۔

کیونکہ آج سے 1400 سال قبل لوگ جن جن توہمات کا شکار تھے یا جو جو اُن کے اعتقادات تھے،۔۔۔وہ بھی کمال حد تک عجیب نوعیت کے تھے۔

مثال کے طور پر۔۔قدیم یونانیوں کا اعتقاد تو یہ تھا کہ کہکشاں،۔۔کہکشاں سے مراد ستاروں کا وہ جھرمٹ ہوتا ہے جسے آپ آسمان پر دیکھ سکتے ہیں۔ اور درحقیقت اسی سے وُہ کہکشاں بنتی ہے۔ ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ کہکشاں تو صرف اس وقت بنتی ہے جب ایک دیوی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے۔ وہ بچہ دودھ کو منہ سے باہر چھڑکتا ہے اور

یوں کائنات میں کہکشاں بنتی ہے۔

یہ ان لوگوں کی روایت ہے کہ کس طرح کہکشاں بنتی ہے۔ آج کے اس (سائنسی) دور میں یقینا آپ اس مفروضے پر دل کھول کر ہنسیں گے کہ یہ کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ کبھی غور کیجئے گا کہ قرآنِ مجید میں اس طرح کی من گھڑت، داستانیں اور کہانیاں کیوں نہیں ہیں۔

قرآنِ مجید میں تخلیقِ کائنات کے آغاز اور پھر کرۂ ارض کی تخلیق سے متعلق اسی طرح کی دلفریب داستانیں کیوں نہیں ہیں؟ قرآنِ مجید میں تو ایسا مواد سرے سے ملتا ہی نہیں ہے۔

ہمیں تو قرآنِ مجید کی تعلیمات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ بھی قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا ہے اسے نہایت آسانی سے، چھان بین کے باوجود مکمل طور پر دورِ جدید کے سائنسی علوم سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔

نہیں۔ نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی کئی ایک آیات نے تو اُن امور کی پیشین گوئی کی جن امور کو سائنسدانوں نے محض حال ہی میں (صرف جدید سائنسی مشینری کی مدد سے) دریافت کیا ہے۔

۔۔ آیئے اب قرآنِ مجید میں بیان کردہ کچھ مزید حیران کن ارشاداتِ خداوندی کو سمجھنے کی سعادت حاصل کریں۔

قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 10 (سورۃ یونس) کی آیت نمبر 5 میں بیان ہوتا ہے کہ

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ

''وُہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو (بھی) نورانی بنایا اور

اس کی چال کے لیے منزلیں مقرر کیں''۔

اب (غور کیجئے کہ) قرآنِ مجید سورج کے لیے ''سراج'' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔اس کا مطلب ہے کوئی ایسی چیز جو حرارت اور روشنی خود پیدا کرتی ہے۔جب کہ (قرآنِ مجید میں) چاند کو ''نور'' کہا گیا ہے۔اب نور سے مراد وہ روشنی ہوتی ہے جو روشنی کے کسی اور منبع سے حاصل کی جائے۔اور حقیقت میں اس اصطلاح کی صحیح ترجمانی بھی یہی ہے کیونکہ چاند دراصل سورج کی روشنی کو منعکس ہی تو کرتا ہے۔اور یہی آج کل کا مروجہ جدید سائنسی علم ہے۔

لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بھی یہی نظریہ رائج ہو۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں، ایک نہایت ہی ماہرِ فلکیات شخصیت یعنی فلکیات سے متعلقہ سائنسی علوم کے ایک سائنسدان کو جب ان کے شعبۂ علم سے متعلق کچھ قرآنی آیات دکھائی گئیں تو وہ کیا کہتے ہیں۔

پروفیسر ''یوشیدی کوسان'' جو جاپان میں ''ٹوکیو ابزرویٹری'' میں ایک ڈائریکٹر ہیں۔۔ وہ کہتے ہیں کہ

''میرا کہنا تو یہ ہے کہ میں قرآنِ مجید میں فلکیات سے متعلق حقیقت پر مبنی حقائق پا کر بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں۔اور ہم جیسے جدید ماہرینِ فلکیات کے لیے جو ابھی تلک کائنات کے محض ایک چھوٹے سے حصے کا مطالعہ اور مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں۔۔۔اور جنھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف اور صرف (کائنات کے) اسی چھوٹے سے حصے کو سمجھنے کے لیے صرف کر رکھی ہیں۔کیونکہ بقیہ تمام تر کائنات کے متعلق سوچے سمجھے بغیر، ٹیلی سکوپ کے

استعمال سے ہم لوگ آسمان کے صرف تھوڑے سے حصے کو ہی تو دیکھ سکتے ہیں!!!

سو، قرآنِ مجید کے مطالعے سے (علم فلکیات سے متعلق) کئی ایک سوالوں کے جوابات پا کر، میرا خیال ہے کہ کائنات کے متعلق مزید تحقیقات کرنے کے لیے میرا مستقبل روشن ہے۔''

اس کا کہنا یہ ہے کہ جس نے لوحِ محفوظ میں یہ قرآن مجید لکھا۔جس نے اسے نازل کیا اور وہ ہستی جس نے اس قرآن کے اِن الفاظ کو زبانی ادا کیا۔ وہ ایسے ہی بات کر رہی ہے گویا کہ وہ اس پوری کائنات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔۔

اُن سائنسدانوں کے بالکل برعکس جو کائنات کی کبھی اس چھوٹی سی شے کا جائزہ لے رہے ہوتے ہیں تو کبھی اس کی کسی دوسری شے کو پرکھ رہے ہوتے ہیں۔

جیسا کہ عموماً سارے ماہرینِ فلکیات کرتے ہیں۔

سوچیئے !! بھلا وہ کون سی ہستی ہے جو پوری کی پوری کائنات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

(سوچئے کہ!) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا جو کہ (بے شک) مختارِ کل ہے، دانا ہے، بے نیاز ہے وہ کون سی ہستی ہے جو تمام تر اشیاء کو، تمام تر مقامات پر ہمہ وقت دیکھ رہی ہے۔

سو یہ ہیں کچھ حیران کن سائنسی حقائق۔

اب ہم ایک (اور نہایت اہم) شعبۂ علم کا ذکر کریں گے۔

یہ وہ شعبہ ہے جو میرے لئے تو خصوصی طور پر انتہائی دلچسپی کا باعث ہے کیونکہ میں جب سکول میں پڑھتا تھا تو جو جو مضامین مَیں پڑھتا تھا ان میں سے ایک جغرافیہ کا مضمون بھی تھا۔ اس مضمون میں، اس کی ایک اور شاخ، علم الارض، یعنی زمین کے متعلق باب بھی شامل تھا۔

اور مجھے تو (آج بھی) اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے 20 سال قبل جب میں نے قرآنِ مجید کو سمجھ کے پڑھا تو قرآنِ مجید کا وہ حصہ جس نے مجھے اسلام قبول کر لینے پر قائل کیا، مجھے رغبت دلائی ۔۔ ایک ایسی بات جو میرے دل و دماغ میں گھر کر گئی ۔۔ وہ ۔۔ جو مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔وُہ ہے میرا قرآنِ مجید میں پہاڑوں سے متعلق ارشادات کو پڑھنا۔

سو، آیئے ہم قرآنِ مجید کی اُن آیات کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتے ہیں جو پہاڑوں سے متعلق ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کی سورۃ نمبر 78 (سورۃ النبا) کی آیاتِ کریمہ نمبر 6۔7 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ﴿۷﴾

''کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا''

(اس آیت میں پہاڑوں کیلئے) جو لفظ یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ ہے اَوۡتَاد ۔۔ اَوۡتَاد کا مطلب ہے کھونٹی، یا میخ جیسا کہ کسی خیمے کے لیے لکڑی کی میخیں، کھونٹیاں وغیرہ ہوتی ہیں۔

یوں سمجھیے کہ جیسے کسی خیمے کی میخیں یعنی کھونٹیاں زمین میں گاڑی جاتی ہیں۔ ان (کھونٹیوں) کے ساتھ ایک رسی ہوتی ہے جو خیمے کو سہارا دیتی ہے۔ کیونکہ اس کھونٹی کا تھوڑا سا حصہ زمین کے اوپر ہوتا ہے اوراس کا زیادہ تر حصہ زمین کے اندر دھنسا ہوا ہوتا ہے۔

اسی طرح قرآنِ مجید کی سورہ نمبر 31 (سورۃ لقمان) کی آیت کریمہ نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقٰى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

اُسی نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے تا کہ تم کو ہلا نہ دے۔

''اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانوا ڈول نہ ہونے لگے۔

ذرا غور کیجئے کہ آج کے دور میں سائنسدان جدید سائنسی ٹیکنالوجی کی مدد سے سطح زمین سے کہیں نیچے تک صوتی لہروں کو پہنچانے کے اہل ہو گئے ہیں۔ پھر ان صوتی لہروں کی بازگشت کے ذریعے جس سطح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اس کی پیمائش کی جاتی ہے۔ یعنی اس (بازگشت) سے سطح زمین کی ساخت کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ کس قدر سخت ہے یا کس قدر نرم ہے۔

سائنسدانوں نے اس (جدید سائنسی) ٹیکنالوجی کی مدد سے اس دور میں جو کچھ دریافت کیا ہے قرآنِ مجید میں بعینہٖ یہی کچھ آج سے 1400 سال پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔

یہی ۔۔۔ کہ پہاڑوں کی جڑیں ہوتی ہیں، پہاڑ کسی خیمے کی کھونٹی کی طرح ہوتے ہیں۔

وہ نہ صرف زمین کی اوپر والی سطح پر ہوتے ہیں بلکہ پہاڑ تو زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں نیچے تک چلے جاتے ہیں ۔۔۔ اور ان کا کام کیا ہے؟

خیال یہی کیا جاتا ہے کہ وہ توازن برقرار رکھتے ہیں۔ وہ سطح زمین کو متوازن رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

ایسا وہ دو طرح سے کرتے ہیں۔

نمبر 1: چونکہ ساخت کے اعتبار سے زمین مختلف پرتوں سے بنی ہوئی ہے۔۔ (یعنی) زمین کی سطح مختلف پرتوں سے مل کر بنی ہوئی ہے۔اور یہ انہی پرتوں ہی کی ہل جل ہوتی ہے جو زلزلوں کا باعث بنتی ہے۔

جب زمین کی یہ پرتیں ایک دوسرے کی مخالف ''سمت'' میں، ہلتی جلتی ہیں تو ان کا تناؤ ہی زلزلوں کا باعث بنتا ہے۔اور بین البراعظمی تناؤ کے متعلق بھی سائنسدانوں کا یہی نظریہ ہے کہ وُہ انہی وجوہ کی بنا پر برپا ہوتا ہے۔

سائنسدانوں کا تو یہ یقین ہے کہ تمام تر براعظم بنیادی طور پر ایک ہی براعظم ہیں۔۔۔ یُوں پرتوں کی مختلف ہئیتوں کی بنا پر زمین ہلتی (جلتی) ہے لیکن قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ پہاڑ اس کو متوازن رکھنے کا کام کرتے ہیں۔ یہ سطح زمین کو متوازن رکھتے ہیں۔ اور یہ وُہ بات ہے جسے دورِ جدید کے ماہرینِ ارضیات نے (سائنسی) تحقیق سے ثابت کیا ہے۔

ایک اور طرح سے بھی پہاڑ زمین کو متوازن رکھنے کا کام کرتے ہیں۔اور وہ ہے زمین کے گھومنے کے عمل کے دوران (اس کو متوازن رکھنے کا کام)۔۔۔!!!

ہوسکتا ہے کہ آپ کبھی کسی چیز کو کوشش کر کے گھمائیں اور ہوسکتا ہے کہ آپ کو پتہ چلے کہ یہ چیز تو مکمل گول نہیں ہے۔(تصور کریں کہ) پہلے وہ چیز گھومنا شروع کرے اور پھر اپنی ہی ہیئت کی بنا پر غیر متوازی ہو کر لڑکھڑانا شروع کر دے۔

سو، اس لحاظ سے بھی ممکن ہے کہ پہاڑ ایک ایسا متوازن کردار ادا کرتے ہوں جو زمین کی گردش کو صحیح سیدھ پر رکھتا ہے۔

میں خود بھی یقیناً اس بات پر زور دیتا ہوں کہ یہ (سب) ہیں تو مفروضے ہی۔۔لیکن (ہمارے لئے) دلچسپی کا باعث تو یہ بات ہے کہ اس سلسلے میں آج سے 1400 سال پہلے قرآن مجید کیا ارشاد فرماتا ہے۔

ایک لحاظ سے یہ (قرآن مجید) اُن نظریات اور اُن علوم کی پیشین گوئی کر رہا ہے جنہیں حال ہی میں دورِ جدید کی سائنس نے دریافت کیا ہے۔

واقعتاً یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پہاڑوں کی جڑیں ہوتی ہیں۔جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ پہاڑ کھونٹیوں کی طرح ہیں۔اَوْتَاد۔۔کی طرح۔۔کسی خیمے کی کھونٹی کی طرح۔۔!!!

سو، یہ ایک باکمال سائنسی حقیقت ہے جو کہ تسلیم شدہ ہے اور یہ وہ بات ہے جو آج سے بیس 20 سال پہلے ہی جب میں نے قرآنِ مجید کو پڑھا تھا۔۔۔تب سے میرے دل و دماغ میں گھر کر چکی ہے۔

جی ہاں۔۔تو یہ ہیں قرآنِ مجید کے شاندار اور باکمال ارشادات!!

اسی طرح قرآنِ مجید جانوروں اور نباتات کی زندگی کا ذکر بھی کرتا ہے۔

مثال کے طور پر قرآنِ مجید کی سولہویں سورۃ کو سورۃ النحل کہا جاتا ہے۔جس کا مطلب ہے شہد کی مکھی والی سورۃ، اس سورۃ میں قرآنِ مجید کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں شہد کی مکھی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور یہ بات انتہائی دلچسپ ہے کہ قرآنِ مجید میں اِس مکھی کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو اِدھر اُدھر اڑتی ہے، شہد اکٹھا کرتی ہے۔وُہ لفظ مؤنث کے لیے استعمال کیا

گیا ہے۔یعنی جو جنس استعمال کی گئی ہے وہ مؤنث ہے!

اگرچہ حالیہ دور تک یہی یقین کیا جاتا تھا کہ یہ شہد کی مکھیاں (Soldiers Bee) (سب) سپاہی ہوتی ہیں اور انہیں ''نر'' سمجھا جاتا تھا۔(اور۔۔یہی سمجھا جاتا تھا کہ) چھتے کا حکمران ایک (نر) بادشاہ ہوتا ہے۔لیکن حقیقت تو یہ ہے جو ہم جان پائے ہیں کہ یہ مکھیاں تو مادہ ہوتی ہیں اور ان کی سربراہ (بھی ایک مادہ) ملکہ ہوتی ہے جسے ہم شہد کی مکھیوں کی "Queen Bee" ملکہ۔۔۔شہزادی کہتے ہیں!!!

قرآنِ مجید کی پندرھویں سورۃ،سورۃ الحجر،آیتِ کریمہ نمبر 22 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

''ہم''۔۔۔یہاں ہم کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ۔خالقِ ارض وسما یہاں (جو صیغہ استعمال کیا گیا ہے) ہم۔اس سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت و بزرگی ہے۔

اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ خدا ہیں۔

بے شک یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو اسی مختارِ کل ہستی ہی کو زیبا ہے۔

عزت وتکریم کے حوالے سے۔۔یعنی ہم قادرِ مطلق ہیں۔۔۔!!!

۔۔۔کہ ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادل برساتی ہیں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نباتاتی زندگی کی تخم ریزی کا سبب بنتی ہیں۔اور یہ وہ حقائق ہیں جنہیں محض حال ہی میں دریافت کیا گیا ہے۔اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یونانی فلاسفر ''ڈیاکریٹس'' جو کہ 460ق م سے لیکر 361ق م (قبل مسیح) تک رہا۔اس نے ایک نظریہ ایجاد کیا کہ مادہ اُن چھوٹے چھوٹے ناقابلِ تقسیم اجزاء سے مل کر بنا ہوتا ہے جنہیں "Atoms" کہا جاتا ہے۔اور اس کا خیال یہ تھا کہ یہی وہ بنیادی عنصر ہے جس سے تمام تر چیزیں بنتی ہیں۔یعنی ایٹم سے چھوٹی

کوئی اور چیز ہوتی ہی نہیں ہے۔

جب کہ جدید سائنس نے تو یہ دریافت کیا ہے کہ درحقیقت ایٹم کو تو مزید تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ ایٹم نہ صرف خود تقسیم ہوتا ہے بلکہ یہ تو دیگر کئی چھوٹے چھوٹے ذرات سے مل کر بنتا ہے۔

(غور کیجئے کہ) آج سے 1400 سال قبل، قرآن مجید کی سورۃ نمبر 34 (سورۃ سبا) کی آیتِ کریمہ نمبر 3 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

... لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ...

اس کے علم سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں ہے، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ۔۔اور نہ کوئی چیز (اس کے احاطہ علم سے باہر ہے) جو اس ذرہ سے بھی چھوٹی ہو۔۔۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ ایک ذرّے (ایٹم) سے بھی چھوٹی کوئی نہ کوئی چیز ہے تو سہی!

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے کہ وہ اس سے بھی باخبر ہے!

وُہ (عالم الغیب ہستی۔۔۔) ہر چیز سے باخبر ہے!

یہاں میں ایک اور بات کا بھی ذکر کرتا چلوں!!!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآنِ مجید میں بنی نوع انسان کے متعلق بھی حیران کن باتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ ان میں سے ایک ارشادِ ربانی وہ ہے جو ہمارے اعصاب (یا اعصابی نظام) سے متعلق ہے۔

قرآن مجید کی ایک عبارت ایسی ہے جو انتہائی خوفزدہ کر دینے والی ہے، انتہائی حد تک

ڈرا دینے والی ہے۔ اور قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 75 (سورۃ القیامۃ) کی آیاتِ مبارکہ نمبر 4,3 میں اس کیفیت کی منظر کشی کی گئی ہے۔

اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ ۝۴

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔۔

(اور یہ جمع کرنا تو ہمیں کچھ دشوار ہے ہی نہیں۔۔ کیونکہ)۔۔ ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پور پور تک درست کر دیں!

اللہ کریم ہمیں آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ ہمیں اس خوفناک ڈرا دینے والے دن کو، یعنی قیامت کے دن، روزِ جزا کو دوبارہ تخلیق کر سکتا ہے۔

(کیونکہ) وہ آپ کو (ہم سب کو) دوبارہ تخلیق کر دینے پر قادر ہے۔!!!

خواہ آپ (یا ہم سب) خاک (میں مل کر خاک کیوں نہ) ہو جائیں!

وُہ (قادرِ مطلق) آپ کی (ہم سب کی) ہڈیوں کو اکٹھا کر سکتا ہے اور وہ آپ کی (ہم سب کی) انگلیوں کے پور پور کو (نئے سرے سے) جوڑ سکتا ہے۔۔

(یہاں توجہ طلب بات یہ ہے کہ آخر۔۔۔) آپ کی (ہم سب کی)۔۔۔ انگلیوں کے پوروں کا ہی ذکر کیونکر کیا گیا ہے؟؟

یقیناً آپ نے "Finger Prints" انگلیوں کے پوروں کے عکس کے متعلق کچھ نہ کچھ تو سُن رکھا ہو گا۔۔۔

کیا آپ نے ایسا کچھ نہیں سُنا۔۔۔؟؟؟

ہر انسان کی انگلیوں کے پور (ایک دوسرے سے) منفرد اور الگ تھلگ ہوتے ہیں۔

(سوچیئے۔۔۔!!!) اللہ کریم نے انگلی کے پوروں کا ہی ذکر کیوں فرمایا۔۔۔؟

انگلی کے ایک ایک پور کا ہی ذکر کیوں فرمایا۔؟

یہی تو وہ چیز ہے جو انسان کے لیے انفرادیت کی حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں خبردار کررہا ہے کہ آگاہ رہو، میں تمہاری انگلیوں کے پور پور دوبارہ تخلیق کرنے پر قادر ہوں۔ یہ سب کچھ میرے اختیار میں ہے! حتی کہ میں تو تمہیں، تمہاری شخصیت کی سب سے منفرد اور الگ تھلگ خوبی، انگلیوں کے پوروں (Finger Prints) کی بنا پر بھی دوبارہ تخلیق کرسکتا ہوں۔

یادرکھو، خبردار رہو کہ میں تمہیں قیامت والے دن دوبارہ زندہ کروں گا۔

اور پھر اس دن میں تم سے تمہارے اعمال کا حساب لوں گا۔ اور میں تم سے ہر ہر اس عمل کا حساب لوں گا جو تم نے کیا ہوگا۔

یہ علم کوئی معمولی اور عام علم نہیں ہے! آج سے 1400 سال پہلے کوئی بھی، انگلیوں کے پوروں کے عکس "Finger Prints" کے متعلق کیسے جان سکتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 4 (سورۃ النساء) کی آیت کریمہ نمبر 56 میں ہمیں خبردار فرماتا ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾

''بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اُنہیں ہم یقینا آگ میں ڈال دیں گے۔ جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں یقینا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ جلد کو جلائے گا، پھر نئی جلد بنائے گا، پھر اسے جلائے گا۔۔ (تاکہ منکرینِ خدا۔۔)

دوزخ کی آگ کی سزا ہے کہ بس بھگتتے ہی رہیں!

سوچئے!۔۔قرآنِ مجید میں ایسا کیونکر ارشاد کیا گیا؟

یہ وہ بات ہے جو محض حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے۔اور جسے (جدید سائنسی علوم اور تحقیقات کی مدد سے محض حالیہ جدید دور میں) دریافت کیا گیا ہے۔

جب انسان کی جلد جل جاتی ہے تو اسے قطعاً کوئی درد محسوس ہوتا ہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بھی آدمی بُری طرح جل جاتا ہے تو ڈاکٹر صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا وہ شخص تکلیف محسوس کرتا ہے کہ نہیں۔۔۔وُہ اس کی جلد میں سوئیاں چبھوتا ہے۔اگر وہ شخص تکلیف محسوس کرے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے اعصاب کا مدافعاتی نظام فعال ہے، درست ہے!اور اگر وہ کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جلد اتنی بُری طرح جُھلس چکی ہے۔۔کہ اب اسے درد محسوس ہی نہیں ہوتا۔

سو، اگر اللہ تعالیٰ نے منکرین کو دوزخ کی آگ میں ڈال دیا۔۔اور آتشِ دوزخ سے ان کی جلد (ایک مرتبہ) جل گئی، تو اس کے بعد تو انہیں تکلیف ہی نہیں ہوگی۔سو اللہ تعالیٰ (بار بار۔۔)ان کی جلد دوبارہ تخلیق کرے گا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کا مزا چکھتے ہی رہیں۔

یہ بات۔۔۔اُس ذات کی طرف سے جو ہم سب کی خالق و مالک ہے۔۔۔ ایک انتہائی خوفناک انتباہ ہے!

کیونکہ وُہ ہستی آپ کو۔۔۔آپ سے کہیں زیادہ بہتر طور پر جانتی ہے!

اور یہ وہ ہستی ہے جو اپنے وسیع علم سے آپ کو اپنی کتابِ مقدس میں۔۔۔اپنی شان، اپنی قدرت سے متعلق خبردار کر رہی ہے کہ اگر آپ لوگ اس کی وحدہٗ لاشریک ذات پر

ایمان بالیقین نہیں لائینگے۔۔اس کے دینِ برحق کی پیروی اختیار نہیں کریں گے تو پھر دیکھو۔۔منتظر رہو کہ کون کون سی سزا و جزا تمہارے لئے۔۔یعنی ان لوگوں کے لیے جو دینِ حق کو جھٹلاتے ہیں! مختص کر دی گئی ہے!

میرے نہایت ہی معزز اور نہایت ہی پیارے سامعین (قارئین) میں اب اس مرحلے پر صرف ایک اور بات کا ذکر کرنا چاہوں گا۔زقوم کے درخت کا ذکر کرنا چاہوں گا! (وہ درخت۔۔۔) جو کہ گنہگاروں کی غذا ہوگا۔اور یہ کھولتے ہوئے تیل جیسا ہوگا جو ان کے پیٹوں میں ایسے کھولے گا جیسا کہ کھولتا ہوا، ابلتا ہوا پانی ہوتا ہے۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾

''چکھو اس کو'' اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔کیونکہ تو بڑا معزز و مکرم بنتا تھا۔۔!!!

(قرآن مجید کی سورۃ الدخان، سورۃ نمبر 44، آیت نمبر 49 کے مطابق۔مترجم)

دیکھئے یہ حال ہوگا ان متکبرین کا جو (اس دنیاوی زندگی میں) بڑے معزز و مکرم بنا کرتے تھے۔

لیکن اُن کو کہا جا رہا ہے کہ چکھو اس زقوم کے درخت کو جو تمہارے پیٹوں کو جلا ڈالے گا۔

اور اس میں کہا گیا ہے کہ وُہ ایسا کھولتا ہوا پانی پیئیں گے جو اُن کی انتڑیوں کے اندرونی حصوں کو بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

یہ بھی ایک نہایت ہی قابلِ غور نکتہ ہے کہ

حرارت محسوس کرنے والے خلیے intestines آنتوں میں نہیں بلکہ Bowels

انتڑیوں کے انتہائی اندرونی حصوں میں ہوتے ہیں۔

اور حرارت محسوس کرنے والے یہ خلیے، یہ عضو انتہائی حساس ترین ہوتے ہیں۔

یہ جسم کا حساس ترین حصہ ہوتا ہے اور یہ (جسم کی) وہ جگہ ہے جہاں بہت زیادہ درد محسوس ہوتا ہے۔

یہ کوئی عام علم تو نہیں ہے جس کا ذکر (آج سے 1400) سال پہلے ہی کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تو وہ حقیقت ہے جس کا ذکر، ان تمام تر لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر (اور ظاہر ہے اس کے نازل کردہ دین پر) ایمان نہیں لاتے قرآنِ مجید میں انتہائی خوفناک اور ایک المناک انتباہ کی صورت میں کیا گیا ہے۔

(ایسے ہی کئی مسلمہ اور تصدیق شدہ حقائق اور ثبوت لئے ہوئے۔۔۔) ہماری دعوت تو آپ لوگوں کو اس کے رحم و کرم کی طرف، اس کی راہِ ہدایت، (دینِ اسلام) کی طرف اور اس کی بخشش کی طرف بلانا ہی تو ہے! کہ آپ ان مسلمہ حقائق اور ثبوتوں کو تسلیم کرتے ہوئے (ایمان بالیقین کے ساتھ، دل کی گہرائیوں سے) مان جائیں کہ

بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔

اس پروگرام کی آنے والی اقساط میں (یعنی اس کتاب کے آئندہ کے ابواب میں۔۔۔مترجم) اُن عجیب و غریب اور حیران کن پیشین گوئیوں کے لئے، جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائیں یا جن کا ذکر قرآنِ مجید میں کیا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ ساتھ رہیئے گا۔ تب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر سلامتی ہو، آپ پر اس کی رحمتوں کا نزول ہو، اور اس کی راہنمائی آپ کا مقدر ہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

باب نمبر 10

تاریخی حقائق

"Historical Facts"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(دلائل و براہین سے مزین) ان شہادتوں اور ثبوتوں کو لئے ہوئے (جن سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے) کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس پروگرام کی سلسلہ وار اقساط میں (یعنی اس کتاب کے سلسلہ وار ابواب میں۔مترجم) ہم آپ کے سامنے ایسے ثبوت پیش کرتے چلے آرہے ہیں جن کی مدد سے اور جن کو پرکھنے کے بعد کوئی بھی ذی شعور انسان جو حق و باطل میں تمیز کرنے والا ہو۔آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ اسلام درحقیقت، خالقِ ارض وسما اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے نازل کردہ وہ دین ہے جو کہ تمام تر بنی نوع انسان کی بھلائی، اس کی بہتری اور اس کی بخشش کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

آج ہم کچھ ان عجیب و غریب اور حیران کن تاریخی حقائق کا ذکر کریں گے جو ہم قرآنِ مجید میں پاسکتے ہیں!!

یہاں، اس مرحلے پر، یہ بات البتہ یاد رکھنی چاہیے کہ قرآنِ مجید تو ایک ایسی کتاب ہے جو 1400 سال پرانی ہے۔مسلمانوں کا یہ ایمان بالیقین ہے کہ یہ خالقِ ارض وسما اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔اللہ خدا کے لیے عربی زبان کا لفظ ہے۔

اللہ تعالیٰ، وحدہ لاشریک ہے اُس کے احاطۂ علم میں سب کچھ ہے۔اور وُہ دانا

ومعزز ومکرم ہے۔سو اس اعتبار سے، ہم مسلمانوں کے لیے قطعاً یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ قرآنِ مجید کو حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے!

اس کو دوام حاصل ہونا چاہیے کیونکہ یہ (قرآنِ مجید) تو ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل کردہ ہے جو علیم وخبیر ہے، جو دانا ہے، (جو ہستی) حکمت والی ہے سو، یقینی طور پر سچ یہ نہیں ہے کہ یہ صرف ہمارے لیے ہی ہے۔۔۔ ہمارا اس کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ یہ حق سچ ہے اور یہ ایک (ایسی کتاب ہے جو) ہر دور میں قابلِ عمل ہے۔

لیکن حقیقت میں تو، ان لوگوں کے لیے، جن کا آج بھی یہ یقین ہے کہ کوئی خدا سرے سے ہے ہی نہیں یا ان لوگوں کا یقین ہے کہ انسانوں کی راہنمائی کے لیے خدا نے کوئی وحی وغیرہ بھیجی ہی نہیں ہے ایسے لوگوں کے لیے تو قرآن ایک کُھلا چیلنج ہے!

یہ خود ہی ایک بہت بڑی گواہی ہے، واضح علامت ہے، واضح ثبوت ہے، شہادت ہے جس کے ذریعے سے اور جس کی مدد سے ہر مسلمان کا عقیدہ اور زیادہ پختہ ہوتا ہے۔

اس کے ایمان بالیقین میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کو ہونے کا دعویٰ ہے۔یعنی یہ خدائے بزرگ و برتر، جو کہ دانا ہے حکمت والا ہے، اسی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

سو، اسی حوالے سے آیئے اب قرآن مجید میں بیان کئے گئے کچھ تاریخی حقائق کا ذکر کرتے ہیں!!!

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے

چلیئے سب سے پہلے اُنہی کا ذکر کرتے ہیں۔ان کا ذکر بائبل میں بھی کیا گیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ سب کو حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کا کچھ نہ کچھ علم ضرور ہوگا۔

کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بندوں کی طرف (اپنا پیغام دے کر) بھیجا!

اور۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کس طرح ان کا انکار کیا۔

اور پھر اس انکار کی بنا پر کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سیلاب کی وجہ سے تہس نہس کر دیا۔

اسی سیلاب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔

اب ذرا غور کیجئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے متعلق کچھ باتوں کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی کیا گیا ہے۔

اس حوالے سے قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 11، سورۃ ھود کی آیت کریمہ نمبر 44 میں ایک نہایت ہی اہم اور قابلِ ذکر بات بیان کی گئی ہے۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔۔۔ مترجم)

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کشتی جو حضرت نوح علیہ السلام نے بنائی تھی وُہ کشتی کوہِ جودی پر آ کر ٹھہری۔

''وَاسۡتَوَتۡ عَلَى الۡجُوۡدِيِّ'' یعنی جودی کے پہاڑ پر آ کر ٹھہری اب غور کیجئے کہ قرآنِ مجید اس پہاڑ کے ایک مخصوص نام کا ذکر کر رہا ہے۔ اس پہاڑ کا ذکر۔ جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آ کر رکی تھی۔

یہاں ایک نہایت ہی دلچسپ اور معنی خیز نکتہ ہے۔۔!!

حالیہ دور میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے کوہِ جودی کے اردگرد کچھ تحقیقات کیں ہیں!

کوہِ جودی موجودہ (اسلامی) ملک ترکی میں ہے۔ اس پہاڑ پر بالکل کشتی سے ملتا جلتا ایک نمونہ ہے۔ بالکل ایسے ہی۔ جیسا کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی کشتی ہو!!

بائبل کا دعوٰی یہ ہے کہ وہ کشتی ''ماؤنٹ ایرراست'' پر آ کر رکی تھی جو کہ حقیقت میں کوہِ جودی سے 25 میل کے فاصلے پر ہے۔

اس سلسلے میں بائبل کے حوالہ جات کے حوالے سے کئی پیچیدگیاں ہیں۔ مثلاً

سب سے پہلی پیچیدگی تو یہی ہے کہ ''ماؤنٹ ایرا'' بذاتِ خود سطح زمین کی حالیہ تبدیلیوں کی وجہ سے معرضِ وجود میں آیا ہے۔

اگر ہم اس وقت کا تجزیہ کریں جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی (پہاڑ پر) پہنچنے والی تھی تو اس وقت تو ''ماؤنٹ ایرا'' کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔

یہ تو حالیہ دنوں کی زمینی تبدیلیوں سے وجود میں آیا ہے! ایک مشکل ایک پیچیدگی تو یہ ہے!

اسی طرح بائبل میں سیلاب سے متعلق جس وقت اور جس تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔

اور اسی طرح بائبل کا یہ دعوٰی کہ یہ سیلاب تو ایک آفاقی سیلاب تھا۔ یہ سیلاب تو پوری دنیا میں ایک جیسا سیلاب تھا۔۔۔ یہ ہیں وہ پیچیدگیاں جو آج کے دورِ جدید کی سائنسی دریافت

کی حقیقتوں پر کیا۔۔۔متروک نظریات پر بھی پوری نہیں اترتیں!!!

یقیناً، سائنسی اصطلاح میں تو صرف یہی نظریہ کہ چالیس روز تک زمین پر دن رات مسلسل بارش ہوتی رہی سائنسی اعتبار سے قابل قبول ہے ہی نہیں۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی اس کی وضاحت یوں کر دے کہ یہ تو خدا کا معجزہ تھا! یہ تو ایک بالکل غیر معمولی بات تھی۔ یقینی طور پر ہم اس پر بحث نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن ہم تو یہاں بات یہ کر رہے ہیں کہ کیا مسلسل چالیس دنوں اور چالیس راتوں تک بارش کا ہونا ممکن ہے کہ نہیں!

ہر اس شخص کے لیے جو جانتا ہے کہ آبی بخارات کیسے بنتے ہیں اور پھر یہ بارش کیسے برساتے ہیں! (یہ سوال دراصل ایک لمحۂ فکریہ ہے۔مترجم)

سورج زمین کی سطح کو گرم کرتا ہے، سمندر کو گرم کرتا ہے،۔ اور پھر سطح سمندر سے آبی بخارات بادلوں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اور یہی بادل پھر بارش کا سبب بنتے ہیں!

سوچیئے۔۔۔!!!

اگر پورے کرۂ ارض پر بارش کی وجہ سے بادل چھائے ہوئے ہوں تو پھر سورج سمندر کو کیسے گرم کرے گا تاکہ وہ اور بارش برسانے کا باعث بنے۔

یہاں یہ سب کچھ عرض کرنے سے دراصل میری مراد صرف اتنی سی ہے کہ سائنسی اعتبار سے یہ دعویٰ قابلِ قبول ہے ہی نہیں!!

اس سے ہٹ کر ایک اور بات کہ کرۂ ارض پر سرے سے اتنا پانی ہی نہیں ہے کہ جو سطح سمندر کو اتنا بلند کر دے۔۔ بائبل کے مطابق تو کرۂ ارض کی ہر ہر چوٹی پانی سے ڈھک گئی تھی۔۔ جیسا کہ ایورسٹ، یہ آج بھی بلند ترین چوٹی ہے اور یہ اس وقت بھی موجود تھی!!

۔۔۔تو پانی کی وہ مقدار جس سے سمندر کی سطح بلند ہوجاتی ۔۔۔حتیٰ کہ ایورسٹ کی چوٹی سے بھی بلند ہوجاتی۔ تو یہ مقدار تو پانی کی اس مقدار سے کہیں زیادہ ہے۔ جس مقدار میں پانی کرۂ ارض پر پایا جاتا ہے۔

اِن پیچیدگیوں کے باوجود ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کرتے کہ خداوندِ کریم اگر ایسا کرنا چاہے تو وہ بے شک ایسا کرنے پر قادر ہے۔

لیکن جو کچھ ہم عرض کرر ہے وہ فقط اتنی سی بات ہے کہ بائبل کے ان دعوؤں کی سائنسی اعتبار سے تصدیق کرنا نہایت ہی مشکل بات ہے!

تاہم قرآنِ مجید قطعاً ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور کا سیلاب کوئی آفاقی سیلاب تھا۔یعنی اس نے تو پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

قرآنِ مجید تو درحقیقت آپ پر یہ واضح کرتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے لوگوں پر عذابِ خداوندی کس طرح نازل ہوا!

یعنی وہ عذابِ الٰہی حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے لوگوں کا کیونکر مقدر بن گیا تھا۔

تاہم اس میں کسی ایسے سیلاب کا ذکر نہیں ہے جس نے پوری کائنات کو گھیر لیا ہو۔ علم طبقات الارض کے حوالوں میں (ایسے کسی سیلاب کی) کوئی شہادت سرے سے ہے ہی نہیں۔ تاہم ہمارے پاس کسی پورے ایک علاقے میں سیلاب آنے کی کئی شہادتیں ہیں۔ثبوت ہیں!

سو، یہ نہایت ہی دلچسپ بات ہے کہ قرآن مجید سب سے پہلے اس امر کو بالکل صحیح صحیح بیان کرتا ہے کہ وہ کشتی جودی پہاڑ پر ہی آ کر رکی تھی۔اور۔۔ایسا ممکن لگتا ہے۔۔کیونکہ یہ بہت حد تک ممکنات میں سے ہے کہ۔۔اور اس کے متعلق کئی ایک تجزیاتی سروے کئے

جا چکے ہیں کہ وہ کشتی (جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے) کوئی بہت ہی بڑی کشتی تھی۔!

اور یہ کشتی کہاں پائی گئی۔۔جودی کے پہاڑ پر جیسا کہ قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے!

لوگوں نے سالہا سال تک اس (کشتی) کو **''ماونٹ ایرا''** پر بے سود تلاش کیا اور ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔

بائبل (سیلاب کے) اِس واقعے کی نشاندہی پوری دنیا کو گھیرنے والے واقعے کے طور پر کرتی ہے جب کہ قرآنِ مجید اس کو ایک ''عام'' (یعنی) ایک علاقے کی حد تک واقعے سے تعبیر کرتا ہے۔

یہاں ایک مرتبہ پھر جو عُقدہ ہم پر وا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ قرآنِ مجید کی تعلیمات تو علم طبقات الارض اور سائنسی (مروجہ اور مسلمہ) اصولوں سے (بالکل) مطابقت رکھتی ہیں! سو، یہ واقعہ، قرآنِ مجید (کی تعلیمات) کی روشنی میں مکمل طور پر قابلِ قبول ہے، قابلِ یقین ہے اور قرآن کی روشنی میں اس کی تحقیق وتصدیق بھی کی جا سکتی ہے۔

آیئے اب کچھ مزید حیران کن تاریخی حقائق کا جائزہ لینے کے لیے سرزمینِ مصر کا رخ کرتے ہیں!

قرآنِ مجید ''جوزف'' کے قصے کا ذکر کرتا ہے، نوح کا اور بنی اسرائیل کا ذکر کرتا ہے۔

دراصل مسلمانوں کا یہ ایمان بالیقین ہے کہ ''جوزف'' یا حضرت یوسف علیہ السلام ۔۔۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں ان کو پکارا گیا ہے۔۔۔وُہ اللہ کی پیغمبر تھے۔

مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی خدا کے پیغمبر تھے!

ان دونوں انبیاء کے قصے بھی قرآنِ مجید میں ہمارے لئے بیان کئے گئے ہیں!

اور درحقیقت قرآنِ مجید (میں ان قصوں کے بیان کرنے) کا سب سے بڑا مقصد ہی یہی ہے کہ ان سے ہم کوئی نہ کوئی اخلاقی درس سیکھیں۔

اِن (کے مطالعے) سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمیں زندگی کس طرح گذارنی چاہیئے۔۔۔! اور یہ کہ ہمیں اپنے روزمرہ کے معمولات میں کس قسم کے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے!

لیکن اس کے باوجود، قرآنِ مجید جب تاریخی واقعات کا ذکر کرتا ہے تو جو چیز بار بار ہم پر عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ بالکل حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔

ان واقعات میں اُس حد تک ایک حقیقت پائی جاتی ہے کہ جب کوئی بھی شخص ان کے متعلق سوچ بچار کرتا ہے تو یہ کوشش اس کے لیے سودمند ثابت ہوتی ہے۔!۔

(یعنی اسے ہدایت نصیب ہوتی ہے) اور (یہ بات تو فی نفسہٖ) تمام تر بنی نوع انسان کی ذہانت کے لیے ایک کُھلا چیلنج ہے کہ

قرآنِ مجید میں یہ معلومات کس طرح اتنے شاندار اور درست ترین انداز میں بیان کر دی گئی ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسی معلومات کہاں سے اکٹھی کرتے پھر رہے تھے۔ ایک ایسی ہستی جو خود اُمّی تھی۔ جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی وہ ہستی (جو خود) کبھی کسی یونیورسٹی میں نہیں گئی۔

ان لوگوں کے پاس تو قدیم مصر کے متعلق کوئی علم ہی نہ تھا یعنی۔۔ جو اس وقت کے مروجہ علوم میں باقاعدہ ایک شعبۂ علم کے طور پر پایا جاتا ہو۔

(اس دور میں۔۔۔) قدیم تہذیبوں کے متعلق علم تو بالکل ناپید ہو چکا تھا۔

یہ تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نبوت سے ہی کئی سو سال پہلے ناپید ہو چکا تھا۔

سو، اس اعتبار سے یہ سوچیئے کہ جب قرآنِ مجید حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرتا ہے،۔۔ جہاں حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت کے مصری لوگوں کے ''لیڈر'' رہنما کو بادشاہ کہہ کر پکارتے ہیں۔

(یہاں یہ بات) یاد رکھیئے کہ فرعون یا "Pharoah" کی اصطلاح حضرت یوسف اور مصر کے بادشاہ کے حوالے سے بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور (ان کے دور کے) مصر کے حکمران کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔

اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں (جو) مصر کے حکمران کو فرعون کہتے ہیں۔

لیکن حضرت یوسف علیہ السلام اس بادشاہ کو جس کے ساتھ انہیں واسطہ پڑتا ہے، اور جو اُن کے لیے ایک مشیر اور ایک رہنما کے طور پر کام کرتا ہے ۔۔ وُہ (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام) اسے فرعون نہیں بلکہ اُسے بادشاہ کہتے ہیں۔

ہم ۔۔۔ابھی ۔۔۔آگے چل کر اس پر ۔۔۔مزید بات کرتے ہیں کیونکہ یہ ایک نہایت ہی بے مثال اور صحیح ترین حجت ہے!

اب اگر ہم تاریخ کے اُس دور کا تعین کریں جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں تھے، تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ، سلاطینِ مصر اس وقت کے مصر کا حکمران طبقہ دراصل وہ طبقہ تھا جسے مطلق العنان کہا جاتا تھا۔

سلاطینِ مصر کا مطلق العنان یہ طبقہ دراصل ایک ایسا طبقہ تھا جو مصری روایات کی عام مروجہ اصطلاحیں اپنے لئے استعمال ہی نہیں کرتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اس طبقے کے لوگ

اپنے آپ کو نہ تو فرعون کہلواتے تھے اور نہ اپنے متعلق ایسا سوچتے تھے۔

تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں یہ مطلق العنان طبقہ تبدیل ہو چکا تھا اور اِس کی جگہ ایک مقامی مصری حکمران ٹولے نے لے لی تھی۔۔ وہ مقامی مصری لوگ اپنے حکمران کو فرعون کہتے تھے۔۔فرعون۔۔جیسا کہ قرآنِ مجید میں اس کا اِسی نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

دیکھیئے، یہ ایک حیران کن، عجیب وغریب اور درست ترین بیان ہے۔۔ یہ اس لئے بھی حیران کن ہے کہ آپ ایسی کوئی تفریق بائبل میں نہیں پا سکتے!

کسی بھی تاریخی دستاویز کو لکھنے کی صورت میں!

یا کچھ واقعات کو یاداشت کی صورت میں لکھنے میں ۔۔۔ یا، اپنے آباؤ واجداد کے رہن سہن، یا ان کے عادات وخصائل کے متعلق آپ کے لکھنے کی صورت میں ۔۔ وُہ آباؤ واجداد جو ہزاروں سال پہلے کبھی آباد تھے۔۔۔تو یقیناً ایسے سب معاملات میں تو یہ ممکن ہے کہ ایسے معاملات ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو جائیں۔

۔۔۔مثال کے طور پر فرعون اور بادشاہ (کی اصطلاح کی معمولی سی تفریق آپس) میں گڈ مڈ ہو سکتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ یہ تو کسی بھی غلطی سے پاک اور منزہ ہونا چاہیے!

اور یہی وہ بات ہے جو قرآن مجید میں ہمیں ملتی ہے!

اور یہ اتنا نفیس معاملہ ہر اس دعوے کی بھی نفی کرتا ہے کہ قرآنِ مجید بائبل سے نقل کیا گیا ہے۔ (معاذ اللہ۔۔۔مترجم)

اگر قرآن مجید کو بائبل سے نقل کیا گیا ہوتا اور اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاعات

اور معلومات بائبل ہی سے اکٹھی کی ہوتیں تو پھر انہوں نے اس غلطی کو نقل کیوں نہیں کیا۔

(کبھی سوچئے گا کہ) حضرت یوسف مصر کے حکمران کو فرعون کہہ کر کیوں نہیں پکارتے، وہ اسے فقط ''بادشاہ'' کہہ کر کیوں پکارتے ہیں؟

یہ بات تاریخی اعتبار سے تو بالکل صحیح ہے مگر یہ بائبل کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔

سو، یہ نکتہ دو (اہم ترین) امور کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

نمبرا: یہاں سے ایک تو یہ سوال ابھرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی صاف، شفاف اور حقیقت پر مبنی خبر بالآخر حاصل کہاں سے کی۔۔؟

نمبر ۲: اور اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے یہ بائبل سے نقل کی ہوگی کیونکہ (ایسی صورت میں تو) وہ پھر بائبل کی اغلاط کو بھی نقل کرتے!

۔۔۔آیئے ایک اور حیران کُن تاریخی حقیقت کی جستجو کے لیے اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں چلتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان قابلِ ذکر اختلاف میں، مقابلے میں جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس آتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کچھ نشانیاں اور معجزات دکھاتے ہیں،۔۔جیسا کہ وہ عصا، جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب زمین پر پھینکتے تھے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا۔۔۔اسی طرح جب وُہ اپنا ہاتھ باہر نکالتے تھے تو وہ مرقعِ نور بن جاتا تھا۔

۔۔۔سو، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان بحث ومباحثے، گفتگو۔۔۔ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ، مناظرے میں، (ایک وقت ایسا آتا ہے کہ) فرعون ایک بات جو انتہائی تکبر ونخوت کے ساتھ کہتا ہے۔۔۔وہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے:

فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰہِ مُوْسٰی (سورۃ القصص، سورۃ نمبر 28، آیت نمبر 38۔ مترجم)

او۔۔۔ ہامان، مجھے ایک اونچا سا مینار تو بنا دو تا کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں!''

آیئے اس بات کا ذرا غور و فکر کے ساتھ تجزیہ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات تو انتہائی دلچسپی کا باعث ہے!

فرعون کہتا ہے، او۔۔۔ ہامان!!!

گویا وہ کسی مخصوص، منفرد ہستی، ہامان سے بات کر رہا ہے! اور (پھر) وہ اس ہامان سے کہتا ہے کہ

''میری خواہش ہے تم میرے لئے ایک اونچا سا مینار بناؤ''

اب اس کی اِس خواہش کے پیچھے وجہ کیا ہے؟ کیونکہ وُہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس طرح وہ موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکے گا۔

اس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ آسمانوں سے کہیں پرے، خدا بہت اُونچائی پر ہے!! اور اپنے اسی متکبرانہ انداز میں اس نے ایسا سوچا!!

اور اگر جدید علوم کی روشنی میں اسے پرکھیں تو یہ دعویٰ کس قدر متکبرانہ ہے کہ وہ ایک اتنا اونچا اور ایسا مینار بنوا سکتا تھا۔۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھ سکتا تھا۔!!!

غور کیجئے گا۔۔۔

تاریخ کو مسخ کر دینے والے کچھ عیسائیوں نے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ لفظ ہامان، یا ہامان کی اصطلاح ایک ایسا نام ہے جو (بائبل کی رُو سے غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے 1200 سال بعد۔۔۔) کسی مصری حکمران یا پھر کسی مصری درباری کو دیا گیا تھا۔

سو، ایسے لوگوں کا کہنا ہے کہ دیکھئے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے تو بائبل کو ہو بہو نقل کیا ہے،۔۔۔

بس اس نے ۔۔۔ (معاذ اللہ) بائبل سے کچھ نام لیئے اور پھر انہیں موسیٰ کے دور کیلئے استعمال کر دیا۔

یاد رکھیئے گا۔۔۔!

یہاں میں ایک نہایت ہی اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔

اور وہ اہم نکتہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں عربی زبان میں بائبل پائی ہی نہیں جاتی تھی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اُمّی تھے، وہ تو لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہ تھے، ۔۔۔ (سوال یہ ہے کہ) وُہ ایسا علم کہاں سے حاصل کر رہے تھے، وہ کون سا عیسائی، راہب یا مبلغ تھا جو انہیں یہ تمام تر معلومات اور خبریں دے رہا تھا۔؟

حقیقتِ حق کو جانتے ہوئے اِس نکتے کا کوئی تسلی بخش جواب دینا انتہائی مشکل کام ہے!

اور یقینی طور پر نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے متعلق معلومات کا جو ذخیرہ ہمارے پاس محفوظ ہے اس میں کہیں بھی ہمیں ایسا کوئی فرد نہیں ملتا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی تعلیمات دیتا رہا ہو۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود ان معلومات کو کیسے، کس طرح اور کہاں سے حاصل کیا۔۔۔!

(سو، ہمارے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر یہ وُہ الزامات ہیں جو۔مترجم)

غلط۔ ہیں سراسر غلط ہیں۔۔۔!!!

یہ وُہ مفروضے ہیں جو قطعاً قابلِ قبول ہیں ہی نہیں۔!

البتہ، حال ہی میں ہم لوگ کچھ اس اہل ہوئے ہیں کہ ہم نے واقعی ایک حیران کُن

حقیقت کو دریافت کیا ہے۔

جب نپولین بونا پارٹ نے مصر پر چڑھائی کی تو اس نے تحقیقات کے لیے کئی ایک علماء کو بھیجا۔!

اور پھر ان (علماء) میں سے ایک کے ہاتھ تو واقعتاً ایک نہایت ہی قابلِ ذکر شے لگ گئی۔

اسے ''روزیٹر سٹون'' پتھر کا بنا ہوا تخت کہا جاتا ہے۔ اس ''روزیٹر سٹون'' کی مدد سے، ہزاروں سالوں میں پہلی مرتبہ نقوشِ مقدسہ کی ناقابلِ فہم عبارات کو پڑھنے میں مدد ملی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تخت پر ایک مخصوص عبارت کندہ کی گئی ہے۔ یہ عبارت، نقوشِ مقدسہ کی صورت میں کافی طویل ہے۔ یہ جدید زبان میں اور یونانی زبان میں بھی ہے۔

سو، وہ ان عبارتوں کا موازنہ کرتے ہوئے ان نقوشِ مقدسہ کا ترجمہ کرنے اور اس ناقابلِ فہم (مشکل ترین) عبارت کو پڑھنے کے اہل ہوئے۔

دیکھئے، علماء تو یقینی طور پر نہ جانے کب سے ان نقوشِ مقدسہ پر تحقیقات کرتے چلے آرہے تھے اور ان کا ترجمہ کرتے چلے آرہے تھے۔

اور مجھے ذاتی طور پر یہ بات یاد ہے کہ جب کیمرج یونیورسٹی کے طالب علموں کا ایک گروہ جو کہ اُن عیسائی بنیاد پرستوں کے دعوے کو پرکھنے کی۔۔اس کی چھان بین کی کوشش کر رہا تھا۔ جن کا یہ دعویٰ تھا کہ قرآنِ مجید کو بائبل سے نقل کیا گیا ہے۔۔۔ اور (طالب علموں کے اُس گروہ کی) اس میں نیت ان عیسائیوں کے اُس دعوے کی تردید کرنا تھی۔

سو اس سلسلے میں انہوں نے نقوشِ مقدسہ سے متعلقہ اصطلاحوں والی ایک لغت "Dictionary" کا مطالعہ کیا۔ (تاکہ وُہ اس لُغت میں) کوشش کر کے کہیں سے

یہ ڈھونڈ سکیں کہ آیا قدیم مصر میں ''ہامان'' نام کا کوئی شخص تھا۔۔کہ نہیں۔۔!

انگریزی کی زبان میں تو معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں!

ایسے میں اُن کو (یعنی طالب علموں کے اس گروہ کو) ایک ایسی کتاب مل گئی جو جرمن زبان میں تھی۔ بالآخر اس کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے، انہیں وہ چیز مل گئی جس کی کہ انہیں تلاش تھی۔ ان کی یقین دہانی کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ (قدیم مصر کے دور میں) کسی شخص کے پاس ایک ایسا خاص عہدہ تھا۔۔اور وہ عہدہ ہی دراصل ''حمان'' تھا۔ دیکھئے جب ہم اس بات کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ حمان کون تھا؟ یہ عہدہ کیا تھا، وہ حمان کرتا کیا تھا۔۔؟

یہ ایک رتبہ تھا، ایک عہدہ تھا جو لازماً کسی مخصوص فردِ واحد کا نام نہیں تھا۔

بلکہ یہ تو قدیم مصر کے (اس وقت کے) معاشرے میں ایک عہدے۔ ایک مرتبے کا نام تھا۔

حمان، دراصل عمارتی پتھروں کی کانوں سے پتھر لے کر عمارتیں بنانے والے لوگوں کا سربراہ تھا، کیا حقیقت میں تو صرف یہی (ایک) بات ہی (منکرین حق کو۔۔۔) لاجواب کر دینے کو کافی نہیں ہے؟

(یہی۔۔۔) کہ فرعون کہتا ہے کہ اے پتھروں سے عمارتیں تعمیر کرنے والے لوگوں کے سردار، اے ان لوگوں کے سردار جو پتھروں سے تعمیراتی کام کرتے ہیں۔۔۔میرے لئے اتنا اونچا ایک مینار بنوا دو جس سے میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔

یہ حوالہ بائبل میں آپ کو ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملے گا! یہ آپ کو (ملے گا تو) صرف اور صرف قرآنِ مجید ہی میں ملے گا۔!

(سورۃ القصص، سورۃ نمبر 28، آیت نمبر 38)

(سورۃ المومن، سورۃ نمبر 40، آیت نمبر 37-36۔۔۔مترجم)

نقوشِ مقدسہ کو پڑھنے کا علم تو، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ یہ علم تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے سینکڑوں برس پہلے ناپید ہو چکا تھا۔

جب کہ قرآنِ مجید کی رو سے، فرعون (حمان کیلئے) صحیح ترین تاریخی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔اب آپ کو ان سوالات کے جوابات ڈھونڈنا پڑینگے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر کہاں سے ملی؟ ایسا با کمال علم (بالآخر) انہوں نے کہاں سے حاصل کیا؟

میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کا علم ہے!

کم سے کم اب تو یقینی طور پر آپ پر حقیقت کھل جانی چاہیئے۔۔!!! یقینی طور پر اب تو آپ کے دل ودماغ کو حق کو تسلیم کر لینے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے!!!

یقینی طور پر اب تو آپ پر یہ راز فاش ہو جانا چاہیئے جو ہوسکتا ہے ابھی تلک آپ پر فاش نہ ہوا ہو۔

بے شک (یہی کہ) قرآنِ مجید خالقِ ارض وسما اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔اور یہ تمام تر بنی نوع انسان کی بہتری اور بھلائی کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

اب اس کے بعد جس موضوع پر میں لب کشائی کرنا چاہتا ہوں۔ وُہ حقیقتاً ایک نہایت ہی دلنشین موضوع ہے۔البتہ اس موضوع پر (سیر حاصل) گفتگو کرنے کے لیے ہمیں اس پروگرام کی کچھ مزید اقساط درکار ہوں گی۔(یعنی اس کتاب میں کچھ مزید ابواب درکار ہونگے۔مترجم)

اور یہ موضوع ہے:

''اہلِ کتاب کی گواہیاں اور شہادتیں''!! اس موضوع میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق

بائبل میں دی گئی پیشین گوئیاں بھی شامل ہوں گی۔

اہلِ کتاب سے مراد کون لوگ ہیں۔۔۔؟

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر آسمانی کتابیں نازل کی گئیں۔۔جیسا کہ قرآنِ مجید میں انہیں ''اہلِ کتاب'' کہہ کر ہی پکارا گیا ہے۔اور ان سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔۔۔ اس سے بنیادی طور پر مراد ہی یہودی اور عیسائی ہیں، کیونکہ یہی تو اہلِ کتاب ہیں۔

کیوں۔۔بھلا وہ کیسے۔۔۔؟

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر سے کتابیں نازل کیں! یہودیوں کے پاس تورات ہے تو عیسائیوں کے پاس انجیل ہے یا اگر دونوں کو ملائیں تو جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پھر بائبل بنتی ہے۔

یہودیوں کے پاس یقینا کئی اور صحیفے بھی ہیں، جنہیں تالمود کہا جاتا ہے۔اور یہودیوں کے لیے یہ (تالمود۔۔۔) ان کی (مذہبی) دستاویزات کا ایک نہایت ہی اہم مجموعہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد مبارک کے تقریباً 345 سو سال بعد عیسائیوں کی ایک کونسل کا اجلاس ہوا جس میں کہ۔۔ نئے عہد نامے میں، جسے آج کے دور میں ''عہد نامہ جدید'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس **میں ''متی''، ''مرقس''، ''لوقا''، ''یوحنا''** چار ابواب کو مسلمہ اور باضابطہ طور پر عیسائیت کی تعلیمات یعنی بائبل میں شامل کر دیا گیا۔

یہاں، اصولی طور پر (ہم سب کو) یہ جاننا بہت ہی ضروری ہے کہ قرآن مجید بائبل سے متعلق کیا کہتا ہے۔

قرآن کی تعلیمات سے ہمیں یہی پتہ چلتا ہے کہ یہود ونصاری کے پاس اپنے اپنے

صحیفے ہیں۔

اور (یہود و نصاری) کے ان صحیفوں میں (آج بھی) کم سے کم اتنا (اور ایسا) مواد ان کے پاس موجود ہے جس کی مدد سے وہ حق کو جان پہچان سکتے ہیں۔

اس (حقیقت) کے باوجود کہ جو جو صحیفے آج ان کے پاس موجود ہیں وہ یا تو تبدیل کر دیئے گئے ہیں یا پھر ان میں تحریف کر دی گئی ہے۔ یعنی یا تو ان میں کچھ باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے یا کچھ حذف کر دی گئی ہیں۔۔۔ یا پھر کچھ چیزوں کو (آپس میں) گڈ مڈ کر دیا گیا ہے۔

سو، یہ ہے وہ بات جو قرآنِ مجید بائبل کے متعلق بیان کرتا ہے، مثال کے طور پر قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 2، سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 79 میں (ایسے لوگوں کے متعلق) ارشاد ہوتا ہے کہ

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

''بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''

اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور انہیں بھی اس کا علم ہے۔

سو، قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے کہ (اہلِ کتاب میں سے) کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری کتاب اللہ کی طرف سے ہے۔۔ ہماری بائبل تو اللہ ہی کی طرف سے (نازل کردہ) ہے۔ لیکن یہ تو وہ کتاب ہے جسے انہوں نے تبدیل کر دیا ہے۔ اور ایسا انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے کیا ہے۔ خیر۔۔!

خیر۔۔۔ میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ وہ ابھی تک بھی ایسا ہی کرتے چلے آ رہے

ہیں!

وُہ دعوٰی تو یہی کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔۔سو، بربادی ہے ایسے لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور بربادی ہے، ایسے لوگوں کے لیے جو محض تھوڑے سے مفاد کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔

لیکن ان۔۔ان تمام تر حقائق کے باوجود۔۔اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم بائبل سے کچھ معلومات حاصل کر ہی نہیں سکتے!

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم بائبل سے کچھ بھی اخذ نہیں کر سکتے۔

ہم مسلمانوں کا تو آج بھی یہی عقیدہ ہے کہ ان کی کتابوں میں ابھی بھی کم سے کم اتنا سچ موجود ہے جس کی مدد اور جس کی راہنمائی سے ایک ایماندار اور مخلص عیسائی یا کوئی بھی ایماندار اور مخلص یہودی اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کی حقیقت کو پا سکتا ہے کہ واقعتا خدا صرف ایک ہی ہے! اور ہم مسلمانوں کا تو یہ ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بھی یہی تھیں!

ہمارا عقیدہ ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے لوگوں سے کہا ہو کہ (میں خدا ہوں، لہٰذا) میری پرستش کرو۔!! (معاذ اللہ۔۔۔مترجم)

نہیں نہیں۔۔بلکہ انہوں نے تو لوگوں کو خالقِ ارض وسما۔۔"اللہ وحدہ لاشریک" ہی کی عبادت و بندگی کی طرف بلایا اور دعوت دی!!

جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو خالقِ ارض وسماء اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت و بندگی کی طرف بلایا۔!! اور انہوں نے لوگوں کو یہی تعلیم دی کہ وہ اسی کی

نازل کردہ ہدایت یعنی وحی کی اطاعت کریں۔۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اسی بندگی کو ہی تو اسلام کہتے ہیں!!

یعنی، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اور نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ خالقِ ارض وسما کی رضا کے سامنے اپنا سرتسلیم خم کر دینا۔۔(یہ ہے اسلام۔۔۔)

سو، اس اعتبار سے آئندہ کے بیانات میں ہم ماضی کے اُن یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر کریں گے جنہوں نے بذاتِ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو پہچانا، اسے تسلیم کیا اور پھر برملا اس کی شہادت دی کہ

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

(دلائل وبراہین سے مزین) مزید کئی شہادتوں کے لیے جو اس ثبوت کے لیے کافی ہوں گی کہ ''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے''۔۔۔آئندہ کے انتہائی دلچسپ، مدلل اور دلآویز بیانات کے لیے ہمارے ساتھ ساتھ رہیے گا۔!

تب تک کے لیے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اللہ کریم کی طرف سے آپ سب پر سلامتی ہو۔اور آپ پر اُس کی رحمتوں کا نزول ہو۔ اور اس کی طرف سے آپ کو راہ ہدایت نصیب ہو۔(آمین۔۔۔مترجم)

باب نمبر 11

اہلِ کتاب میں سے لوگوں کی گواہیاں

میں عبدالرحیم گرین ہوں۔

اور آپ ایک مرتبہ پھر ان شہادتوں کے لیے میرے ساتھ ہیں جو اس ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔

اور آج تو ہم حقیقتاً ایک انتہائی دلچسپ اور دل کو موہ لینے والے موضوع پر بات کریں گے۔

اور یہ موضوع اہلِ کتاب میں سے لوگوں کی گواہیوں اور شہادتوں سے متعلق ہے۔

اب اس بیان میں (ظاہر ہے) کچھ واقعات میں قدرے تفصیل سے بیان کروں گا، مجھے امید ہے کہ میں بائبل اور قرآن کے حوالہ جات سے ان واقعات کو آپ کے لیے دلچسپ اور فکر انگیز بنانے کی کوشش کروں گا۔

صرف اور صرف آپ پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اہلِ کتاب میں سے، یعنی یہودیوں اور عیسائیوں میں سے، ان کے رہنماؤں، مذہبی پیشواؤں (حتی کہ) اُن کے بادشاہوں تک نے کس طرح، اور بالآخر کیونکر یہ تسلیم کیا کہ ہاں بے شک، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہی خاتم المرسلین ہیں جیسا کہ ہونے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔!

سو، میں ایک ایسے نہایت ہی مشہور واقعے سے ابتداء کر رہا ہوں جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں روایت کیا ہے!

(آپ کو یاد ہو گا کہ) ہم نے اس پروگرام کی ابتدائی اقساط میں (یعنی اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں۔ مترجم) سے ایک قسط میں (ایک باب میں) (تو بالخصوص) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی صحیح صحت اور اُن کی اسناد کے متعلق بات کی تھی۔۔سو، یہ حدیثِ مبارکہ ایک انتہائی مستند مجموعۂ حدیث، جو کہ اسلامی تعلیمات میں قرآنِ مجید کے بعد، مستند ترین سمجھا جاتا ہے۔۔یعنی یہ حدیث مبارکہ۔۔صحیح البخاری سے لی گئی ہے۔اس حدیثِ مبارکہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، مدینہ میں رہتے ہوئے، اپنے دورِ نبوت کے ایک خاص وقت میں دنیا کے مختلف حکمرانوں اور معززین کو، بشمول شاہِ فارس خسرو پرویز کو (دعوتِ اسلام دیتے ہوئے) خطوط لکھے۔

مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روم کے ''پوپ'' کو خط لکھا۔نجاشی، شاہِ حبش کے نام خط لکھا، مصر کے حکمران، شاہِ مصر، مقوقس کو خط لکھا۔ ان (خطوط) میں سے ایک خط ''ہرکولیس'' قیصر تک بھی پہنچا۔! جو کہ اس وقت روم کا بادشاہ تھا۔

قیصرِ روم کو جب یہ خط ملا تو سب سے پہلے تو اس نے اپنے ترجمان کو بلایا۔پھر اس نے اُن تمام اہلِ عرب کو اکٹھا ہونے کو کہا جو (اتفاق سے) اس وقت اس کے دربار میں موجود تھے۔ان لوگوں میں سے ایک ابوسفیان بھی تھا۔ابوسفیان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا زاد بھائی تھا، مکہ کے سرداروں میں سے تھا، ۔اور وہ ایک اعتبار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی مخالفت کرنے والے اہل عرب کی جماعت ''حزب مخالف'' کا سردار بھی (یعنی Leader of the Opposition) تھا۔

وُہ کفارِ مکہ کا سرغنہ تھا اور اتفاق سے جب قیصرِ روم کو وہ خط ملا تو وہ یروشلم ہی میں تھا۔

سو، میں اس وقت یہ واقعہ آپ کے سامنے پیش کرنے لگا ہوں۔

قیصرِ روم نے اپنے ترجمان کو بلایا۔جس نے قیصرِ روم کے سوالات کا ترجمہ کرتے ہوئے ان لوگوں سے پوچھا کہ ''یہ جو شخص اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے، تم میں سے کون سا شخص ایسا ہے جو اس سے سب سے زیادہ قریبی نسبی تعلق رکھتا ہے؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ میں اس کا سب سے زیادہ قریب النسب ہوں۔

اس پر قیصرروم نے کہا اسے میرے قریب کردو جب کہ اس کے دیگر ساتھیوں کو اس کے پیچھے کھڑا کردو۔

(اس کے بعد) قیصرِ روم نے اپنے ترجمان سے کہا کہ وہ ابوسفیان کے ساتھیوں کو بتا دے کہ میں اس شخص (یعنی ابوسفیان) سے اُس آدمی (یعنی حضرت محمد ﷺ) کے متعلق کچھ سوالات کروں گا۔

سو، اگر یہ شخص (یعنی ابوسفیان) جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔!

دراصل یہ ابوسفیان ہی ہیں جنہوں نے خود یہ واقعہ روایت کیا کیونکہ بعد میں ابوسفیان خود بھی مسلمان ہو گئے تھے!

انہوں نے یہ واقعہ عبداللہ بن عباس کو سنایا جو کہ نبیء کریم ﷺ کے اولین صحابہ میں سے تھے!

(یعنی) ابوسفیان یہ واقعہ روایت کرر ہے ہیں جب کہ عبداللہ بن عباس اس کو محفوظ کرنے والے ہیں!

(ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ۔۔۔)

سو، ہم لوگ قیصرِ روم کے دربار میں تھے۔اوراس (قیصر) نے مجھ سے کہا کہ، ٹھیک ہے تمہارے ساتھی تمہارے پیچھے کھڑے ہو جائیں!۔

(اور اس نے ، ان ساتھیوں سے کہہ دیا کہ ۔۔۔) اگر یہ شخص جھوٹ بولے تو آپ لوگ لازمی طور پر مجھے بتائیں کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔

ابوسفیان (خود) کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ کے متعلق یقیناً جھوٹ ہی بولتا۔

سو، سب سے پہلا سوال جو قیصرِ روم، ہرقل نے ابوسفیان سے کیا وہ یہ تھا۔

کہ

لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟

میں نے کہا۔

وہ اُونچے نسب والا ہے!

پھر ہرقل نے پوچھا

تو کیا یہ بات (نبوت کے دعوے سے متعلق) اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟

میں نے کہا نہیں۔۔۔!!

کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان نے پھر جواب دیا۔نہیں !!!

اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزور لوگوں نے۔۔؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ،غریب (کمزور) لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے۔

اور پھر ہرقل نے سوال کیا کہ

اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل نے پوچھا۔

کیا ان لوگوں میں سے کوئی بھی، جو اس دین میں داخل ہوتا ہے، اس دین سے برگشتہ ہو کر بعد میں (کبھی) مرتد بھی ہوتا ہے؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

پھر ہرقل نے کہا۔

کیا تم نے اس پر اس کے اس نبوت کے دعوے سے پہلے کبھی جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہو۔۔؟

پھر ابوسفیان نے کہا۔نہیں۔۔۔!!

ہرقل نے کہا، کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔ البتہ ہم لوگ اس کے ساتھ اس وقت صلح کی ایک مدت گذار رہے ہیں معلوم نہیں کہ اس میں وہ کیا کرے گا۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کچھ بھی کہنے کا، اس فقرے کے سوا، اس وقت مجھے کوئی اور موقع نہ مل سکا۔

پھر ہرقل نے پوچھا۔

کیا تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟

تو ابوسفیان نے کہا، جی ہاں۔

ہرقل نے کہا۔ ان جنگوں کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان نے کہا کہ:

کبھی وہ فتح یاب رہا اور کبھی ہم نے اس کو زِک پہنچائی۔

پھر ہرقل نے کہا کہ،

وہ تمہیں کن باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے!

ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کچھ ہمارے باپ دادا کہتے رہے ہیں یا کرتے رہے ہیں اسے چھوڑ دو۔

وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیزگاری اپنانے، پاکدامنی اختیار کرنے اور قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ تم اس شخص (یعنی ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حسب نسب کے متعلق پوچھا تو تم نے جواب دیا کہ وہ اونچے نسب کا ہے۔۔

اور دستور بھی یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب ہی میں سے بھیجے جاتے ہیں!

اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا یہ بات (یعنی نبوت کا دعویٰ کرنے کی بات) اس سے پہلے بھی تم میں سے کبھی کسی نے کی تھی۔ تو تم نے بتلایا کہ نہیں۔۔! اگر تمہارا جواب مثبت ہوتا تو میں شک کرسکتا تھا کہ یہ شخص شاید اپنے سے پہلے والے شخص کی بات کی نقالی کررہا ہے۔

یعنی اس کا مطلب ہے کہ اگر نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے (ان کے خاندان میں سے) کسی بھی شخص نے یہ بات کہی ہوتی کہ میں نبی ہوں تو پھر تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نقالی کررہے تھے۔ لیکن ان لوگوں میں سے تو کبھی بھی کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ آیا اس کے آباواجداد میں سے کوئی بادشاہ گذرا ہے تو تم نے کہا کہ نہیں۔ اگر تم نے کہا ہوتا کہ ہاں گذرا ہے تو میں سمجھتا کہ غالباً یہ شخص اپنے باپ دادا

کی بادشاہت کا طلب گار ہے۔یعنی دوسرے الفاظ میں یہ شخص نبوت کو ڈھال بنا کر اپنی بادشاہت واپس لینا چاہتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کبھی اُس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگا ہے؟اس کے اس نبوت کے دعوے سے پہلے۔۔۔!

توتم نے کہا کہ نہیں۔۔۔

تو میں حیران ہوا کہ جو شخص عام لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ کے متعلق کیونکر جھوٹ بولے گا۔۔!!

جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ بھلا کیسے، اور کیونکر اللہ تعالیٰ کے متعلق جھوٹ بولے گا!!!

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ آیا بااثر (امیر) لوگ اس کی پیروی کررہے ہیں یا کمزور لوگ۔۔؟

توتم نے کہا کہ غریب لوگ اس کی پیروی کررہے ہیں۔

توتمام تر پیغمبروں کا یہی معاملہ رہا ہے کہ ان سب کی پیروی ہمیشہ غریب لوگوں ہی نے کی ہے۔

پیغمبروں کی اطاعت ہمیشہ،غریب اور پسے ہوئے لوگوں ہی نے تو کی ہے۔!

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟توتم نے کہا کہ بڑھ رہی ہے۔

۔۔توحقیقی ایمان کی تو دراصل نشانی ہی یہی ہوتی ہے۔۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص مرتد بھی

ہوتا ہے کہ نہیں؟ تو تم نے کہا کہ نہیں۔۔۔

درحقیقت حقیقی ایمان کی یہی تو نشانی اور علامت ہے کہ جب اس ایمان کا نور دلوں میں گھر کرتا ہے تو ان کو اپنا گرویدہ کرتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ آیا اس نے تم لوگوں سے کبھی وعدہ خلافی بھی کی۔۔تم نے کہا نہیں۔۔۔

اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں!! وہ کبھی بدعہدی نہیں کرتے!

میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے۔؟

تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے۔ بت پرستی سے منع کرتا ہے، نماز (ادا کرنے) سچائی اور پرہیزگاری و پاک دامنی کا حکم دیتا ہے۔

تو جو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر یہ سچ ہے تو بہت جلد ہی یہ شخص میرے ان دو قدموں کی جگہ یعنی میرے ''پایۂ تخت'' کا مالک ہو جائے گا۔

اور میں اپنے صحیفوں کی مدد سے یہ جانتا تھا کہ یہ نبی ظاہر ہونے والا ہے، لیکن وہ تم لوگوں میں سے ہوگا یہ تو میرا گمان تک نہ تھا۔

اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں اس تک پہنچ پاؤں گا تو میں فوراً ان سے ملنے کے لیے چلا جاتا۔ اور اگر مجھے ان کی صحبت نصیب ہو جاتی تو میں ان کے پاؤں تک دھوتا۔

اس کے بعد ہرقل نے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کے متعلق دریافت کیا جو کہ ایک گورنر کے ذریعے قیصرِ روم ہرقل کو پڑھنے کے لئے دیا گیا۔

وُہ خط کچھ یوں لکھا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم

کرنے والا ہے۔

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قیصرِ روم ہرقل کے نام۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسلام لاؤ گے تو محفوظ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اجر کو دوبالا کر دے گا۔ اور اگر تم نے انکار کیا تو تم گناہ کا ارتکاب کرو گے۔ یعنی اپنی رعایا کو بھی گمراہ کرنے کا ذمہ تمہارے سر ہو گا۔

اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل یکساں ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

پس اگر لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

یہ عبارت دراصل قرآنِ مجید کی ایک آیت کا ترجمہ ہے۔

(وہ آیت سورۃ آل عمران، سورۃ نمبر 3 کی مندرجہ ذیل آیت، یعنی آیت نمبر 64 ہے۔۔۔مترجم)

قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔

کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ

کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔مترجم)

۔۔۔ابوسفیان نے اس کے بعد مزید کہا کہ جب قیصرِ روم ہرقل نے اپنی تقریر ختم کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط مبارک پڑھ لیا تو اس کے شاہی دربار میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بڑا شور شرابہ ہوا اور ہمیں دربار سے باہر نکال دیا گیا۔

(جب ہم لوگ باہر لائے گئے تو) میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ تو اب اتنا زور پکڑ چکا ہے کہ حتیٰ کہ رومیوں کا بادشاہ تک اس سے ڈرتا ہے۔ ''ابوکبشہ'' ایک طرح سے ایک ایسی ہتک آمیز کنیت تھی جو وہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استعمال کرتے تھے۔

(ابوسفیان کہتا ہے کہ) میرا یقین پختہ سے پختہ تر ہو گیا کہ آنے والے وقتوں میں اس کا دین غالب ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر ہدایت کی شمع کو روشن کر دیا۔ دیکھئے، دو وجوہات کی بنا پر یہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور قابلِ ذکر واقعہ ہے۔

سب سے پہلی وجہ، جس کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں۔ اور یہ تو خیر آپ جانتے ہی ہیں کہ ہمارا تو آج کا موضوع بھی یہی ہے۔

(سوچیئے) کہ قیصرِ روم کو کیسے یہ پتہ تھا کہ ایک نبی ابھی مبعوث ہونا ہے۔؟

ہم اس کے متعلق بعد میں بات کریں گے مگر Gospel عہد نامہ جدید میں اس کا ذکر موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ آیئے، اب بائبل کے حوالہ جات کی روشنی میں پرکھیں کہ کس طرح (اور کیونکر) وہ آنے والے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔

دوسری انتہائی اہم بات جو اس واقعے سے متعلق حیران کر دینے والی ہے کہ کس طرح

قیصرِ روم، ہرقل جیسے دانا وعقلمند حکمران نے رسولِ خدا کی حیات مبارکہ کا تجزیہ کرر کھا تھا؟ کہ اس نے آپ ﷺ سے متعلق کچھ ایسے سوالات کیے جو یقیناً اس کے ذہن میں پہلے سے موجود تھے!

۔۔کہ آیا وہ شخص۔(محمد) جھوٹا ہے(معاذ اللہ۔مترجم) یا سچا، کیا اس میں وُہ خوبیاں ہیں جو خدا کے کسی پیغمبر میں پائی جا سکتی ہیں۔یا پھر وہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جیسا کہ ہونے کا اسے دعویٰ ہے۔

اسے معلوم ہو گیا کہ ہر ہر وہ بات جو اس نے رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق دریافت کی یقیناً (وہ سچ ثابت ہوئی اور) حضرت محمد ﷺ ان تمام تر خوبیوں اور اسی اخلاقِ حسنہ کے مالک ثابت ہوئے جو کہ واقعی ایک نبی ہی کی ذاتِ اقدس کے شایانِ شان ہے۔

۔۔۔اب ہم اس بیان میں، آگے چلتے ہوئے، اہلِ کتاب ہی میں سے کچھ مزید لوگوں کی شہادتوں کے متعلق بات کریں گے!

آج کے اس بیان میں ہم اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگوں کی شہادتوں یعنی ان کی گواہیوں کے متعلق بات کرر ہے ہیں۔۔یہودیوں اور عیسائیوں میں سے کچھ لوگوں کے انتہائی دلنشین واقعات کا ذکر کرر ہے ہیں۔

۔۔وہ لوگ جنہیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مبارک دور نصیب ہوا۔۔اور وہ لوگ جو کہ ایک نبی کی بعثت کے منتظر تھے!

اور (دیکھئے کہ) شاہِ روم، ہرقل خود بھی۔۔۔یعنی پورے کے پورے روم کے حکمران نے خود بھی تسلیم کیا کہ وہ ایک نبی کی آمد کا منتظر تھا۔تاہم اسے یہ علم نہ تھا کہ وہ نبی اہلِ عرب میں سے مبعوث ہوگا۔

لیکن اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نبیء برحق) تسلیم کیا۔

(غور کیجئے ۔۔۔) کہ جب اس نے ابوسفیان سے، جو آپ کے چچا کا بیٹا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دور کے مخالفین کا سردار، (Leader of the Opposition) تھا، اس سے سوالات کیے تو اس نے ان تمام تر خوبیوں اور صلاحیتوں کو پہچان لیا۔۔۔!

اب، آیئے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے ابتدائی دور کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اس دور کے ایک عظیم بادشاہ جس کا نام نجاشی تھا اس کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ حبشہ کا حکمران تھا۔سو، ایسا ہوا کہ مسلمان شروع شروع میں اذیت ناک تکالیف برداشت کررہے تھے!

دراصل کفارِ مکہ جن مسلمانوں کو انتہائی وحشیانہ طریقے سے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے ان میں اکثریت غریب اور کمزور لوگوں کی تھی۔

ان میں کئی ایک تو غلام تھے، خواتین تھیں اور ان میں معاشرے کے کچھ ایسے ''پسے'' ہوئے افراد بھی تھے جن کی کہ کسی کو بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

خواہ آپ ان پر حملے کریں، انہیں جسمانی تشدد کا نشانہ بنائیں انہیں قتل کر دیں۔ ان کا تو کوئی پرسان حال تھا ہی نہیں!

(ایسے حالات میں) دراصل کچھ مسلمان قریش کے سرداروں کی بربریت کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے!

اور مسلمانوں کے لیے حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ انہوں نے وہاں سے،

ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

سو، ایسے حالات میں حضرت محمد ﷺ نے ایسے ہی چند (مظلوم) مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی تلقین فرمائی اور آپ ﷺ نے ان پر واضح کیا کہ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جو تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گا۔

خیر مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کردی!

ادھر، چونکہ قریش کے حبشہ کے لوگوں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے، اور وہ لوگ حبشہ کے بادشاہ (نجاشی) کو ذاتی طور پر جانتے بھی تھے۔

سو، انہوں نے نجاشی کے پاس اپنا ایک وفد بھیجا۔

اس سلسلے میں ان کا مقصد مکہ کے ان لوگوں کو اپنے ساتھ واپس لانا تھا جو ان کے ہاں سے فرار ہو کر آئے تھے۔

سو، قریش بادشاہ کے پاس اپنا ایک وفد لے کر گئے!

اس وفد (کے اراکین) نے بادشاہ سے شکایت کی کہ آپ کے ہاں ہمارے کچھ ''مفرور لوگ'' آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے ملک سے راہِ فرار اختیار کی ہے۔۔

انہوں نے اپنے ملک سے راہِ فرار حاصل کی ہے اور یہ لوگ ہمارے آباؤ اجداد کے دین کو جھٹلاتے آرہے ہیں۔

اس وفد نے بادشاہ سے اسی طرح کی کئی اور شکایات بھی کیں!

خیر، نجاشی نے ان تمام تر مہاجرین کو جو کہ اس کے ملک میں آئے ہوئے تھے اپنے دربار میں بلایا اور ان سے ان کے دین کے متعلق دریافت کیا۔ کہ آخر کار ان کا دعویٰ کیا ہے؟

سو، ایسے میں حضرت جعفر ابن ابی طالب جو کہ حبشہ میں مسلمانوں کے امیر تھے

انہوں نے (نجاشی کے دربار میں) ایک انتہائی مختصر مگر نہایت ولولہ انگیز اور فکر انگیز تقریر کی اور۔انہوں نے مسلمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔!

اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے۔مُردار کھاتے تھے اور جنسی بے راہ روی کا شکار تھے۔!

ہم لوگ اپنے پڑوسیوں کی تضحیک کیا کرتے تھے۔ایک بھائی اپنے ہی بھائی پر ظلم کیا کرتا تھا۔طاقتور جو تھا وہ کمزور کو کچل رہا تھا۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک ایسے شخص کو مبعوث کیا جس کی سچائی، پاک دامنی اور امانت داری کا ہمیں پہلے ہی سے علم تھا۔

اس شخص نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلایا۔

انہوں نے ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش کو چھوڑ دیں، ہمیشہ سچ بولیں اور خون خرابے سے باز رہیں، اور یتیموں کو ان کی جائیدادوں سے محروم نہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی کہ ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں!!!

پاک دامن عورتوں پر کوئی تہمت نہ لگائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پابندی سے نماز ادا کرنے، روزہ رکھنے، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اختیار کی۔شرک سے اجتناب کیا، بت پرستی چھوڑ دی اور ہر قسم کے برے اخلاق سے خود کو بچایا۔!

یہ ہے وہ طرزِ زندگی جس کی وجہ سے ہمارے ہی لوگ ہمارے خلاف ہو گئے ہیں اور

یہ ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم لوگ پھر اپنی اسی بے راہ روی اور بھٹکی ہوئی زندگی پر واپس آ جائیں!!

جب حبشہ کے بادشاہ نے یہ ساری باتیں سُنیں تو اس نے قریش (کے اس وفد) کو کہا کہ ان لوگوں کو ہرگز تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ ان لوگوں نے قطعاً کوئی غلط کام نہیں کیا ہے، لہذا یہ لوگ میری سلطنت میں آزادی کے ساتھ رہتے ہوئے زندگی گذار سکتے ہیں۔

سو!! خیر مسلمان تو وہاں سے یہ سمجھتے ہوئے کہ معاملہ ختم ہو گیا ہے دربار سے چلے گئے لیکن قریش کا وفد اتنی آسانی سے ان کا پیچھا چھوڑنے والا نہ تھا۔

ان میں سے ایک نے کہا، دیکھو، میں جانتا ہوں آؤ، نجاشی کو بتائیں کہ ان لوگوں کا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا عقیدہ ہے۔

سو (قریش کا) وہ وفد (ایک مرتبہ) پھر نجاشی کے پاس گیا اور ان کے سردار نے نجاشی سے کہا کہ،

عالیجاہ!!

آپ کو یہ علم ہے کہ مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہی نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں۔ ان کا عقیدہ تو بس اتنا ہے کہ وہ خدا کے ایک پیغمبر ہیں۔۔ (لہذا) ان سے پوچھیے کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ان کا کیا عقیدہ ہے؟

۔۔۔ پھر آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ تو تمہارے اپنے مذہب کو بھی نہیں مانتے!

خیر۔۔ اگلے دن نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں پھر سے بلایا۔۔!

حضرت جعفر ابن ابی طالب بہت متفکر اور پریشان تھے کہ وہ ایسی صورت میں کیا کہیں۔۔۔ لیکن انہوں نے ہر حال میں سچ بولنے کا فیصلہ کیا اور نجاشی کو وہی کچھ بتانے کا

پختہ عزم کیا جو کچھ قرآن مجید میں (حضرت عیسیٰ کے متعلق) ارشاد کیا گیا ہے۔۔

سو، نجاشی نے ان سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔

اس پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کے متعلق ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو کچھ ان کے متعلق ہمارے نبیء کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

یہی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ پیغمبر ہیں، اور روح اللہ ہیں جو اللہ کریم نے حضرت مریم علیہ السلام کو عطا فرمایا۔یعنی۔۔۔وہ (اللہ تعالیٰ کے امر سے) معجزاتی طور پر پیدا ہوئے۔سو، ہم مسلمانوں کا تو حضرت عیسیٰ کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔اور یہ کہ ان پر انجیل نازل کی گئی تھی۔

اور جب نجاشی نے یہ سب کچھ سُنا تو اس نے کہا کہ یقینی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا۔

نجاشی نے پوچھا، تم (لوگ) کون سی کتاب پڑھتے ہو۔اس پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ مریم کی کچھ ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائیں۔

(تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ مریم، سورۃ نمبر 19 کی آیات 16 تا 40 کی تلاوت فرمائی تھیں۔۔۔مترجم)

یہ آیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خوبصورت آیات ہیں!

جس دم حضرت جعفر نے یہ آیات تلاوت فرمائیں تو نجاشی رونے لگ گیا۔

اور یوں، اس کے دربار میں موجود کئی درباری اور عیسائیت کے کئی مذہبی پیشوا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ دلنشین الفاظ سن کر رونے لگ گئے!!!

پھر نجاشی نے کہا کہ بے شک جو کچھ تمہارے پیغمبر لے کر آئے ہیں (قرآن)

اور جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں (انجیل) یہ دونوں ایک ہی خدا کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔

آپ آزادی سے میری سلطنت میں ٹھہر سکتے ہیں اور (آزادانہ) زندگی گذار سکتے ہیں۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی نجاشی، شاہِ حبشہ بعد میں (خود بھی) مسلمان ہو گیا تھا۔

عرب میں ان دنوں ایک عیسائی تھا۔ ویسے تو مشرکینِ عرب میں عیسائی کچھ زیادہ نہ تھے۔ مگر اس کے باوجود وہاں ایک عیسائی تھا جس کا نام ورقہ تھا۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک دور کا رشتہ دار تھا۔

بلکہ رشتہ داری کے تعلق میں تو وہ حضرت خدیجہ جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بیوی تھیں۔ ان کے زیادہ قریب تھا۔ وہ خدیجہ الکبری جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی سالوں تک اکلوتی بیوی تھیں!

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کی پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرے گھبرائے ہوئے دوڑتے ہوئے غارِ حرا سے اترتے ہوئے نیچے آئے۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خوفناک مشاہدے کے بارے میں علم نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی گھبراہٹ کے عالم میں اپنی بیوی (حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آئے۔

اس پر ان کی اہلیہ (اُم المؤمنین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے انہیں مشورہ دیا کہ انہیں ورقہ کے پاس جانا چاہیے اور اسے سارا ماجرا سنا کر یہ جاننا چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔

جب ورقہ نے، جو کچھ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشاہدہ کیا تھا اس کا سارا ماجرا سُنا تو اس

نے کہا کہ یہ تو روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

یہ تو ایک فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

اس پر انہوں نے مزید کہا کہ،

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور اگر یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تھا تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا کہیں گے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنگ کریں گے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑیں گے۔

یہ ہے وہ بات جو ورقہ نے کہی۔ حتی کہ اس نے تو اس حد تک کہہ دیا کہ

''خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی بخشی تو میں یقینی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کروں گا۔''

لیکن۔ افسوس۔! کہ ورقہ اس واقعے کے فوراً بعد ہی انتقال کر گیا۔

ہم یہاں کچھ یہودی آبادکاروں کا بھی تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت یہاں یہودی آبادکاروں کی تعداد کافی زیادہ تھی جو اس وقت عرب میں رہتے تھے۔ ان میں سے تو کئی ایک لوگوں نے عرب کی طرف خصوصی طور پر اسی لئے ہجرت کی تھی کیوں کہ وہ ایک خاتم النبیّین کے مبعوث ہونے کے منتظر تھے۔۔ بلکہ مدینہ کے تو کوئی ایک کٹر مذہبی اور جنونی (یعنی بنیاد پرست) یہودی حقیقت میں مسلمان ہو گئے تھے! انہی جنونی اور بنیاد پرست یہودیوں میں سے ایک نہایت مشہور اور انتہائی پڑھا لکھا شخص عبداللہ بن سلام تھا۔

اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کا وقت اور جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبعوث ہونا تھا، یہ سب کچھ پہلے ہی سے جانتے تھے۔ اور یوں اس نے (بھی) اسلام قبول کرلیا۔

جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یہ یہودی بہت چالاک لوگ ہیں!

میرے اسلام لانے (کے واقعے) کا برملا اعلان کیے جانے سے پہلے، آیئے، ذرا ان کا امتحان لیتے ہیں!

انہوں نے کیا کیا، انہوں نے تمام تر یہودیوں کو اکٹھا کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ان سے خطاب کرسکیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے خطاب کیا اور ان سے کہا کہ

''اگر تمہیں یہ پتہ چلے کہ عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کرلیا ہے تو تم لوگ کیا کہو گے؟''

اس پر، ان میں سے اکثر یک زبان ہوکر بولے کہ

''ہمارا خداوند ہمیں اس سے محفوظ رکھے وہ کبھی بھی مسلمان نہیں ہوسکتا۔''

پھر نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

وہ بولے، کہ وہ تو ہم سب میں سے بہترین انسان ہیں بڑے عالم وفاضل ہیں، اور وہ ہم سب میں سے ذہین وفطین انسان ہیں۔ وہ تو کبھی مسلمان ہو ہی نہیں سکتے!

نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو تم کیا کہو گے؟

انہوں نے پھر کہا کہ ،نہیں نہیں وہ کبھی بھی مسلمان نہیں ہوسکتے خداوند ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

اور یوں جب انہوں نے تیسری بار ایسا ہی کیا تو عبداللہ بن سلام جہاں چھپے ہوئے تھے، وہاں سے باہر نکل کر سب کے سامنے آئے اور یوں برملا اپنے ایمان کا اظہار کیا کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

جب انہوں نے اپنے ایمان کا یوں برملا اظہار کیا تو وہ سارے کے سارے کہنے لگے کہ یہ تو ہم سب میں سے جاہل ترین شخص ہے۔ یہ تو ہم میں سے بدترین شخص ہے۔ یہ تو وہ شخص ہے جسے کسی چیز کا پتہ ہی نہیں ہے۔

سو، جب ان کو پتہ چل گیا کہ وہ، (عبداللہ بن سلام) تو مسلمان ہو چکے ہیں تو ان (یہودیوں) نے اپنے اپنے بیانات ہی تبدیل کر دیئے۔۔۔

لیکن عبداللہ بن سلام وہ مشہور ترین، بنیاد پرست جنونی یہودی تھے جو نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

کیونکہ اُنہوں نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی ذاتِ اقدس) ہی (واقعتا) وُہ ہستی ہے جن کے متعلق ان کے مقدس صحائف میں پہلے ہی سے بتایا جا چکا تھا۔

(ابھی تو۔۔۔)۔۔۔ہم اہلِ کتاب کے اسی طرح کے کچھ مزید دلچسپ اور حیران کُن تاریخی واقعات کا ذکر کریں گے۔

وُہ اہلِ کتاب جو بائبل میں پائے جانے والے صرف اور صرف اپنے اسی علم کی بنیاد

پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جو نبیءِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل تھا۔

ہم اپنے آئندہ کے بیانات میں اس (موضوع) پر قدرے تفصیل سے بات کریں گے۔سو، ہمارے ساتھ ساتھ رہنا مت بھولئے گا۔

(دلائل و براہین سے مزین) ان شہادتوں کے لیے جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہوں گی کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

باب نمبر 12

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ بائبل میں

(حصہ اول)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ان شہادتوں کے ساتھ کہ "**بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے**" میں آپ کو ایک مرتبہ پھر خوش آمدید کہتا ہوں۔

ہم ایک انتہائی دلچسپ موضوع (یعنی) اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگوں کی شہادتِ حق کے حوالے سے بات کرتے چلے آ رہے تھے۔

آج ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بائبل میں ۔۔ کے حوالے سے بھی بات کریں گے مگر سرِ دست آیئے بات کو وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں (پر اس بات کو) ہم نے چھوڑا تھا!

گذشتہ بیان میں ۔۔۔ یاد آیا کہ ہم ان یہودی لوگوں کے کچھ واقعات کا ذکر کر رہے تھے جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کیا۔ ہم نے (اس سلسلے میں) عبداللہ بن سلام جو (یہودیوں میں سے) ایک مشہور و معروف شخصیت تھے ان کے متعلق بھی بات کی تھی!

اب میں آپ کو اپنے ذاتی تجربے سے ایک واقعہ سناتا ہوں۔ یہ کئی سال پہلے کی بات ہے کہ میں ہر اتوار کی سہ پہر کو باقاعدگی سے ایک جگہ پر جسے "Speaker Corner" کہتے ہیں جایا کرتا تھا۔

یہ "Speaker Corner" لندن کے "Hide Park" میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ کھڑے ہو کر اپنے من پسند کے کسی بھی موضوع پر بات کر سکتے ہیں خیر۔۔۔!!

میں با قاعدگی سے 10 سال تک وہاں جاتا رہا اور لوگوں کو دینِ اسلام کی دعوت دیتا رہا۔ ان سالوں میں میرا واسطہ ایک ایسے کٹر یہودی سے ہوا جو کہ ایک بہت ہی اچھا انسان تھا!

وُہ بڑی با قاعدگی سے میرے بیانات کو سنتا تھا وہ ایک انتہائی شگفتہ مزاج شخص تھا اور دینِ اسلام کے بارے میں وہ ایک بہت ہی اچھی رائے رکھتا تھا۔ کچھ سالوں کے بعد، ایک دن (ایسا ہوا کہ) گفتگو کے دوران ہی مجھے یہ خیال آیا کہ اب یہ موزوں ترین موقع ہے کہ میں اسے دینِ اسلام کی دعوت دوں۔

سو، میں نے اس سے کہا کہ دیکھو، میرے دوست، ہم گذشتہ کئی سالوں سے تبادلۂ خیالات کرتے چلے آ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ تم نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو پھر تم اسلام قبول کیوں نہیں کرتے؟

اس نے مجھ سے کہا کہ "ہم یہودی کبھی بھی اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتے۔"

میں نے اس سے کہا کہ

"لیکن تم جانتے ہو کہ مدینہ کے آدھے کٹر یہودی تو مسلمان ہو گئے تھے۔ اس نے کہا کہ واقعی یہ ایک حقیقت ہے لیکن اس کے باوجود ہم یہودی اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتے۔

میں نے کچھ دیر کے لیے توقف کیا، سوچا کہ اب میں اس سے کیا کہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میرے دوست کیا تم یہ نہیں چاہو گے کہ تم جنت میں جاؤ، اور جنت کی

خوبصورت ترین، بڑی بڑی آنکھوں والی دوشیزہ حوروں میں سے کسی ایک کے ساتھ تمہاری شادی ہو۔!

چونکہ وہ قدرے بوڑھا آدمی تھا تو جونہی میں نے ایسا کہا تو اس کی آنکھیں تو چمک اٹھیں۔۔۔اور وہ ایسا لگا گویا کہ اِسے ورغلایا جارہا ہے۔۔۔!!!

اور پھر اس نے مجھے دیکھا اور کہا کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔۔۔ اس نے کہا کہ ہم تمام یہودیوں کی ایک ہی خواہش ہے کہ ہم (پوری دنیا) کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے اس سے کہا کہ

تمہاری اس تمنا کے باوجود۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ فتح وکامرانی تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اور فتح تو صرف اور صرف اس کی اطاعت سے ملتی ہے اس نے پھر میری طرف دیکھا اور کہا کہ

میرے دوست کان کھول کر سنو۔۔۔!

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہماری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، ہم لوگوں نے تو ان کی تعلیمات پر کان نہیں دھرے تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم لوگ ان کے بعد کسی بھی اور رسول کی پیروی کریں گے۔!!!

کسی اور قبیلے اور کسی اور خاندان کے رسول کی پیروی کریں گے؟

جب اس نے یہ کہا تو میرے پاس کہنے کو اور کچھ بھی نہ تھا۔ (حالانکہ) وہ جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اسی طرح ایک اور یہودی بھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ہم لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اسی یہودی نے مجھے عبارت کا ایک حوالہ پیش کیا۔ اور یہ وہ بات ہے جس کا میں ابھی ذکر کرنے لگا ہوں۔

کیونکہ جس چیز کا ذکر میں کرنا چاہتا ہوں یا جس عنوان پر بات کرنا چاہتا ہوں وہ بائبل کی وہ آیات ہیں جو ہر لحاظ سے اس موضوع کی وضاحت کرتی ہیں جن پر ہم گفتگو کرتے آرہے ہیں!

کیونکہ ایک بات جس میں ہمیں دلچسپی ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں یہودی اور عیسائی تو موجود تھے!

اور یہ لوگ آج بھی موجود ہیں۔۔۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میرے سمیت ''کتنے ہی لوگ ہیں'' جنہوں نے بائبل کو پڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانا۔

اب کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ بھلا ایسا کیونکر ممکن ہے؟

اگر ہم لوگ یہ تسلیم کر لیں کہ یہ بائبل وہ کلامِ خداوندی نہیں ہے جو کہ صحیح ترین ہو اور (کسی بھی قسم) کی تحریف سے پاک ہو۔ اگر بائبل کی تعلیمات کے متعلق ہم اچھی طرح یہ جان لیں کہ اب تو یہ کئی ایک (دیگر خود ساختہ) باتوں کا ملغوبہ ہے، اس میں تاریخی واقعات کی گڈمڈ ہے، اس میں (جتنا کچھ) کلامِ خداوندی (ہے) اس میں بھی تحریف کر دی گئی ہے۔ اور اس میں (کافی کچھ) کمی بیشی کر دی گئی ہے۔۔۔ یہ تو وہ بات ہے جس پر حتیٰ کہ (خود) کئی عیسائی علماء بھی متفق ہیں۔ ہوسکتا ہے ہم انہیں غیر مذہبی عیسائی مبلغین کہہ دیں مگر یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے عیسائیت کی تہذیب کے سامنے بند باندھا۔

حالانکہ وہ خود کو عیسائی کہتے تھے مگر وہ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ سو، اس اعتبار سے اگر ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ یعنی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ بائبل مکمل طور پر اللہ کا کلام ہے تو پھر ہمارے لئے کچھ گنجائش بنتی ہے کہ ہم بائبل میں مذکورہ ان آیات کو پرکھیں۔۔۔ جو بالکل واضح طور پر اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔۔

یعنی جو اس صحیفے میں پہلے ہی سے بتا دی گئی ہیں۔

ہم کیا کریں گے۔۔۔ہم بائبل میں سے ایسے ہی کچھ حوالہ جات کا تذکرہ کریں گے اور پھر یہ پرکھیں گے کہ ہم (ان کی مدد سے) کس فیصلے پر پہنچتے ہیں۔

آیئے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے اس لئے شروع کررہے ہیں کیونکہ وہ ایک ایسی شخصیت ہیں جن کو یہودی، عیسائی اور مسلمان سب کے سب تسلیم کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انہیں جدالانبیاء کہا جاتا ہے۔

ایک ایسے پیغمبر جو کہ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں سب کے ہاں مشترک ہیں ۔۔۔وہ ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

اللہ تعالیٰ کے انتہائی برگزیدہ پیغمبر۔۔۔! حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر قرآنِ مجید میں متعدد مرتبہ آیا ہے۔

ان کے دین کو دینِ حنیف یعنی صحیح ترین مذہب قرار دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ کون ہے جو دینِ ابراہیم سے منہ موڑے گا۔سوائے اس کے جو احمق ہو، اور بے راہ روی کا شکار ہو۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط

اور ابراہیم کے دین سے کون رُوگردانی کرسکتا ہے سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 130۔۔۔مترجم)

دینِ ابراہیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی ذات کو بھی ایک نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کرتے ہوئے کیسے زندگی گذارنی چاہیئے!

اب دیکھئے یہ ایک نہایت ہی دلچسپ بات ہے کہ **تورات کی کتاب تکوین** میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔۔

اسی تکوین ("Genesis") کے باب نمبر 12 کی آیات نمبر 2 تا 3 میں کہا گیا ہے کہ

"میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ تجھے برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا۔ سو وہ برکت کا باعث ہوگا۔ جو تجھے برکت دیں میں انہیں برکت دوں گا۔ جہاں کے کل قبیلے تجھ میں برکت پائیں گے۔"

یہ ایک نہایت ہی قابلِ توجہ اور دلچسپ حوالہ ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ اس وقت یہ وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو برکت دے گا۔ اور ان لوگوں کو برکت دے گا جو ابراہیم کو برکت دیں گے۔ اور یہ کہ جہان بھر کے قبیلے ابراہیم علیہ السلام کی وساطت سے برکت پائیں گے۔

آیئے سب سے پہلے عظمت و بزرگی بھری اس شان کو دیکھیں جو اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی۔

(۔۔۔وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾۔۔۔)

قرآنِ مجید فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

(سورۃ النساء ، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 125۔۔۔یعنی اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقرب دوست۔۔)

(قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام ومرتبے کا ذکر کیا گیا ہے۔ قارئین کے استفادے کے لئے چند مزید حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں ۔۔۔مترجم)

سورۃ البقرۃ، سورۃ نمبر 2، آیت 135

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ۔ (اے پیغمبران سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کئے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ ہی کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

سورۃ آل عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 67

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اُسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

سورۃ آل عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 95

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝95

کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرما دیا پس دینِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ ہی) کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 125

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝125

اور اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکمِ الٰہی کو قبول کیا اور وہ نیکو کار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔

سورۃ انعام، سورۃ نمبر 6، آیت نمبر 161

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝161

کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے (یعنی دینِ صحیح) مذہب ابراہیم (علیہ السلام) کا جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

سورۃ النحل، سورۃ نمبر 16، آیت 120

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝120

بیشک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

سورۃ النحل، سورۃ نمبر 16، آیت 123

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾

پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے)۔۔۔۔(مترجم)

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی شان بڑھائی۔ حالانکہ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وہ زندہ تھے تو اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان رکھنے والے وہ واحد آدمی تھے۔ وہ اکیلے ہی مسلمان تھے۔ ایک وہی فردِ واحد تھے جو اس وقت اللہ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کے قائل تھے۔ اس کے باوجود کہ عقیدے (کی پختگی) کے اعتبار سے وہ تن تنہا تھے حالانکہ ۔۔آپ کی بیوی سائرہ تھیں۔! آپ کے چچا زاد بھائی حضرت لوط علیہ اسلام تھے۔ (اسی طرح) حضرت حاجرہ اور ان کے بیٹے بھی تو تھے۔

اس دور میں بظاہر تو آپ (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد مختصر تھی۔ لیکن اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی اور آج تک انہیں برکتوں سے نوازا جا رہا ہے اور یاد کیا جا رہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ہم روم، یونان کے اس دور کے کسی بھی قابلِ ذکر اداکار یا گلوکار کا نام لینا چاہیں تو کوئی ایک نام بھی پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن (اس دور کے حوالے سے) اگر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کریں تو ان کا نام تو زبانِ زدِ عام ہے۔

آیئے، اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکاروں کو عظمت وبزرگی والی شان وشوکت سے نوازا۔

سو، آیئے (عہد نامہ قدیم کی) **کتاب تکوین "Genesis" کے باب نمبر 12 کی آیات نمبر 2 اور 3** کا پھر سے، غوروفکر سے مطالعہ کرتے ہیں۔

''میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔''

یہ انتہائی توجہ طلب پہلو ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بائبل میں بالخصوص ''بڑائی'' کا ذکر فرماتا ہے۔۔۔

جیسا کہ میں پہلے بھی آپ کی توجہ اس کی طرف مبذول کروا چکا ہوں۔ کہ ''بڑائی'' یا برکت دینے سے مراد (یہاں) تعداد میں زیادہ ہونا قطعاً نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں تو بڑائی یا عظمت سے مراد۔ (دراصل) وہ امت ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے احکامات کی پیروی کرتی ہو۔

یہ وہ بات ہے جو کسی بھی اُمت یا فردِ واحد کو اللہ تعالیٰ کے حضور۔۔۔ عظیم۔۔۔ (یا) معزز ومکرم بناتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت وبزرگی بھری شان یکتا وبے مثال ہے کیونکہ وہ خالقِ کائنات کے انتہائی فرمانبردار بندے تھے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت وتکریم سے نوازا، اور آج تک بھی آپ کے ذکرِ خیر کو جاری رکھا ہوا ہے۔

سو، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ فرمایا کہ

''میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا''

تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو، اپنی اور اپنے احکامات کی اطاعت کے حوالے سے بڑائی عطا کرے گا۔

یہ بات محض اپنے آپ کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے کافی ہوگی کہ یہاں بڑائی سے اللہ تعالیٰ کی مراد تعداد میں زیادتی ہے۔ یا زیادتی ہوگی۔۔۔!!!

اللہ تعالیٰ کے ہاں تو تعداد کی کوئی قدر و قیمت ہے ہی نہیں۔

جو بات اس کے ہاں مقبول ہے وہ تو بس یہی ہے کہ لوگ صرف اور صرف اسی کی اطاعت کریں، صرف اور صرف اسی کی بندگی و پرستش کریں۔ اسی کے احکامات کی پیروی کریں۔

(اصل تو) یہ باتیں اہمیت کی حامل ہیں۔

اور (انتہائی) دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''میں تجھے برکت دوں گا اور میں ان کو بھی برکت دوں گا جو تجھے برکت دیں گے۔''

میرے انتہائی معزز ''قارئین''۔۔ اس مقام پر مجھے ایک سوال کرنے کی اجازت دیں۔۔۔(سوچیں کہ)۔۔۔

وُہ کون لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکتیں بھیجتے ہیں؟ میں یہ نہیں جانتا کہ آپ لوگ مسلمانوں کے متعلق کتنا کچھ جانتے ہیں۔ لیکن (یہ یاد رکھیں کہ) مسلمان اپنی نمازوں میں ایک نہایت ہی اہم فریضہ جو ادا کرتے ہیں وہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

اے اللہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تو نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر، بے شک تو تعریف کیا گیا ہے۔

سو، یہ (درودِ پاک) مسلمانوں کی عبادت یعنی نماز کا ایک (اہم) حصہ ہے۔

اور ہم مسلمان دن میں روزانہ پانچ مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر رحمتیں (اور برکتیں) بھیجتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو تجھے برکت دیں گے میں انہیں برکت دوں گا۔

(سو اس اعتبار سے) **(عہد نامہ قدیم، تورات کی) کتاب تکوین "Genesis" کے باب نمبر 12 کی آیات 2,3** کے حوالے سے میرا نہیں خیال کہ آپ (دنیا بھر میں) کوئی بھی اور قوم ایسی پا سکیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اتنی رحمتیں اور برکتیں بھیجتی ہو جتنی رحمتیں اور برکتیں ان پر مسلمان بھیجتے ہیں۔

درحقیقت ہم مسلمان تو ہر وقت ان کا نام سنتے ہیں۔ ان کا نام لے کر انہیں یاد کرتے ہیں، اور ان کا نام لیتے ہی (اس کے ساتھ) علیہ السلام کہتے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سلامتی ہو، ان پر اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔

سو (عہد نامہ قدیم تورات کی) کتاب تکوین کے مزید کئی حوالہ جات میں سے یہ صرف ایک حوالہ ہے۔ (جو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے) اس حوالے کے بعد اب ہم بائبل میں مذکورہ دیگر اُن حوالہ جات کا ذکر کریں گے جو ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے میں

مدد اور راہنمائی فراہم کرتے ہیں کہ کس طرح بائبل خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے مبعوث ہونے کے متعلق پیشین گوئی کرتی ہے۔

ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق بائبل (کتابِ مقدس) میں ذکر کردہ کچھ ایسی پیشین گوئیوں، حوالوں اور بیانات کا تذکرہ کررہے ''ہیں'' جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ یہ وہی حوالہ جات اور بیانات ہیں جنھوں نے کٹر یہودیوں، اور کٹر عیسائی علماء پادریوں اور مفکرین کو یہ ماننے پر مجبور کردیا کہ محمد اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے آخری نبی ہیں۔

اس سلسلے میں ہم نے

"Gensis" (عہد نامہ قدیم کی کتاب) تکوین کے باب نمبر 12 کی آیات 2،3

کا حوالہ پیش کیا جن میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ وہ کس طرح اُن کی نسل سے ایک بڑی قوم بنائے گا۔ اور اُن پر برکت نازل کرے گا۔ اور جو لوگ ابراہیم پر رحمتیں بھیجیں گے ان پر کیسے رحمتوں کا نزول کرے گا۔

میرا نہیں خیال کہ جتنا درود وسلام اُن پر مسلمان بھیجتے ہیں کوئی بھی اور طبقہ ان پر اتنا درود وسلام بھیجتا ہو۔ اب اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں ایک بات کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اور یہ بات ہے آپ کے دو بیٹوں کی ولادت کی!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام اسمٰعیل تھا جب کہ دوسرے کا نام اسحٰق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے کا نام اسمٰعیل تھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کی بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

یہاں میں ان کی بیوی کا تذکرہ قدرے زور دے کر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شادی حضرت ہاجرہ سے ہوئی تھی اور اس (بات) کی تصدیق قرآن وحدیث سے ہوتی ہے اور اس کی تصدیق کتابِ مقدس (بائبل) سے بھی ہوتی ہے۔ بائبل سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے شادی کی تھی۔۔

سو، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے پہلے بیٹے تھے۔۔۔اور

(عہد نامہ قدیم کی اسی کتاب) تکوین (Gensis) کے باب نمبر 17 کی آیت نمبر 4

میں خداوندِ کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہتا ہے کہ

"دیکھ میں اپنا عہد تیرے ساتھ باندھتا ہوں اور تو اقوام کے انبوہ کا والد ہوگا۔"

اسی طرح آگے چل کر **تکوین (Gensis) ہی کے باب نمبر 21 کی آیت نمبر 13**

میں خداوندِ کریم ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرماتا ہے کہ

"مگر میں لونڈی کے بیٹے کو بھی ایک بڑی قوم بناؤں گا کیونکہ وہ بھی تیری نسل ہے۔"

آیئے اس آیت **یعنی تکوین (Gensis) کے باب نمبر 21 کی آیت نمبر 13** پر مزید غور کریں۔

''لونڈی'' سے مراد ہاجرہ ہی تو ہیں۔

بنیادی طور پر وہ حضرت سارہ کی خادمہ تھیں۔ حضرت سارہ نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیش کیا تھا کہ وہ ان سے شادی کر لیں۔ (یعنی) انہیں اپنی بیوی بنالیں۔ پھر اس شادی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

تکوین (Gensis) کے باب نمبر 21 کی آیت نمبر 13 میں ۔۔۔ اگر یہ واقعی اللہ کا کلام ہے تو ۔۔۔ (اللہ فرماتا ہے کہ) میں لونڈی کے بیٹے کو بھی ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ یہاں میں آپ کو یاد کراتا چلوں کہ ہم پہلے اس پر بات کر چکے ہیں کہ اللہ کی نظر میں بڑی قوم سے کیا مراد ہے؟

اس سے مراد محض کثرتِ تعداد نہیں ہے۔ اس سے لازماً مراد نیک اور پاکباز امت ہے۔

وہ لوگ جو اللہ وحدہ لاشریک پر مکمل ایمان رکھتے ہوں ۔۔۔ کیونکہ وہ بھی تمہاری نسل میں سے ہے۔

پھر اسی طرح **تکوین (Gensis)** ہی **کے باب نمبر 21 کی آیت نمبر 18** میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''اٹھ لڑکے کو لے اور اس کا ہاتھ پکڑ۔ کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔''

اور یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ عرب کے لوگ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پشت ہی سے ہیں۔

بلکہ آپ لوگ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ بائبل تو عربوں کو ''اسمٰعیلی'' کہتی ہے۔یعنی جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ اسمٰعیلی عرب ہی تو ہیں۔

اس اعتبار سے اہلِ عرب ، بنی اسرائیل یا اسرائیل کے بچوں کے چچا زادے "Cousins"ہیں۔

اور قرآنِ مجید میں بیان کردہ ارشادات کے مطابق ، یقینا ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اللہ کے رسول تھے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں نے مل کر ایک عبادت گاہ کے طور پر کعبہ کی تعمیر کی تھی تا کہ صرف اور صرف خدائے واحد کی عبادت کی جائے۔

سو، اس مقام پر بالکل یہ واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ یہ سلسلہ بنی اسرائیل سے آگے منتقل ہوگا۔

اور وہ پتھر۔۔جس کو ٹھکرایا گیا ہے۔۔۔جس سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں ۔۔۔وہ بنیادی پتھر کے طور پر کام آئیں گے۔

یعنی وہ عقیدۂ توحید کی خوبصورت عمارت کے بنیادی پتھر ہیں۔ایک ایسا پتھر جو اس عمارت کی جان ہوگی۔ کیونکہ یہودیوں نے اسے ''مسیحا'' کے طور پر قبول نہیں کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ کیا گیا وعدہ ختم کر دیا گیا۔اور پھر یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں منتقل کر دیا گیا۔

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تو یہ بالکل واضح دکھائی دیتا ہے،کم سے کم

اناجیل (عہد جدید) کی تعلیمات کے مطابق کہ یہودی تین مخصوص ہستیوں کی آمد کے بڑی بے تابی سے منتظر تھے اور اس کا اظہار وہ یوحنا سے سوالات کی صورت میں کرتے ہیں۔

اور یہ بات **مقدس یوحنا کے باب نمبر 1 کی آیت نمبر 21** میں بیان کی گئی ہے۔

یہودیوں نے ان سے، یعنی یوحنا سے پوچھا کہ

"کیا تو المسیح ہے؟

کیا تو الیاس ہے؟

کیا تو النبی ہے؟

سو (اس مقام پر) یہ بالکل واضح ہے کہ وُہ تین الگ الگ افراد کے متعلق دریافت کررہے ہیں۔

المسیح

الیاس

جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ اور پھر (تیسری ہستی)

النبی

غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ جو کہ دراصل مسیح ہیں وُہ یہ فرماتے ہیں کہ یوحنا ہی دراصل الیاس تھا۔ وُہ تو مسیح ہیں جو اس (متوقع) "النبی" سے پہلے آئے ہیں۔

(یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بالآخر!)

وہ نبی کون ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ کسی خاص نبی کی بعثت کے منتظر تھے۔

اور یہاں یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ کسی ایسی ہستی کے متعلق بات کررہے ہیں

جوکہ نہ تو المسیح ہے۔ نہ الیاس ہے بلکہ وہ بالکل ہی کوئی اور شخصیت ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ تو وہ نبی ہے جس کا حوالہ

(عہد نامہ قدیم) تثنیہ شرع ("Deuteronomy") کے باب نمبر 18 کی آیت نمبر 18

میں دے کر پیشین گوئی کی گئی کہ۔۔۔آیئے اس آیت کو پڑھتے ہیں۔

''تو خداوند نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے اچھا کہا کہ۔۔

''میں ان کے بھائیوں کے درمیان سے تیری طرح کا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا۔اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا۔''

سو، اس مقام پر اللہ تعالےٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمارہے ہیں کہ میں ایک نبی مبعوث کرنے والا ہوں۔۔

جو، اے موسیٰ بالکل تیری طرح ہوگا،۔ یہ نبی تیری طرح ہوگا۔اور مَیں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وُہ اُن سے کہے گا۔اور یہ پیشین گوئی ایک انتہائی سخت تنبیہ اور دھمکی کے ساتھ جاری رہتی ہے۔

''اور جو انسان میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے کہے گا اسے نہ مانے گا تو میں اس کا اس سے حساب لوں گا۔''

سو، اللہ تعالیٰ سختی سے خبردار کرتا ہے کہ وہ ایک نبی کو مبعوث کرے گا۔وُہ موسیٰ کی طرح ہوگا۔ وہ اللہ کے کلام کو اللہ کے نام سے کہے گا۔ وُہ وہی کچھ کہے گا جس کا حکم

اسے اللہ تعالیٰ دے گا۔

اور وہ لوگ جو اس (کلام) کو نہیں مانیں گے اللہ تعالیٰ ان سے (اُن کے) اس عمل کا حساب لے گا۔

اور اگر انہوں نے اس کی پیروی نہ کی تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا۔

یہ ہے حوالہ تثنیہ شرع "Deuteronomy" کے باب 18 کی آیت نمبر 18 کا۔سو، اس مقام سے یہ بالکل واضح ہے کہ یہودی جس کے منتظر تھے وہ کوئی نبی تھا۔

غور کیجئے۔المسیح آ چکا تھا۔الیاس کی آمد ہو چکی تھی لیکن ابھی ایک نبی کا ظہور باقی تھا۔

جی ہاں وہ نبی جس کی پیشین گوئی **تثنیہ شرع "Deuteronomy" کے باب 18 کی آیت نمبر 18** میں کی گئی ہے۔

(سوچئے۔۔۔!!!)

(بالآخر۔۔!!!) وہ نبی کون ہے؟

کون ہے وہ نبی جس کی بعثت سے متعلق تثنیہ شرع "Deuteronomy" کے باب 18 کی آیت نمبر 18 میں پیشگی اطلاع دی گئی ہے۔آیئے اپنے آپ سے ایک سوال پوچھتے ہیں!

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ

''ان کے بھائیوں کے درمیان سے''

سوال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی کون لوگ ہیں۔ہمیں اس بات کا اشارہ

(کلامِ مقدس، عہد نامہ عتیق۔۔۔کی کتاب تکوین (Gensis) کے باب نمبر 16 کی آیت نمبر 12 اور پھر **تکوین ہی کے باب نمبر 25 کی آیت نمبر 18** سے ملتا ہے یہ دونوں آیتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ بنی اسرائیل ہی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل کے بھائی ہیں۔

سو بائبل کے اپنے اندر ہی اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل کے لوگوں کو بنی اسرائیل کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

اور بائبل کی عبرانی زبان کی ڈکشنری تو اس بھائی بندی (یعنی بھائی بھائی ہونے) کو یوں بیان کرتی ہے کہ

''اس سے مراد کسی خاص گروہ کی تشکیل و تجسیم ہے جو بنی اسرائیل کے انتہائی قریبی رشتہ دار سمجھے جاتے تھے!

سو، یہ بالکل واضح ہے کہ

''ان کے بھائیوں کے درمیان سے'' مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے نبی کو مبعوث کرنے والا ہے۔ جو موسیٰ کی طرح ہوگا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہوگا اور وہ میرے کلام کو میرے نام سے کہے گا۔ اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا۔

آیئے! ''کالن ڈکشنری آف بائبل'' "Collin's Dictionary of Bible" میں سے

اور اس کتاب

What the Bible says about Mohammad

میں سے ایک اور انتہائی دلچسپ حوالہ پڑھتے ہیں

''بائبل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کیا کہتی ہے'' آپ اس کتاب کو انٹرنیٹ پر دیکھ سکتے ہیں اور بیشتر مقامات سے اسے آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں!

آیئے، دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے!

ایک مدبر اور قانونِ خداوندی کو متعارف کروانے کے اعتبار سے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے یہودیوں کو منظم کیا۔ انہوں نے سامی لوگوں کو متفرق طبقات میں بٹا ہوا پایا جن کے مقدر میں سوائے غلامی کے اور کچھ نہ تھا۔ اور جن کے دین کا تصور بالکل غیر واضح تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں میدانِ عمل میں اتارتے ہوئے ایک قوم کی صورت میں یکجا کر دیا۔

قانون اور شریعتِ خداوندی سے انہیں قومی اور دینی غیرت عطا کی۔ اور ان کے لئے قادرِ مطلق کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات چنا گیا۔

انتہائی تحمل سے یہ بات ذرا غور سے سنیے (پڑھیے) گا!!!

تاریخِ بنی آدم میں وہ واحد ہستی جس کا موازنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا جا سکتا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ ہے حوالہ بائبل کی ڈکشنری سے!

وُہ اکلوتی ہستی جسے شریعتِ خداوندی کے نفاذ میں موسیٰ سے تشبیہ دی جا سکتی ہو۔

(ان سے موازنہ کیا جا سکتا ہو) وہ پاک ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی ہے!

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مبعوث فرمائیں گے۔۔!

قرآنِ مجید کی ہر سورت، (سوائے سورۃ توبہ کے۔مترجم) ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے شروع ہوتی ہے۔(اب) یاد کریں **تثنیہ شرع "Deuteronomy"** کے

باب نمبر 18 کی وہ آیت نمبر 18

''وہ میرے کلام کو میرے نام سے کہے گا''

جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وُہ وہی کچھ بولے گا

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ ۔۔۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾

(سورۃ نجم، آیت نمبر 3۔4۔مترجم)

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش سے، اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو اس وحی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ان پر نازل کی جاتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے متعلق نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ہیں تو وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کہتے۔۔نہ ہی یہ کلام ان کا اپنا من گھڑت ہوتا ہے!

وہ تو صرف وہی کچھ کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے۔ یہ وہی بات ہے (بعینہٖ ایسے ہی ہے) جیسا کہ

تثنیہ شرع "Deuteronomy" کے باب نمبر 18 کی آیت نمبر 18 میں کہا

گیا ہے۔ یقینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز ہرگز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو معجزانہ طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوئے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، دونوں کے، قانونِ فطرت کے عین مطابق والد تھے!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش ان کی ماں نے کی جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں ہی بچپن میں یتیم ہو گئے تھے۔

حضرت عیسیٰ تو بذاتِ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پیروکار تھے۔ جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔ بالکل اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔۔۔

ان دونوں پیغمبروں۔۔۔ اور اسی طرح تمام تر پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شہر بدر کیا گیا اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شہر بدر کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے لوگوں، اپنے پیروکاروں کے سردار اور حکمران بھی تھے اور ان پر وحی بھی اترتی تھی۔ وہ ایک پیغمبر بھی تھے۔

بالکل اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے لوگوں کے سردار، رہنما اور حکمران بھی تھے اور پیغمبر بھی تھے۔ یہ تو مَیں محض چند ایک مثالیں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ لیکن جب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دونوں کی مبارک ہستیوں) کا

آپس میں موازنہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ دونوں پیغمبروں میں کمال درجے کی مماثلت ہے!

اب ذرا سوچئے!!

اس پیشین گوئی پر کون بالکل پورا پورا اترتا ہے

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے۔۔

بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح۔۔۔

اور پھر۔۔۔ یقینا دونوں نے تبلیغ کیا کی؟ (یہی۔۔۔)

کہ، خدا ایک ہے، صرف اسی کی عبادت کرو، خدا جیسی کوئی بھی چیز اس کائنات میں ہے ہی نہیں۔۔۔ اور یہ کہ آپ سب کو کلام الٰہی کی روشنی میں اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کرنا چاہیے۔

یہ تھیں وہ تعلیمات جن کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کی اور یہی وہ تعلیمات ہیں جن کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کی۔ اور ہمارا پختہ ایمان ہے کہ یہی (تو) وہ تعلیمات ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تبلیغ کی۔

یہ ہیں چند ایک وہ قابلِ غور اور فکر پر مجبور کر دینے والے حوالہ جات کہ واقعتاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ہستی ہیں جن کے متعلق بائبل میں پہلے ہی سے بتا دیا گیا تھا۔

اس سے اگلی قسط (یعنی آئندہ کے بیان) کے لئے ہمارے ساتھ ساتھ رہنا مت بُھو لیئے گا۔

(دلائل و براہین سے مزین) ان ثبوتوں اور شہادتوں کے لیے کہ

"بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔"

سو، تب تک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ کرے کہ آپ سب لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن، سلامتی اور اس کی رحمتوں کا نزول ہو اور وہ ہم سب لوگوں کو حق کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

باب نمبر 13

محمد ﷺ کا تذکرہ بائبل میں

(حصہ دوم)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ اس کی طرف سے آپ پر سلامتی ہو اور آپ پر اس کی رحمتوں کا نزول ہو۔

ایک مرتبہ پھر میں آپ کو (دلائل و براہین سے مزین) ان شہادتوں کے لیے جو اس ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ اسلام ہی دینِ برحق ہے اپنے اس پروگرام میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

ہم آج (اس بیان میں) بھی اسی موضوع یعنی۔۔''محمد ﷺ کا تذکرہ بائبل میں'' پر بات کریں گے۔

ہم بائبل میں سے کچھ ایسی آیات کا حوالہ دے کر بات کرتے چلے آرہے تھے جو واضح طور پر یہ نشاندہی کرتی ہیں کہ ہاں حضرت محمد ﷺ ہی اللہ کے وہ رسول ﷺ ہیں جن کے متعلق کتابِ مقدس میں پہلے ہی سے بتادیا گیا تھا۔

وُہ آیات جن کو پڑھ کر کتنے ہی اہلِ کتاب، کٹر بنیاد پرست یہود و نصاری، عیسائی مبلغین حتیٰ کہ بادشاہ تک یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ یقینا محمد ﷺ واقعی ایسے رسول ﷺ اور خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ ہونے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔

آیئے **(عہد عتیق، اسفارِ نبوت) بائبل کی کتاب اشعیا (Isaiah)** سے حوالہ لیتے ہیں۔

اِس کتاب کے **باب نمبر 29 کی آیت نمبر 12** کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہاں ذی شعور لوگوں کے لئے نہایت ہی اہم نکتہ ہے اوراس میں یہ کہا گیا ہے کہ

''پھر وہ کتاب اس کو دیں جو پڑھنا نہیں جانتا اوراس سے کہیں کہ پڑھ اور وہ کہے کہ میں پڑھنا نہیں جانتا ہوں۔''

یہ حوالہ نہایت ہی توجہ طلب ہے!

یادرکھیں کہ حضرت محمد ﷺ کو ایک اُمّی رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔۔۔ ایک ایسی ہستی جو پڑھی لکھی نہ تھی۔! محمد رسول اللہ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

محمد رسول اللہ ﷺ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بالکل برعکس کتاب پڑھ ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) جو کٹر مذہبی جنونیوں کے درمیان پروان چڑھے اور جنہوں نے کم عمری ہی میں شریعت کے متعلق اپنے علم کو ظاہر کرکے لوگوں کو حیران کردیا تھا۔ سو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت کے واقف کار اور پڑھے لکھے تھے۔ لیکن محمد ﷺ مشرکینِ عرب کے درمیان پلے بڑھے۔ ان لوگوں کو تو کلامِ مقدس کے متعلق کوئی شناسائی ہی نہ تھی۔ ماسوائے بنی اسرائیل کے چند لوگوں اور یہودی قبائل کے چند لوگوں کے ۔۔ اکثریت کو (کلامِ مقدس سے) کچھ شناسائی نہ تھی۔ اور حضرت محمد ﷺ خود بھی پڑھے لکھے نہ تھے اسی لئے آپ ﷺ کو اُمّی کہا جاتا تھا۔ اور یہ بالکل وہی بات ہے جو کہ بائبل میں بیان کی گئی ہے۔ اور کتاب۔۔۔!!!

آپ جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید کا ایک نام الکتاب بھی ہے

''پھر وہ کتاب اس کو دیں جو پڑھنا نہیں جانتا''

یعنی جو اُمیّ ہے۔اور اس سے کہیں کہ اس کو پڑھ۔

عربی زبان میں اس سے مراد ہے۔۔۔ اقرأ،

اقرأ۔۔۔

سب سے پہلی آیات جو اللہ کریم نے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیں۔ یہ تو سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ وہ آیات کیا تھیں۔

حضور اکرم ﷺ جبلِ نور پر غور و فکر میں مصروفِ عمل ہیں، آپ وہاں بیٹھ کر، مکہ کو دیکھتے ہوئے غور و فکر فرما رہے ہیں۔ چونکہ آپ اہلِ مکہ کی اذیتوں سے بچ کر (اکثر اوقات غور و فکر کے لیے) وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔آپ ﷺ مشرکینِ مکہ کے متعلق اور اسی طرح خالقِ کائنات، تخلیق کائنات اور بنی نوع انسان کے متعلق بھی غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں رمضان المبارک کی ایک رات کو جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس تھی تو ایک فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس حاضر ہوتا ہے اور ان سے عرض کرتا ہے کہ:

اقرأ

اس پر نبیء کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام دوبارہ عرض کرتے ہیں

اقرأ۔۔۔

اس مرتبہ وہ نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سینے سے لگا کر بھنیچتے ہیں ۔ ۔اور نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرتبہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔اس مرتبہ جبرائیلِ امیں انہیں اورزیادہ زور سے بھنیچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''اقراء''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں کیا پڑھوں!

یہ بالکل وہی بات ہے۔۔

کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ میں کیسے پڑھوں۔۔(یعنی۔۔۔) میں تو ان لوگوں جیسا نہیں ہوں جو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔

یہ بالکل وہی بات ہے جس کا ذکر بائبل کی کتاب ''اشعیا'' کے باب نمبر 29 کی آیت نمبر 12 میں کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شک ہو تو آپ خود یہ حوالہ دیکھ سکتے ہیں! اور یہاں مجھے لازماً اس بات کو تسلیم کرنا چاہیے کہ جب میں خود بحیثیت ایک ایسے عیسائی کے جو کہ بائبل کی تعلیمات سے شناسا تھا، پہلی مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات کو پڑھ رہا تھا۔۔۔تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بائبل کا یہ حوالہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے متعلق اس پیراگراف پر کتنا پورا اترتا تھا، جو اس وقت میں پڑھ رہا تھا۔

اور پھر اس واقعے سے کیا ہوا، اس کا تذکرہ میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔۔۔(یعنی ایسے کئی حوالہ جات نے قبولیتِ حق کے لیے میری منزلیں آسان کر دیں۔۔۔مترجم)

یہ واقعی ایک انتہائی کمال درجے کا تجربہ تھا۔

اسی طرح ''اشعیاء''(Isaiah) ہی کے باب نمبر 42 کی آیت نمبر 1 تا 13

(کا آپ بغورِ خاص مطالعہ کریں۔۔۔)۔۔۔(ظاہر ہے۔۔) یہ ساری آیات تو میں یہاں اس وقت نہیں پڑھونگا۔۔مگر آپ کو یہ بتا تا چلوں کہ ان آیات میں ایک ایسی ہستی کا ذکر کیا گیا ہے جو ہستی اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے!

اس ہستی کا ذکر''قیدار'' کی نسل میں سے کیا گیا ہے۔آیئے، پرکھتے ہیں کہ''قیدار'' کون ہے؟

قیدار در حقیقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ہیں۔

(اور وہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباواجداد میں سے ہیں۔

تورات کے ان حوالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہودی بنی اسرائیل میں سے ایک رسول کے مبعوث ہونے کے منتظر تھے۔وہ رسول جو کہ قیدار کی نسل میں سے ہوگا، وہ ایک شریعت لائے گا۔۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہوگا۔۔۔یہی وجہ ہے کہ کئی ایک وہ عیسائی جنہوں نے عہد نامہ قدیم تورات کو پڑھا ہے۔۔یا جو بھی مقدس صحیفے ان کے پاس تھے ان کو پڑھا ہے وہ بھی آنے والے پیغمبر کی ان خصوصیات کو (دل سے) تسلیم کرتے ہیں۔

اناجیل۔۔یعنی عہد نامہ جدید کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

کیا ان اناجیل میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے متعلق کچھ اشارہ جات ہیں کہ نہیں۔۔؟؟

جی ہاں۔۔اِن اناجیل۔۔میں بھی ایک عبارت ایسی ہے۔۔مگر اس عبارت سے متعلق کافی اختلافات ہیں۔حتیٰ کہ۔۔ یہاں آپ کو ایک حقیقت بتا تا چلوں کہ (اس عبارت سے متعلق) عیسائیوں کے اپنے مابین بہت سارا اختلاف پایا جاتا ہے۔

لیکن آیئے اس آیت کو پڑھتے ہیں۔

یہ مقدس یوحنا(The Book of John) (عہد نامہ جدید) کے باب نمبر 14 کی **آیت نمبر 16** میں درج ہے کہ

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا۔ کہ جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔''

سو، انگریزی میں اس کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ ہے "Comforter" اس سلسلے میں کافی اختلاف ہے۔ کہ اصل یونانی لفظ ''پیراکلیٹ'' کا صحیح صحیح مطلب کیا ہے۔ لیکن کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ **عربی زبان میں اس لفظ (پیراکلیٹ) کا متبادل ''احمد'' ہے۔** ''احمد'' ہی وہ نام ہے جو قرآنِ مجید میں رسولِ خدا حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آیا ہے۔ یہ نبی ءکریم، حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے۔ اور یہ وہ نام ہے جس سے قرآنِ مجید میں ان کا ذکرِ خیر کیا گیا ہے۔

اور قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''اناجیل'' بھی انہیں احمد کے نام ہی سے پکاری جاتی ہیں۔۔

(جیسا کہ سورۃ الصّف کی آیت نمبر 6 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل!

میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔مترجم)

اور دراصل لفظ احمد کا مطلب ہے "Comforter" یا یہ عبرانی زبان کے لفظ ''پیراکلیٹ'' کا ہم معنی ہے۔

''وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔'' (سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی)۔۔۔آخری ہستی (خاتم النبیّین)۔

آیئے مقدس یوحنا "The Book of John" کے باب نمبر 15 کی آیت نمبر 26 کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں۔

''مگر جب وہ وکیل آئے گا جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح الحق جو باپ کی طرف سے منبثق ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔''

اور یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ایک حقیقت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

قرآنِ مجید میں کئی مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہوا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی تعلیمات) نے تو اسے ہمارے دین کا ایک جزو بنا دیا ہے کہ جب تک ہم لوگ (یعنی مسلمان) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے

تب تک ہم (سچے) مسلمان ہونے کے اہل ہی نہیں ہوتے۔

سو، اس اعتبار سے بھی ہم یقینی طور پر (دل سے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے ہیں، کہ وہ اللہ کے رسول تھے اور بنی اسرائیل کی طرف المسیح بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ایسے کسی بھی جھوٹے دعوے پر مبنی نہیں ہے کہ وہ معاذ اللہ خدا بھی ہیں اور خدا کے بیٹے بھی ہیں۔

ہمارا تو ایمان ہے کہ (ایسا کہنا) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شانِ اقدس میں سراسر گستاخی ہے نافرمانی ہے۔

سو، یاد رکھیں کہ **مقدس یوحنا "The Book of John"** کی کتاب کے باب **نمبر 14** کی آیت **نمبر 26** ہمیں بتاتی ہے کہ

"لیکن وہ وکیل یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے تمہیں یاد دلائے گا۔"

اسی طرح **مقدس یوحنا "The Book of John"** ہی کے باب **16** کی آیات **نمبر 7 تا 14** میں کہا گیا ہے کہ

"لیکن میں تو سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ وکیل تمہارے پاس نہیں آئے گا لیکن میں اگر جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور جب وہ آئے گا تو دنیا کو

گناہ اور صداقت اور عدالت کے بارے میں تقصیر وار ٹھہرائے گا۔''

اس مقام پر ایک نہایت ہی اہم بات کا ذکر کرتا چلوں۔ کچھ عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہے، یہ دلیل ہے کہ یہاں، وکیل "Comforter" سے مراد روح القدس ہے۔

۔۔وُہ روح القدس جو ان کے جذبوں کو جلا بخشتی ہے، مختلف زبانیں بولنے میں ان کی مدد کرتی ہے، اور یہی وہ روح القدس ہی تو ہے جو ان کو روحانی ترقی عطا کرتی ہے ان کی راہنمائی کرتی ہے۔

لیکن یہاں تو ایک (الجھن ہے، ایک) مسئلہ درپیش ہے!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو یہ ہے کہ

''کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ وکیل تمہارے پاس نہ آئے گا''

حالانکہ وہ روح القدس تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے ان کے حواریوں کے ساتھ تھی۔

سو، اس اعتبار سے یہ دعوی کرنا کہ (یہاں) اس "Comforter" سے مراد روح القدس ہے تو یہ بات تو عیسائیوں کے عقیدے کے اعتبار سے ان آیات کی صحیح ترجمانی ہی نہیں کرتی۔

اور اگر ''روح القدس'' سے مراد ہم جبرائیلِ امین لیں۔۔ جیسا کہ ہم مسلمانوں کا ان کے متعلق عقیدہ ہے۔۔ روح القدس (Holy Spirit)۔۔"spirit" یعنی روح ۔۔(اور۔۔۔)"Holy" یعنی مقدس

تو روح القدس (سے مراد پھر) وہی فرشتہ ہیں (یعنی)، جبرائیل امین جو وحی لے کر

آتے رہے۔

سو، اس کا مطلب ہے کہ نئی وحی نہیں آئے گی۔ وہ وکیل نئی وحی کے ساتھ نہیں آئے گا ۔۔ جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام چلے نہیں جاتے!

یعنی سادہ الفاظ میں "**احمد**"۔۔۔"**محمد**" کے آنے کے لیے جانا ہوگا۔

اوران آیات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ

"اور جب وہ آئے گا تو دنیا کو گناہ اور صداقت اور عدالت کے بارے میں تقصیروار ٹھہرائے گا۔۔"

گناہ کے بارے میں۔۔اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔اس سے مراد ہے کہ وہ لوگ سچے دل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خدا۔۔۔ یا خدا کے بیٹے کے طور پر نہیں بلکہ المسیح کے طور پر ہی ایمان نہیں رکھتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسا عقیدہ تو سراسر جھوٹ ہے۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر المسیح کے طور پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ یہ ہے وہ بات جو خود ان کے اپنے صحیفوں میں بیان کی گئی ہے۔

صداقت کے بارے میں اس لئے کہ

"میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے!"

یعنی دوسرے الفاظ میں اگر لوگوں کے ساتھ رسول نہیں ہے تو پھر ان کے لئے یہ بات انتہائی مشکل ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پانے کے لیے خدا کے احکامات کی پیروی کر سکیں۔

عدالت کے بارے میں اس لئے کہ اس دنیا کے سردار پر فتوی لگایا گیا ہے،

میرے پاس اور کتنی ہی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں مگر تم اب ان باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ ("Comforter"۔۔۔''احمدؐ''۔۔) روح القدس آئے گا تو وہ ساری سچائی کے لئے تمہاری ہدایت کرے گا۔کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کچھ کہے گا۔

کیا آپ کو کچھ یاد آیا کہ ہم نے ''اشعیاء'' (Isaiah) میں کیا پڑھا تھا۔ہم نے **تثنیہ شرع "Deuteronomy" کے باب نمبر 18 کی آیت نمبر 18 میں** کیا پڑھا تھا۔

(''وہ میرے کلام کو میرے نام سے کہے گا''۔۔۔مترجم)

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جنہیں دہرایا جا رہا ہے، یعنی۔۔۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴

(سورۃ نجم، آیت نمبر 3۔4۔۔۔مترجم)

وہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں بولتا۔وہ تو وہی کہتا ہے جو اسے وحی کیا جاتا ہے۔عیسیٰ علیہ السلام ان الفاظ کو بار بار دہرا رہے ہیں۔

۔۔(اور حضرت عیسیٰ ان کے متعلق مزید فرماتے ہیں کہ) اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔

۔۔(اس سلسلے میں) ایک نہایت ہی اہم بات جس کا تذکرہ ہم آئندہ کے بیان میں کریں گے۔۔وہ ہے،

حضرت محمد ﷺ کی پیشین گوئیاں۔کہ۔۔۔نبی ء کریم ﷺ نے

جو جو پیشین گوئیاں کیں وہ کیسے حق سچ ثابت ہوئیں۔

اور ان میں سے کچھ (پیشین گوئیاں) تو ایسی ہیں جنہیں آج ہم اپنی نظروں کے سامنے پوری ہوتی ہوئی دیکھ سکتے ہیں۔

۔۔پھر اس آیت پر غور کریں۔۔۔

''اور وہ میری بزرگی کرے گا۔''

(سوچیے۔۔) اس کا کیا مطلب ہے، وہ کیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی بیان کرے گا۔۔؟

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حق بات کہے گا، اور لوگوں کو ان جھوٹوں سے اجتناب کرنے کو کہے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گھڑ لئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مجھ سے پا کر تمہیں خبر دے گا۔

ہم مقدس یوحنا کے باب 16 کی آیات 7 سے لے کر 14 تک کا ذکر کرتے چلے آ رہے ہیں۔

جو کہ دراصل۔۔**"Comforter"**۔۔۔**''پیراکلیٹ''** سے متعلق ہیں۔ ہم اس عبارت کے متعلق پہلے بات کر چکے ہیں کہ اس پر کافی اختلافات ہیں، حتیٰ کہ عیسائیوں کے اپنے مابین (اس عبارت سے متعلق) کئی اختلافات ہیں۔

لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ

روڈآف بوتھمن مقدس یوحنا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

وہ لکھتا ہے کہ ''وہ (وکیل) پیراکلیٹ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

جوڑ کی کوئی ہستی ہے!

اور یہ نتیجہ اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ یہ صفت دونوں (ہستیوں) کے لیے یکساں موزوں ہے۔

یعنی حضرت عیسیٰ کے لیےاور "Comforter" وکیل کے لیے بھی۔!

سواس لحاظ سے وہ بالکل حضرت عیسیٰ جیسا ہوگا۔

یعنی وہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔اور یہ بات **مقدس یوحنا کے باب نمبر 14 کی آیت نمبر 16** سے بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس میں دوسرے وکیل کو بھی بھیجنے کا ذکر ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے جانشین کو بھیجنے کا ذکر ہے۔

یعنی یکے بعد دیگرے!

سوہمیں یہاں (اس آیت سے) سیکھنے کواور سمجھنے کو کیا ملتا ہے۔

(یعنی۔۔) جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ اس لفظ "Comforter" وکیل کا استعمال کیونکراور کیسے صرف اورصرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی موزوں ترین ہے۔

مقدس یوحنا کے اس باب کی یہ آیات وہ آیات ہیں جن کو عیسائیوں نے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی طرف ایک حوالہ قرار دیا ہے۔

کیونکہ اگر آپ (بالکل غیر جانبدار ہوکر) ہماری دیگر شہادتوں کو اکٹھا کریں۔۔۔پھر عہد نامہ قدیم توریت کے اُن حوالہ جات کو اکٹھا کریں جو ہم **تثنیہ شرع "Deuteronomy"** میں سے بیان کرتے رہے ہیں۔۔

(اور پھر ان کو پرکھنے کی کوشش کریں) کہ کس طرح بنی اسمٰعیل میں سے اللہ تعالیٰ ایک عظیم امت پیدا کرے گا۔

تو سوچیے۔۔۔

کہ اس وقت کرۂ ارض پر بنی اسمٰعیل کی نسل میں سے پائی جانے والی وہ عظیم ترین اُمت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پیروکاروں کے سوا کون (سی امت) ہے!

سوچیے۔۔

کہ (کیا یہی وہ امت نہیں ہے) جس کی عظیم ترین تہذیب کی تو بنیاد ہی عقیدۂ توحید پر رکھی گئی ہے۔

(یعنی)۔۔صرف اور صرف خالقِ ارض وسما اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش پر رکھی گئی ہے۔

قرآنِ مجید تو ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سب کا ادب واحترام کریں۔

(اسی طرح) بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے حضرت نوح علیہ السلام کا ادب واحترام کریں۔ کیونکہ ان سب (پیغمبروں) کا ذکر قرآنِ مجید میں ملتا ہے۔

تو۔۔ (سوچیے۔۔۔)

کہ یہ عظیم امت، اس (امتِ محمدیہ) کے سوا اور کون سی امت ہے؟

(غور کیجئے کہ)

اگر یہ امت، یہ قوم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت یا ان کی قوم نہیں ہے تو پھر (بالآخر) یہ (امت) کون سی امت ہے؟

سو،

اگر آپ کوئی عیسائی ہیں، یا یہودی ہیں جو میرے اس پروگرام کو دیکھ رہے ہیں (یعنی اس بیان سے استفادہ کرر ہے ہیں) تو میں آپ سے امیدِ واثق رکھتا ہوں کہ یہ مقام آپ کے لئے لمحہ فکر یہ ہے۔

یقین کیجئے کہ

یہ صرف اور صرف امتِ مسلمہ ہی ہے جس کا ایمان اور عقیدہ ایسے دلائل و براہین سے اور زیادہ پختہ ہوتا ہے۔

اب میں آپ کے سامنے ایک انتہائی دلچسپ واقعہ پڑھنے لگا ہوں۔۔

یہ ہے تو قدرے لمبا واقعہ لیکن یہ ایک ایسا مبہوت کر دینے والا واقعہ ہے جو پڑھنے اور سننے کے لائق ہے۔

یہ واقعہ ایک ایسے شخص کا ہے جس کا نام **''این سیلِم تور میدا''** "Anselm Tormeeda" تھا۔

وُہ ایک پادری تھا، یعنی عیسائیت کا عالم تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ایک کتاب لکھی۔۔(جس کا نام تھا)

"The Gift to the Intelligent for Refuting the Arguments of the Christians"

اِس نے اس کتاب کے دیباچے میں وہ مکمل واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ کیونکر مسلمان ہوا۔

یقینا یہ دیباچہ اس پیرا کلیٹ، (یعنی Comforter وکیل) کے حوالے سے، کہ بالآخر وہ پیرا کلیٹ (Paraclete) ہے کون۔۔دل کو موہ لینے والا ہے!

گو یہ کہانی قدرے لمبی ہے، مگر انتہائی دلچسپ ہے، سو، میری پوری کوشش ہوگی کہ اس کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ، اسے آپ کے لئے نصیحت آموز ثابت کرسکوں۔

سب سے پہلے تو یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ''این سیلمِ تورمیدا'' ''میجورکا'' "Majorca" کے شہر میں پیدا ہوا۔ اور جیسا کہ وہ خود اس کا ذکر کرتا ہے کہ اس شہر کی بندرگاہ پر بڑے بڑے بحری جہاز تجارت کی غرض سے مختلف قسم کی مصنوعات (کا تجارتی سامان) لے کر لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔

اور وہ ذکر کرتا ہے کہ اس کا شہر۔۔۔ایک ہی وقت میں ایک شہر بھی تھا۔۔اور جزیرہ بھی تھا۔

وہ کہتا ہے کہ اس کا باپ اس شہر کا ایک انتہائی معزز شخص تھا اور وُہ اپنے اس معزز باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب اس کی عمر 6 سال کی ہوئی تو انجیلِ مقدس اور اپنے دین (عیسائیت) کی تعلیم کے حصول کے لیے اسے ایک پادری کے پاس بھیج دیا گیا۔

کیونکہ ان دنوں میں معمول یہ تھا کہ صرف پادری ہی ان علوم کے ماہر ہوتے تھے۔

یہی لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور ان میں سے کئی ایک تو فلسفہ کے تعلیمی میدان میں بھی نمایاں تربیت یافتہ ہوتے تھے۔

سو، (وہ لکھتا ہے کہ) اس نے 6 سال کے عرصے میں اناجیل کی اور اپنے مذہب کے فقہ کی تعلیم مکمل کر لی۔ یعنی اس وقت اس کی عمر 12 سال ہو چکی تھی۔

وہ لکھتا ہے کہ میں گرجا گھر کے اندر ہی ایک معمر (عمر رسیدہ) پادری کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

وہ بزرگ (عمر رسیدہ، معمر) پادری، اپنے علم، اپنے دین پر عمل پیرا ہونے اور اپنے

تقویٰ کی وجہ سے بہت زیادہ عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وہ بات تھی جس نے اسے دیگر عیسائی پادریوں سے ممتاز کر رکھا تھا۔

اس بزرگ پادری کے پاس اس کی رائے لینے کے لیے، تحائف کے ساتھ ہر طرف سے، حتیٰ کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف سے بھی درخواستیں اور التجائیں آتی رہتی تھیں!

(درخواستیں دینے والے اور التجائیں کرنے والے یہ سب) لوگ فخر سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ان کے تحفے تحائف قبول کر کے ان پر نظرِ کرم فرمائے گا۔

(وہ لکھتا ہے کہ) اس پادری نے مجھے عیسائیت کے اصول وضوابط کی تعلیم دی۔ اور میں اس کی خدمت اور اس کی معاونت کی وجہ سے اس کے بہت قریب ہو گیا۔

یہاں تک کہ میں اس کا سب سے زیادہ قابلِ بھروسہ معاون بن گیا اس حد تک کہ وہ اس اعتماد کی وجہ سے اپنے کمرے کی چابی تک مجھے دے دیتا تھا۔

گرجا گھر کی چابی، اور کھانے پینے کی اشیا کے کمروں (stores) کی چابیاں تک مجھے دے دیتا تھا۔ اپنے پاس وہ صرف اُس چھوٹے سے کمرے کی چابی رکھا کرتا تھا جس میں وہ سویا کرتا تھا۔

میں یہ سمجھتا تھا، اور اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بہتر جانتا تھا کہ شاید اس نے اس کمرے میں اپنا کوئی خزانہ رکھا ہوا ہے، (وہ لکھتا ہے کہ) میں تھا کہ گذشتہ 10 سالوں سے اس کے ساتھ ایک طالب علم اور اس کے خدمت گار کے طور پر رہ رہا تھا۔

پھر (حسنِ اتفاق سے) وہ بیمار ہو گیا اور اپنے ساتھیوں، یعنی دیگر عیسائی پادریوں کے اجلاس (گفت وشنید اور بحث ومباحثوں۔۔۔) میں شرکت کرنے کے قابل نہ رہا۔

سو، اس کی عدم موجودگی میں دیگر پادریوں (عیسائی علماء) نے کچھ مذہبی نکات پر بحث ومباحثہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ (عیسائی علماء) اس نتیجہ خیز مقام (پیغام) پر پہنچے جو انا جیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا۔

یہی۔۔یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے گا جسے ''پیراکلیٹ'' کہا جاتا ہے۔

یہ ایک انتہائی دلچسپ امر ہے کہ اس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے گا جسے پیراکلیٹ (Paraclete) کہا جاتا ہے۔

ان (تمام تر پادریوں نے) اس نبی کے بارے میں کافی بحث کی۔ اور اس پہلو پر بھی کافی گفت وشنید کی کہ تمام تر انبیاء میں سے بالآخر وہ نبی کون سا ہے!

ہر پادری نے اپنی اپنی بصیرت ودانائی کے اعتبار سے اپنی اپنی رائے تو دی۔۔مگر ۔۔ان کا یہ بحث ومباحثہ کسی بھی نتیجہ خیز انجام پر پہنچے بغیر ختم ہوگیا۔

(وہ مزید لکھتا ہے کہ) میں اپنے (اس بزرگ، استاد) پادری کے پاس چلا گیا۔

حسبِ معمول، (میرے استادِ محترم) اس بزرگ پادری نے مجھ سے پوچھا کہ اُس دن (یعنی)، اُس اجلاس میں کون کون سے معاملات زیرِ بحث آئے تھے! سو، میں نے اس بزرگ پادری سے، دیگر (اجلاس میں شریک) تمام پادریوں کی، اس لفظ ''پیراکلیٹ'' (Paraclete) کے متعلق دی گئی آراء کا ذکر کیا۔

اور میں نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ کس طرح انہوں نے کسی نتیجے پر پہنچے بغیر اس اجلاس کو ختم کر دیا تھا۔ اس پر اس بزرگ پادری نے مجھ سے پوچھا۔

''تو تم نے (اس سلسلے میں اپنی) کیا رائے دی؟

میں نے کہا کہ میں نے بھی اپنی رائے دی جو کہ دراصل کسی بہت ہی مشہور مفسر کی

کتاب میں سے لی گئی تھی۔اس پر (یعنی میری بات سن کر) میرے بزرگ پادری نے کہا کہ میری رائے سچ کے بہت قریب تھی۔جب کہ دوسرے پادری غلطی پر تھے۔

(میرے بزرگ پادری نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ) لیکن ۔۔میرا بیٹا، جو سچ ہے وہ ان تمام تر آراء سے یکسر مختلف ہے!

۔۔کیوں ۔۔؟ کیونکہ اس مقدس نام ''پیراکلیٹ'' (Paraclete) کی صحیح تفسیر اور معانی تو گنتی کے صرف چند پڑھے لکھے علماء ہی جانتے ہیں۔جب کہ ہمارا علم تو بہت محدود ہے۔

میں نے جھک کر ادب واحترام کے ساتھ (اپنے استادِ محترم کو) سلام پیش کیا، اس کے قدموں کو بوسہ دیتے ہوئے اس سے عرض کیا کہ

حضور!!!

آپ تو جانتے ہی ہیں کہ (تلاشِ حق کیلیئے) میں دور دراز کے ایک ملک سے سفر کی کتنی ہی صعوبتیں اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد، آپ تک پہنچا ہوں۔

گزشتہ 10 سال سے میں آپ کی خدمت میں لگا ہوا ہوں۔میں نے آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے بہت زیادہ علم بھی حاصل کیا ہے۔

سو خدا کے لیے ۔۔مجھ پر تو نظرِ کرم کیجئے!

خدارا اس خادمِ خاص کو تو اس (پیراکلیٹ (Paraclete) کا نام بتا دیں۔

(میری اس بات پر تو) وہ بزرگ پادری زاروقطار رونا شروع ہو گیا۔۔اور اس نے کہا

میرے پیارے بیٹے

بخدا تم، مجھے بہت ہی عزیز ہو، میں جانتا ہوں کہ اتنے عرصۂ دراز سے تم میری

بے لوث خدمت کرتے چلے آ رہے ہو۔۔۔(اگر واقعی) جاننا ہی چاہتے ہو تو سن لو، کہ اس نام کے متعلق جاننے میں ایک بہت بڑا فائدہ بھی ہے مگر۔۔۔اس کے ساتھ ساتھ اس (نام کے متعلق جاننے) میں ایک بہت بڑا خطرہ بھی پنہاں ہے۔

۔۔۔کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ جونہی تمہیں اس حقیقت کا پتہ چلا اور اگر عیسائیوں کو تمہاری اس (حقیقت شناسی کی) کسی ایسی کیفیت کا پتہ چلا (انہیں بھنک بھی پڑ گئی) تو تمہیں فی الفور قتل کر دیا جائے گا۔

میں نے حیرانگی و پریشانی سے پوچھا

خدا کی قسم سے۔۔۔!!!

میں نے بزرگ پادری سے عرض کیا کہ مقدس اناجیل کی قسم اور اس ہستی کی قسم جو اس انجیل کو لے کر آئی جو کچھ بھی آپ مجھے بتائیں گے، میں کبھی بھی اپنی زبان نہیں کھولوں گا۔

میں اس راز کو اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپائے رکھوں گا۔

اس پر اس بزرگ پادری نے کہا کہ بیٹا، جب اپنے ملک سے چل کر تم یہاں میرے پاس (عیسائیت کی مذہبی تعلیم کے حصول کی غرض سے) آئے تھے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ آیا وہ مسلمانوں کے قریب ہے؟

اور کیا وہ لوگ آپ پر کبھی چڑھائی بھی کرتے ہیں۔۔۔؟

اور کیا تم لوگ بھی ان پر کبھی چڑھائی کرتے ہو۔۔۔؟

اسلام (اور مسلمانوں) سے متعلق تم سے میرا یہ سوال (دراصل) اسلام (اور مسلمانوں) سے متعلق تمہاری نفرت کو پرکھنے کے لیے تھا۔

تو۔۔میرا بیٹا۔۔۔

اب کان کھول کر سن لو کہ

''پیراکلیٹ''(Paraclete) انہی (مسلمانوں) کے رسول ''محمد'' کا نام ہے!!! ان پر چوتھی کتاب نازل کی گئی جیسا کہ "Daniel" سے روایت ہے

اسی (پیغمبر) کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے جس کا ذکر انجیل میں (بھی) کیا گیا ہے۔

اس پر میں نے متجسس انداز میں اس (بزرگ) پادری سے پوچھا کہ

عالیجاہ۔۔!

تو پھر ان عیسائیوں کے دین (یعنی عیسائیت) کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔۔تو اس بزرگ عیسائی پادری نے کہا بیٹا

''اگر یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ہی عمل پیرا رہتے تو پھر تو واقعتاً یہ لوگ دینِ خداوندی پر ہوتے۔''

۔۔کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا گیا دین اور دیگر تمام تر انبیاء کرام کے لائے گئے ادیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کے سب سچے تھے!

لیکن ان ادیان کے پیروکاروں نے اپنے اپنے دین میں تبدیلیاں کر دیں اور یوں یہ پیروکار اپنے ادیان کے (خود ہی) منکر بنتے چلے گئے۔

میں نے ان سے (بزرگ پادری سے) پوچھا کہ، حضور پھر اس صورتحال میں راہِ نجات کیا ہے!

اس نے کہا،

میرا بیٹا، اسلام کو قبول کرنے ہی میں راہِ نجات ہے،

میں نے اس سے پھر پوچھا۔

کہ کیا جو بھی اسلام قبول کرے گا اس کی نجات ہو جائے گی۔

اس نے کہا۔

''جی ہاں۔۔! اس دنیا میں بھی اور (یقینا) آخرت میں بھی نجات ہو جائے گی۔

میں نے (جرأت کرتے ہوئے) کہا کہ

عالیجاہ!

ہر کسی کو اپنی نجات کی فکر ہوتی ہے۔ تو پھر حضور!!

اگر آپ کو اسلام (کی حقانیت اور اس) کے مقام و مرتبے کا علم ہے تو وہ کون سی چیز ہے جو آپ کو اسلام قبول کرنے سے دور رکھے ہوئے ہے؟

اس پر وہ بزرگ پادری بولا کہ

بیٹا!

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کا راز فاش نہ کیا تھا۔۔ یہاں تک کہ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرا جسم ہے کہ یہ کمزور و ناتواں ہو چکا ہے (میں جانتا ہوں کہ۔۔) یہ ہمارے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ صراطِ مستقیم کی شہادت و گواہی دینے میں ہمارے لئے، راہِ نجات ہے (اس بزرگ پادری نے۔۔۔ انتہائی دُکھ بھرے لہجے میں کہا کہ)

یاد رکھنا۔۔ بیٹا۔۔۔

اگر اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت مجھ پر اس وقت آشکارا کی ہوتی جب کہ میں تمہاری عمر کا تھا۔۔ تو میں دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا دیتا۔ اور اسی دینِ حق کو قبول کر لیتا۔۔۔

مگر بیٹا۔۔(آہ!)اس دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔(بیٹا) کبھی غور تو کرو۔۔دیکھو تو سہی کہ یہ عیسائی لوگ میری کتنی عزت وتکریم کرتے ہیں۔اور میں ہوں کہ کتنے ہی آرام وسکون سے زندگی بسر کررہا ہوں۔

رہی میری بات۔۔تو۔۔(بیٹا)

اگر میں اسلام کے لئے اپنی معمولی سی بھی رغبت کا اظہار کروں تو عیسائی مجھے فوراً قتل کردیں گے!

فرض کرو کہ ان عیسائیوں سے میں بچ جاتا ہوں، اور بھاگ کر مسلمانوں کے پاس جانے میں کامیاب ہوجاتا ہوں۔تو بھلا وُہ(مسلمان) مجھ سے کیا کہیں گے۔

کہ اب(عمر کے اس حصے میں) اسلام قبول کرکے ہم پر اپنا احسان مت جتاؤ۔

۔۔کیوں۔۔کیونکہ تم تو دینِ حق کو قبول کرکے خود کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہو،۔۔وہ دین جو خداوندِ کریم کے عذاب سے تمہیں بچائے گا۔

اس پر میں جو کہ اب 90 سال سے اوپر کا ہوچکا ہوں تو ان کے ہاں ایک مجبور اور بے بس آدمی کی حیثیت سے رہوں گا۔

نہ تو میں ان کی زبان جانتا ہوں۔سو ہوسکتا ہے کہ میں ان کے درمیان بھوکا پیاسا ہی مرجاؤں۔

۔۔گو کہ میں ایک ضعیف العمر شخص ہوں لیکن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مذہب پر ہوں جو وُہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر مبعوث ہوئے تھے!

اور میرے دل کی یہ کیفیت میرے خدا پر بالکل عیاں ہے! سو،(ان کے اس جواب پر) میں نے ان سے عرض کیا کہ عالیجاہ!!!

کیا آپ مجھے نصیحت کریں گے کہ میں مسلمانوں کے ملک میں جا کر اسلام قبول کرلوں؟

تو انہوں نے کہا کہ بیٹا اگر تم واقعی سمجھدار ہو اور اپنے آپ کو عذابِ خداوندی سے بچانا چاہتے ہو تو اسلام قبول کرنے میں دیر مت لگاؤ۔۔جاؤ۔۔اور اسلام قبول کرلو۔۔!!!

لیکن میرا بیٹا (یاد رکھنا) اس وقت جو موضوع ہمارے درمیان زیرِ بحث ہے اس کے حوالے سے، ہمارے سوا یہاں کوئی بھی اور شخص موجود نہیں ہے۔

یہ راز تو صرف اور صرف تمہارے اور میرے درمیان ہے۔۔(بس اب تم۔۔) اپنے آپ کو بچانے کی کوئی ترکیب کرو اور اس راز کو راز ہی رکھنا۔

اگر یہ راز فاش ہو گیا اور لوگوں کو پتہ چل گیا۔۔تو (عیسائی) تمہیں فوراً قتل کر دیں گے۔

میری ذات سے تمہیں ان لوگوں کے خلاف کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔۔اور (ہاں!) اسلام کے متعلق جو کچھ بھی تم نے مجھ سے سنا ہے، نہ تو یہ کچھ انہیں بتا کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچے گا۔

یا یہ کہ تم انہیں بتاتے پھرو کہ میں نے تمہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی ہے!

کیونکہ (ایسے معاملے میں) میں کھلے عام مُکر جاؤں گا۔تمہیں کچھ یاد ہے کہ تمہارے معاملے میں انہوں نے میری شہادت ہی تو قبول کی تھی۔۔!!!

میں نے انہیں (یعنی اس بزرگ پادری سے) ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ میرے وعدے سے مطمئن ہو گئے۔ اور میں نے وہاں سے روانگی کے لئے سفر کی تیاری شروع کردی۔ میں نے انہیں ''خدا حافظ'' کہا جب کہ انہوں نے مجھے (اپنی طرف سے)

50 سونے کے سکے عطا کیے۔

میں بحری جہاز کے ذریعے سے اپنے شہر ''میجورکا'' (Majorca) آ گیا جہاں میں 6 ماہ تک اپنے والدین کے ساتھ رہا۔ پھر میں سسلی روانہ ہو گیا اور وہاں 5 ماہ تک مقیم رہا۔ یہاں میں کسی ایسے بحری جہاز کا منتظر رہا جو صرف مسلمانوں کے علاقوں میں جانے والا ہو۔

بالآخر ایک ایسا جہاز آ ہی گیا جسے تیونس جانا تھا۔ اسی طرح ۔۔(اس کہانی میں) وہ آگے چلتے چلتے

(وُہ یہ بھی) لکھتا ہے کہ وہ تیونس کیسے پہنچا۔۔!

وہ جہاز سے نیچے اترا۔۔تو (حسن اتفاق سے) جن جن عیسائی علماء کو اس کے آنے کی خبر ہو چکی تھی تو وہ سب کے سب اسے خوش آمدید کہنے کے لیے وہاں پہنچ گئے ۔۔۔کیوں۔۔!!

کیونکہ وہ اپنی علمی فضیلت اور مقام و مرتبے کی وجہ سے کافی مشہور و معروف شخصیت بن چکا تھا!

لیکن ۔۔وُہ تھا کہ (اس کو خوش آمدید کہنے کے لیے آنے والے) اُن عیسائی علماء کو ملنے کی بجائے اسلام قبول کرنے کے لیے چل دیا۔۔۔

سو، یہ ہے واقعہ ''این سیلِم تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" کا۔۔کہ اس نے اور اس کے استاد (اس معمر بزرگ پادری) نے کس طرح لفظ ''پیراکلیٹ'' (Paraclete) کی معرفت حاصل کی۔

ہمارے اس پروگرام کی اگلی قسط کے لیے (یعنی آئندہ کے بیان کیلئے)

(دلائل و براہین سے مزین) ان شہادتوں کے لیے ہمارے ساتھ رہیئے گا جو اس ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ اسلام ہی دینِ برحق ہے۔

تب تک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے کہ آپ پر اس کی طرف سے سلامتی ہو اور آپ پر اس کی رحمتوں کا نزول ہو۔ اور اللہ (وحدہ لاشریک) کے حضور دعا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم یعنی دینِ برحق کے قریب تر ہونے کے لئے آپ کی رہنمائی کرے۔ آمین۔

(قارئین کی دلچسپی کے لئے ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" (ابو محمد عبداللہ بن عبداللہ الترجمان) کی یہ ساری داستان میں نے اُس کی اپنی تحریر کی صورت میں اس باب کے آخر میں درج کر دی ہے (مترجم) البتہ اُردو پڑھنے والے قارئین کی دلچسپی کے لئے اتنا عرض ہے کہ اس کے بعد ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" نے (تیونس کے) لوگوں سے پوچھا کہ سلطان کے محل میں کوئی ترجمان ہوگا کہ نہیں؟

ان دنوں ابو العباس احمد وہاں کا سلطان تھا۔ ''این سیلمِ تور میدا'' "Anselm Tormeeda" کو بتایا گیا کہ سلطان کا معالج یوسف جو کہ اُس کا انتہائی قریبی مشیر اور نیک سرشت انسان ہے وہ سلطان کے لئے ترجمانی کا کام کرتا ہے۔ ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" نے اس کے متعلق معلومات حاصل کیں اور پھر جا کر اُسے تنہائی میں ملا۔۔۔ اُسے اپنی ساری داستان سنائی اور اُدھر آنے کی اپنی غرض وغایت بھی بتائی (یعنی اسلام قبول کرنے سے متعلق اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا)۔

سلطان کا وہ معالج اُس کی ساری باتیں سن کر بہت خوش ہوا۔ وہی معالج پھر سلطان سے ملا اور اسے ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" کی ساری داستان سنائی۔۔۔اور اُس کی دلی تمنا سے بھی اُس کو آگاہ کیا۔ سلطان ابوالعباس احمد نے خوشی خوشی ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" کو محل میں باریابی کا شرف بخشا۔۔۔اور یوں وہ سلطان کے حضور پیش ہوا۔ سلطان نے اُس سے پہلا سوال اُس کی عمر کے متعلق کیا ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" نے سلطان کو بتایا کہ اُس کی عمر 35 سال ہے اس کے بعد سلطان نے اُس سے اُس کی مذہبی تعلیمات کے متعلق بھی کئی سوالات کئے ان سوالات و جوابات کے بعد سلطان نے اُس کی آمد کو اُس کی خوش بختی سے تعبیر کیا اور اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔۔۔

۔۔۔مگر۔۔۔اس پر ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" نے اپنے ترجمان (یعنی سلطان کے معالج) کے ذریعے سلطان کو بتایا کہ عموماً جب کوئی شخص اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو اس کے اپنے لوگ اس پر بہت زیادہ کیچڑ اچھالتے ہیں اس نے خواہش کی کہ کتنا ہی اچھا ہو اگر اس شہر کے عیسائی پادریوں اور تاجروں کو دربار میں بلایا جائے اور پھر اُن سے اُس کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے۔۔۔''کہ وہ میرے متعلق کیا کہتے ہیں''۔

اس پر سلطان نے ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" کو کہا کہ ''یہ تو تم وہی بات کر رہے ہو جو عبداللہ بن سلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب وہ اسلام قبول کرنے آئے تھے۔۔۔تو اُنہوں نے کی تھی۔ خیر۔۔۔ سلطان نے شہر کے عیسائی پادریوں اور تاجروں کو بلوا بھیجا اور ''این سیلمِ تورمیدا'' "Anselm Tormeeda"

کو ساتھ والے کسی کمرے میں چھپا دیا۔

پھر سلطان نے اُن پادریوں اور تاجروں سے پوچھا کہ یہ جو بحری جہاز کے ذریعے ایک پادری آیا ہے اس کے متعلق ان سب کا کیا خیال ہے؟

تو وہ سب بولے کہ وہ تو ہمارے مذہب کا بہت بڑا عالم ہے!!!

۔۔۔اور یہ کہ ہمارے دیگر مذہبی علماء کا کہنا ہے کہ مذہبی تعلیمات کا اتنا بڑا عالم ہے کہ اس کا تو (ادھر) کوئی ہمسر ہے ہی نہیں!!!

ان عیسائی پادریوں اور تاجروں کی سب باتیں سننے کے بعد ''این سیلِم تورمیدا'' "Anselm Tormeeda" کو بلا بھیجا اور اُسے ان سب کے سامنے کر دیا۔

۔۔۔اور پھر۔۔۔

سامنے آتے ہی اُس نے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے گواہی دی۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

یعنی یوں اُس نے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا اس پر وہ سب (عیسائی پادری اور تاجر حضرات) تو بوکھلا اُٹھے اور کہنے لگے کہ یقیناً اسے کسی نے شادی کرنے کا لالچ دے کر اسلام قبول کرنے پر راضی کیا ہے۔

اور یوں وہ سب۔۔۔سلطان کو غمزدہ کرتے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔

سلطان نے اُس کے لئے شاہی خزانے سے روزینہ مقرر کر دیا۔ بعد میں الحاج السفار نے اپنی بیٹی اُس کے نکاح میں دے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک بیٹے سے نوازا جس

کا نام اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر محمد رکھا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد پانچ ماہ سے بھی کم ، انتہائی قلیل عرصے میں اُس نے عربی زبان سیکھ لی اور یوں وہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین ایک ترجمان کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا یہی وجہ ہے کہ وہ ابومحمد بن عبداللہ الترجمان کے نام سے مشہور ہو گیا۔۔۔(مترجم)

How Abu Muhammad Abdullah Bin Abdullah (Al-Tarjuman)

The Majorcan became a Muslim

By: Abul-Farag Ibn Ahmad

(a)An ex-priest, Anselm Tormeeda.

(b)The greatest Christian scholar (during) the 14th century.

(c)The author of "The Gift to the Intelligent for Refuting the Arguments of the Christians".

While the Christians were expending all their efforts in disseminating distorted Christianity all over Andalusia after the evacuation of the Muslims, Allah, the Almighty, opened the heart of one of its great scholars to Islam. He submitted sincerely to Allah, and stood upright in obedience to Him and struggled with his hand, tongue and pen in His way.

This man was Sheikh Abu Muhammad Abdullah bin Abdullah

Al-Tarjuman, the Majorcan, who was once a priest called Anselm Tormeeda. He was known as Al-Tarjuman

(The Translator), because in less than five months after embracing Islam, the Sultan appointed him general of the Marine Administration where he learned the Arabic language and became a skillful translator in discussions between Muslims and Christians. After only one year, he excelled in the Arabic language and was appointed as the head of Translation Affairs.

He was famous among the common people with some nicknames; the most popular was Sidi Tohfah, which means "My Master Gift", referring to his famous book

"The Gift To The Intelligent For Refuting The Arguments Of The Christians".

The book was a powerful blow to the structure of Christian belief because it was written by one of the greatest scholars of Christianity in those days, as admitted by Christians themselves. He began his book by mentioning the story of his guidance to Islam; how Allah freed his heart from the slavery of idolatry and polytheism, and how He opened his heart to Islam and filled it with His Light.

What follows is a summary extracted from his story as related in his own words:

"Let it be known to you all, May Allah bless you, that my origin is from the city of Majorca -May Allah return it to Islam- which is a

great city on the sea, between two mountains and divided by a small valley. It is a commercial city, with two wonderful harbours. Big merchant ships come and anchor in the harbour with different goods. The city is on the Island which has the same name - Majorca, and most of its land is populated with fig and olive trees.

My father was one of the respected men in the city. I was his only son. When I was six, he sent me to a priest who taught me to read the Gospel. I memorised more than half of it in a period of two years. Then I began to learn the language of the Gospel and logic, which I finished in six years.

After that, I left Majorca and travelled to the city of Larda, in the region of Castellion , which was the center of learning for Christians, in that region. A thousand to a thousand and a half Christian students gathered there. All were under the administration of the priest who taught them. I studied physical sciences and astronomy for six years. Then I studied the Gospel and its language for another four years.

After that, I left for Bologna in the region of Anbardia. Bologna is a large city, it being the center of learning for all the people of that region. Every year, more than two thousand students gather together from different places. They cover themselves with rough cloth which they call "The Hue of God". All of them,

whether the son of a ruler, or the son of a workman, wear this wrap, in order to make the students distinct from others. Only the priest who teaches them controls and directs them.

I lived in the church with an aged priest. He was greatly respected by the people because of his knowledge, religiousness and asceticism, which distinguished him from the other Christian priests. Questions and requests for advice came to him from everywhere, from Kings and Rulers, along with presents and gifts. They hoped that he would accept their presents and grant them his blessings.

This priest taught me the principles of Christianity and its rulings. I became very close to him by serving and assisting him with his duties until I became one of his most trusted assistants, so that he trusted me with the keys of his domicile in the church and of his food and drink stores. He kept for himself only the key of a small room where he used to sleep. I think, and Allah knows best, that he kept his treasure chest in there.

I was a student and servant for a period of ten years. Then he fell ill and failed to attend the meetings of his fellow priests. During his absence the priests discussed some religious matters, till they came to what was said by The Almighty Allah through His Prophet Jesus in the Gospel:

"After him will come a Prophet called Paraclete"

They argued a great deal about this Prophet and as to who he was among the prophets. Everyone gave his opinion according to his knowledge and understanding; and they ended without achieving any benefit in that issue.

I went to my priest, and as usual he asked about what was discussed in the meeting that day. I mentioned to him the different opinions of the priests about the name Paraclete, and how they finished the meeting without clarifying its meaning.

He asked me: "What was your answer ?" I gave him my opinion, which was taken from my interpretation of a well-known exegesis. He said that I was nearly correct like some priests, and the other priests were wrong. "But the truth is different from all of that. This is because the interpretation of that noble name is known only to a small number of well versed scholars. And we possess only a little knowledge."

I fell down and kissed his feet, saying: "Sir, you know that I travelled and came to you from a distant country, I have served you now for more than ten years; and have attained knowledge beyond estimation, so please favour me and tell me the truth about this name."

The priest then wept and said: "My Son, By God, you are very much dear to me for serving me and devoting yourself to my care. Know the truth about this name, and there is a great

benefit, but there is also a great danger. And I fear that when you know this truth, and the Christians discover that, you will be killed immediately."

I said: "By God, By the Gospel and He who was sent with it, I shall never speak any word about what you will tell me, I shall keep it as a secret in my heart."

He said: "My son, when you came here from your country, I asked you if is it near to the Muslim's. And whether they made raids against you, or you made raids against them. This was to test your hatred for Islam. Know, my son, that Paraclete is the name of their Prophet, Muhammad." to whom was revealed the fourth book as mentioned by Daniel. His way is the clear way which is mentioned in the Gospel. I said: "Then sir, what do you say about the religion of these Christians?" He said: "My son, if these Christians remained on the original religion of Jesus, then they would have been on God's true religion; because the religion of Jesus and all the other prophets is the true religion of God. But they changed it and became unbelievers."

I asked him: "Then, sir, what is the salvation from this?" He said: "Oh my son, embracing Islam."

I asked him: "Will the one who embraces Islam be saved?"

He answered: "Yes, in this world and the Hereafter." I said: "The prudent chooses for himself; if you know, sir, the merit of Islam,

then what keeps you from it?"

He answered: "My son, The Almighty Allah did not expose me to the truth of Islam and the prophet of Islam until after I have become old and my body weakened. Yes, there is no excuse for us in this, on the contrary, the proof of Allah has been established against us. If God had guided me to this when I was your age I would have left everything and adopted the religion of truth. Love of this world is the essence of every sin, and look how I am esteemed, glorified, and honoured by the Christians, and how I am living in affluence and comfort! In my case, if I show a slight inclination towards Islam they would kill me immediately. Suppose that I was saved from them and succeeded in escaping to the Muslims they would say, do not count your Islam as a favour upon us, rather you have benefited yourself only by entering the religion of truth, the religion that will save you from the punishment of Allah! So I would live among them as a poor old man of more than ninety years, without knowing their language, and they would not know my real status and I would die among them starving. I am, and all praise is due to Allah on the religion of Christ and on that which he came with, and Allah knows that from me.

So I asked him: "Do you advise me to go to the country of the Muslims and adopt their religion?" He said to me: "If you are

wise and hope to save yourself, then race to that which will achieve this life and the hereafter. But my son, none is present with us concerning this matter, it is between you and me only. Exert yourself and keep it a secret. If it is disclosed and the people know about it they will kill you immediately. I will be of no benefit to you against them. Neither will it be of any use to you if you tell them what you heard from me concerning Islam, or that I encouraged you to be a Muslim, for I shall deny it. They will trust my testimony against you but will not trust yours against me. So, do not tell a word, whatever happens." I promised him not to do so. He was satisfied and content with my promise.

I began to prepare for my journey and bid him farewell. He prayed for me and gave me fifty golden dinars. Then I took a ship to my city Majorca where I stayed with my parents for six months. Then I traveled to Sicily and remained there five months, waiting for a ship bound for the land of the Muslims.

Finally a ship arrived bound for Tunis. We departed before sunset and reached the port of Tunis at noon on the second day. When I got off the ship, Christian scholars who heard of my arrival came to greet me and welcome me to their dwelling place. Some local merchants also offered their hospitality to me and I stayed with them for four months in ease and comfort.

After that I asked them if there was in the Sultan's (Ruler) Palace

a translator. The Sultan in those days was Abu Al-Abbas Ahmad. They said there was a virtuous man,

the Sultan's Physician, who was one of his closest advisors. His name was Yusuf Al-Tabeeb ((Joseph the doctor). I was greatly pleased to hear this, and asked where he lived. They took me there and I met him separately. I told him about my story and the reason of my coming there; which was to embrace Islam. He was immensely pleased because this matter would be completed by his help. We rode to the Sultan's Palace. He met the Sultan and told him about my story and asked his permission for me to meet him. The Sultan accepted, and I presented myself before him.

The first question the Sultan asked was about my age. I told him that I was thirty-five years old. He then asked about my learning and the sciences which I had studied. After I told him he said, "Your arrival is the arrival of goodness. Be a Muslim with Allah's blessings." I then said to the doctor, "Tell the honourable Sultan that it always happens that when anyone changes his religion his people defame him and speak evil of him. So, I wish if he kindly sends to bring the Christian priests and merchants of this city to ask them about me and hear what they have to say. Then by Allah's will, I shall accept Islam."

He said to me through the translator, "You have asked what Abdullah Bin Salaam asked from the Prophet when

he-Abdullah-came to announce his Islam . He then sent for the priests and some Christian merchants and let me sit in an adjoining room unseen by them. When they came he asked them, "What do you say about this new priest who just arrived by ship?"

They said: "He is a great scholar in our religion. Our bishops say he is the most learned and no one is superior to him in our religious knowledge." After hearing what the Christian said, the Sultan sent for me, and presented myself before them. I declared the two testimonies that there is (no one worthy of Worship except Allah, and that Muhammad is His Messenger), and when the Christians heard this they "crossed" themselves and said: "Nothing incited him to do that except his desire to marry, as priests in our religion can not marry" . Then they left him in distress and grief. The Sultan appointed for me a quarter of a dinar everyday from the treasury and let me marry the daughter of Al-Hajj Muhammad Al-Saffar.

When I decided to consummate the marriage, he gave me a hundred golden dinars and an excellent suit of clothes. I then consummated the marriage and Allah blessed me with a child to whom I gave the name Muhammad as a blessing from the name of our Prophet."

Thus we come to the end of the story of Al-Sheikh Abdullah

Al-Tarjuman who mentioned after that in his book some events of the Hafsah State in which he served as the chief translator. He followed that with nine chapters; among them: a chapter on the truth about the writers of the four Gospels (Matthew, Marks, Luke, and John), whom he proved were not among the disciples of Christ. He also discussed other topics like Baptism, Trinity, Original Sin, The Lord's Supper, The Indulgence, The law of faith… etc. and refuted them all with the texts from the Gospels and logical proofs.

He proved also the human nature of Christ and disproved his Divine nature. He then exposed the contradictions in the interpolated texts of the Bible.

Lastly he discussed what the Christians criticise the Muslims about, like marriage of the religious scholars and the pious men, circumcision and physical enjoyment in Paradise. He concluded his book by proving the truth of the Prophethood of Muhammad with texts from the Bible

باب نمبر 14

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں۔!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(دلائل و براہین سے مزین) شہادتوں کے ساتھ میں آپ کو ایک مرتبہ پھر اس پروگرام میں خوش آمدید کہتا ہوں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے!

ہم پچھلی قسط (یعنی گذشتہ بیان) میں بائبل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر بات کر رہے تھے۔

آج (اس بیان میں) ہم ایک اور دل آویز موضوع پر بات کریں گے اور یہ موضوع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش کردہ پیشین گوئیوں سے متعلق ہے ہم نے گذشتہ قسط (بیان) میں ذکر کیا تھا کہ کس طرح بائبل کے **باب تثنیہ شرع کے باب نمبر 18 کی آیت نمبر 18** اور اسی طرح ''اشعیاء'' اور مقدس یوحنا کی عبارات میں سے ہم نے حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ "Comforter" پیراکلیٹ (Paraclete)۔۔(یا وکیل)۔۔سے مراد ''احمد'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔

اور یہ کہ وہ رسول آنے والے واقعات کی خبریں دے گا۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو صرف اور صرف پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے!

کیونکہ (دراصل تو) اللہ تعالیٰ ہی تمام تر جہانوں سے متعلق علم غیب رکھتا ہے۔

(بے شک) یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہی ہے جو مستقبل کے بارے

میں جان سکتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کا ذکر بائبل میں بھی کیا گیا ہے۔ کہ ایک سچا نبی کون ہے اور جھوٹا نبی کون ہے۔! اور یہ کہ اس بات کو پرکھنے کا پیمانہ کیا ہے!

آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوگا کہ کوئی شخص صحیح معنوں میں سچی پیشین گوئی کر رہا ہے۔

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کردہ سچا نبی ہے اور کون ہے جو جھوٹا نبی ہے۔

ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ جس بھی شے کے متعلق وہ کوئی پیشین گوئی کرتا ہے، (اس بات کی تحقیق اور جستجو کرنی چاہیئے کہ) آیا مستقبل میں وہ بات ویسے ہوتی بھی ہے کہ نہیں۔!!

اس سلسلے میں بائبل میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''اور اگر تم اپنے دل میں کچھ بات کرتے ہو، تو ہمیں اس کلام کا کیسے پتہ چلے گا جو خداوند نے فرمایا ہے۔ (اور) اگر وہ بات (یعنی پیش کردہ پیشین گوئی) سچ ثابت نہیں ہوتی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ (کوئی) ایسی بات نہیں ہے جو خداوند کی فرمان کردہ ہے۔ لیکن جو رسول ہوتا ہے وہ تو دیدہ دلیری سے بات کرتا ہے اور اس کے (بیان کے) متعلق کوئی خدشہ نہیں ہونا چاہیئے۔

سو، محض اس بنیاد پر بھی کہ اس کی پیش کردہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوتی بھی ہے کہ نہیں آپ ایک سچے اور جھوٹے نبی میں (بآسانی) تفریق کر سکتے ہیں۔

سو، اس اعتبار سے کئی جھوٹے نبی بھی ہوئے ہیں اور کئی سچے نبی بھی ہوئے ہیں!

کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں وہ نبوت کا دعوٰی تو کر لیتے ہیں لیکن ان کے اس دعوٰے کو پرکھنے کا سادہ سا ضابطۂ اخلاق ہے۔ کیونکہ (اگر) وہ جھوٹا ہے تو (مستقبل کے متعلق) جو کچھ بھی وہ پیشین گوئی کرتا ہے وہ کبھی بھی پوری نہیں ہوتی۔

کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مستقبل کی خبریں دینے کا دعوای کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو ستاروں کی گردش کا علم رکھتے ہیں۔۔ ان لوگوں کا دعوٰی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کا مقدر، ان کا نصیب تو ستاروں میں لکھا ہوا ہے۔

ہم مسلمانوں کا تو یہ ایمان ہی نہیں ہے کہ ہمارا مقدر ستاروں میں لکھا ہوا ہے۔

اور نہ ہی ہمارا یہ عقیدہ و یقین ہے کہ ستاروں کے کسی جھرمٹ یا ان کی کسی بھی مخصوص شکل وصورت کے روپ دھار لینے کے عمل کا انسانی زندگی پر کسی بھی حوالے سے کوئی عمل دخل ہے۔ اور ایسی (بے تکی) باتوں کے لیے نہ ہی کوئی سائنسی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض (دیگر) لوگوں کی ایسی کچھ آراء ہوں بھی تو ہم مسلمان تو (الحمد للہ) ایسی (بے تکی اور من گھڑت) باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔

آپ کے نصیب کا، آپ کے مقدر کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

(بے شک) صرف وہی ہستی ہے جو ہمارے مقدر کی مالک ہے، آنے والے وقت میں کیا ہونے والا ہے اس کا علم (بھی بے شک) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

سوائے اسی ہستی کے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہو، کوئی کاہن اور نہ کوئی پیشین گوئی کرنے والا، نجومی، مستقبل کے بارے میں ہمیں کوئی خبر نہیں دے سکتا ہے۔

اس سلسلے میں نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ

''جو کوئی بھی کسی کاہن یا کسی نجومی کی کسی بات پر یقین رکھتا ہے وہ اس کتاب پر یقین ہی نہیں رکھتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔''

جو بھی (مسلمان) کسی تجسس کی وجہ سے کسی کاہن (نجومی) کے پاس جاتا ہے تو

40 دن تک اس کی کوئی بھی عبادت قبول ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ کاہن لوگ تو اس بات کا دعوٰی کرتے ہیں۔۔ایسا علم رکھنے کا اظہار کرتے ہیں، دعوٰی کرتے ہیں، جو صرف اور صرف انبیاء کا (عطیۂ خداوندی کی صورت میں) ایک طرۂ امتیاز ہے۔

یہ ان کاہنوں کا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے!

اس کے باوجود، میں یہ نہیں کہتا، اور نہ اسلام ایسا کہتا ہے کہ یہ کاہن کبھی بھی کوئی سچی خبر پالینے کے اہل ہی نہیں ہوتے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی کوئی سچی خبر بھی پالیں۔۔کوئی ایسی پیشین گوئی کردیں جو آنے والے وقت میں سچ ثابت ہوجائے۔لیکن ایسا وہ محض ''تُکّ بندی'' سے کرتے ہیں۔اسی لئے آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ یہ کاہن یا نجومی وغیرہ جب مستقبل میں ہونے والے کسی کام سے متعلق پیشین گوئی کرنے لگتے ہیں تو وہ کچھ ایسی باتوں کو چھیڑتے ہیں جو مستقبل قریب میں ہوسکتی ہوں۔۔! بالکل مستقبل قریب کی بات کرتے ہیں۔!

لیکن جوں جوں وہ مستقبل بعید کی باتوں کو چھیڑتے ہیں تو ان کی پیش کردہ اکثر پیشین گوئیاں زیادہ تر غلط ثابت ہوتی چلی جاتی ہیں۔اور یہی معاملہ دورِ حاضر کے ایک ماہر نجوم ''ایڈ گر کیسی'' کا ہے۔

اس نے دوسری جنگِ عظیم سے متعلق تو حیران و پریشان کردینے والی پیشین گوئی کی لیکن مستقبل بعید کے حوالے سے۔۔۔موجودہ حالات کے تناظر میں جوں جوں اس کی پیشین گوئیاں سامنے آئیں۔۔تو اسی شخص (عظیم ماہر نجوم) کی پیشین گوئیاں بہت کم سچ ثابت ہوئیں۔

ایک اور بات جو حضرت محمد ﷺ اور قرآنِ مجید کی تعلیمات سے ہمیں پتہ چلتی ہے

وہ یہ ہے کہ شیاطین ارض وسمٰوٰت میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات (تو) وہ فرشتوں کی آپس میں کی گئی سرگوشیوں کو سن لیتے ہیں۔

(یعنی ۔۔۔) جب وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو لا رہے ہوتے ہیں، ۔۔ وہ کسی نہ کسی آزمائش یا مصیبت کا حکم لے کر نازل ہو رہے ہوتے ہیں ۔۔تو (ایسے میں) ہوسکتا ہے کہ وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ سال میں، یا آنے والے کسی بھی وقت میں فلاں علاقے کے نافرمان لوگوں کے لیے مصیبت بھیجنی ہے!

یہی وجہ ہے کہ وہ شیاطین بعض اوقات ایسی سرگوشیوں کو سن لیتے ہیں۔ اور پھر وہ یہ معلومات کاہنوں اور جادوگروں کو دے دیتے ہیں۔!

یہ شیاطین کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں سے ہمیشہ تعاون کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ تو ہمیشہ کام ہی وہی کرتے ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہوتا۔

ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے وہ کبھی بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ بعد میں وہی کاہن اس تھوڑی سی سچی خبر میں سینکڑوں مختلف جھوٹی باتوں کی آمیزش کر دیتا ہے۔

آپ کو پتہ ہے کہ لوگوں کا (ایسے معاملات میں) کیا معمول ہوتا ہے۔

لوگ صرف ان باتوں کو یاد رکھتے ہیں جو سچ ثابت ہو جائیں لیکن اگر وہ (ان کاہنوں کی پیش کردہ) تمام تر پیشین گوئیوں کو اکٹھا کر کے رکھیں اور پھر ان کا تجزیہ کریں۔تو پھر پتہ چلے گا کہ ٹھیک ہے، یہ یہ کچھ تو سچ ثابت ہوا ہے مگر ان کی پیشین گوئیوں کا زیادہ تر حصہ تو غلط ثابت ہوا ہے۔تو یہ (معاملہ) کسی بڑے پن کی علامت نہیں ہے۔

جب کہ رسولوں کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔

رسولوں کو جو بھی اللہ کی طرف سے وحی بھیجی جاتی ہے وہ سب کی سب حق سچ پر

مبنی ہوتی ہے، (بلکہ) ان کی (تو) ہر ہر پیشین گوئی کو لازماً سچ ثابت ہونا چاہیئے!

سو، اسی لئے ہم نے آپ کے لئے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں سے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ میں سے کچھ پیشین گوئیوں کا انتخاب کیا ہے۔

ہم (قرآن وحدیث کی) ان پیشین گوئیوں کا ناسٹرڈامس کی ذومعنی پیشین گوئیوں سے موازنہ کریں گے۔

ناسٹرڈامس بھی اپنی پیشین گوئیوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے لیکن اس کی تحریریں کافی ذومعنی ہوتی ہیں۔ان کا مطلب کچھ بھی نکالا جا سکتا ہے۔

اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جو کاہن (نجومی) لوگ تھے حقیقت میں وہ بھی کوئی خاص مختلف نہ تھے۔

وہ بھی ایسے ہی ذومعنی جملے کہتے تھے جن کا مطلب کچھ بھی نکالا جا سکتا تھا۔

آیئے اب قرآن مجید میں بیان کردہ کچھ پیشین گوئیوں کا اور اسی طرح احادیث مبارکہ میں ارشاد کردہ کچھ پیشین گوئیوں کا بغورِ خاص مطالعہ کریں۔

دیکھیے۔ایک (نہایت ہی) اہم بات جس کی قرآنِ مجید پیشین گوئی کرتا ہے وہ ہے اسلام کی فتح۔

اور ہمیں اس بات کو ہر صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ جب ان آیات کا نزول ہو رہا تھا تو اس وقت مسلمان ایک بہت ہی کمزور اور چھوٹے سے گروہ کی صورت میں تھے۔انہیں تو بس ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں انہیں مشرکینِ مکہ یا رومی صفحہ ہستی ہی سے نہ مٹا دیں۔اس کے باوجود قرآنِ مجید نے مسلمانوں کو مختلف آیات میں فتح کی خوشخبری دی ہے۔

آیئے ان آیات میں سے چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں!

قرآنِ مجید کی سورۃ النور کی آیت کریمہ نمبر 55 میں ارشاد ربانی ہے کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ ...

''(اے مجموعہ امت) تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو اس اتباع کی برکت سے زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ (اس نے) ان سے پہلے (اہلِ ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین (یعنی اسلام) کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ اس کو ان کے نفع آخرت کے لیے قوت دے گا۔ اور ان کے اس خوف کے بعد ان کو مبدل بہ امن کر دے گا۔ بشرطیکہ وہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کس کو شریک نہ کریں۔''

اسی طرح قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 3، سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 21 میں ارشاد فرماتا ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور جو انصاف (کرنے) کا حکم دیتے ہیں انہیں بھی مار ڈالتے ہیں، اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں انہیں خبر سنا دیجئے ایک

دردناک عذاب کی!!۔۔۔مترجم)

اسی طرح قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر 110،سورۃ النصر کی آیات نمبر 1 تا 2 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار کے) آپہنچے یعنی واقع ہو جائے۔اور آثار اس پر جو متفرع ہونے والے ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں (یعنی اسلام میں) جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں۔

۔۔۔اس میں پہلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان کمزور تھے۔اور اس میں مسلمانوں کو فتح کی خوشخبری سنائی گئی (یعنی۔۔۔) مسلمانوں سے اس فتح کا وعدہ کیا گیا۔اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگ دینِ اسلام میں جوق در جوق داخل ہوں گے۔

اور یہ وہ بات ہے جو فتح مکہ کے بعد بالکل حق سچ ثابت ہوئی۔اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہر ایک کے دور میں، لوگ گروہ در گروہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور سرزمینِ عرب پر دینِ اسلام کا نفاذ ہو گیا۔

مسلمانوں نے رومیوں کو شکست دی، یونانیوں کو شکست فاش دی اور (یوں) سپین سے لے کر چین تک۔۔۔جی ہاں۔۔۔صرف 20، 40 سال کے مختصر ترین دور میں! دینِ اسلام کو نافذ کر دیا گیا۔

اور مندرجہ ذیل آیت تو دراصل قرآنِ مجید کی ایک اور پیشین گوئی کی تکمیل کا ثبوت ہے!

چنانچہ وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن اور سچا دین دے کر بھیجا ہے۔ تا کہ اس کو بقیہ تمام تر دینوں پر غالب کر دے۔ گو مشرک لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔!

یہ بات قرآنِ مجید کی سورۃ التوبہ، سورۃ نمبر 9 کی آیت نمبر 33 میں بیان کی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے اگر چہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ (خود) یہ وعدہ فرما رہا ہے کہ دینِ اسلام دیگر تمام تر مذاہب پر غالب آئے گا۔۔

یعنی دینِ اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہوگا۔ اور بے شک یہ وہ بات ہے جو آج بھی جاری ہے۔

اگر چہ اس وقت اسلام اور عیسائیت میں برابر کا جوڑ پڑا ہوا ہے لیکن جو لوگ دیگر لوگوں کی تبدیلی مذہب کا مطالعہ (اور تجزیہ) کرتے رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ 2015 تک اس کرۂ ارض پر 30٪ لوگ مسلمان ہوں گے۔ اور یوں دینِ اسلام کرۂ ارض کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔ (انشاء اللہ۔۔۔مترجم)

دیکھا گیا ہے کہ (حق، یعنی) دینِ اسلام کے آ جانے کے بعد، یہودیت، عیسائیت، اور کفر و الحاد کے (تمام تر دیگر باطل) ادیان اپنے اپنے وجود (یعنی اپنی اپنی شریعت) کی صورت میں کسی بھی مقام پر اپنا نفاذ نہیں کر پائے۔

حتیٰ کہ عیسائیت بھی (اپنی شریعت کو کلی طور پر کہیں نافذ نہیں کر پائی)

آپ کو شاید یہ غلط فہمی ہو کہ آج کے دور میں عیسائی دنیا معاشی اعتبار سے، اور فوجی طاقت کے اعتبار سے (ہر کس و ناکس پر) چھائی ہوئی ہے۔ یعنی غالب ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ یہ (محض) عیسائی نہیں ہیں جو چھائے ہوئے ہیں بلکہ یہ تو لادینیت اور مادیت پرستی کا فلسفہ ہے جو اس وقت غالب نظر آتا ہے۔

ہم حضرت محمد ﷺ (کی پیش کردہ) پیشین گوئیوں سے متعلق بات کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے اس پر بھی بات کی کہ (ان شاء اللہ) مستقبل قریب ہی میں اسلام دنیا کا سب سے بڑا اور غالب مذہب ہونے کو ہے۔

حقیقتاً ایسا ہی ہونے کو ہے۔ ہم نے اس پر بھی بات کی ہے کہ اسلام کس طرح (اور کس قدر) تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور یہ کہ قرآنِ مجید کس طرح مسلمانوں سے اس وقت جب وہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور انتہائی کمزور تھے۔ (جی ہاں اس وقت) فتح کی یقین دہانی کراتے ہوئے ان سے کامیابی کا ایک وعدہ کر رہا تھا۔

۔۔(آیئے اب) قرآنِ مجید کی ایک اور پیشین گوئی کا ذکر کرتے ہیں جو کہ سورۃ نمبر 30، سورۃ روم کی آیت نمبر 1 تا 7 میں پیش کی گئی ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

یہ بہت ہی، دلنشین پیشین گوئی ہے۔

''الٓمّٓ۔ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے۔ اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال تک کے اندر اندر غالب آ جاویں گے۔ پہلے بھی اختیار اللہ کو تھا اور پیچھے بھی۔ اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے۔ وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے، اور وہ زبردست ہے رحیم ہے۔ اس کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔ یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

مشرقی رومن سلطنت یعنی روم کی سلطنت کئی سالوں سے ایرانیوں سے لڑتی چلی آ رہی تھی۔۔

بالآخر ایرانیوں کے ہاتھوں انہیں ایک بہت بڑی شکست ہوئی۔ جنہوں نے 614 عیسوی میں یروشلم پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد مصر فتح ہوا۔ پھر شام فتح ہوا اور قسطنطنیہ تک کا محاصرہ کرلیا گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ قریبی علاقہ بھی فتح ہو گیا۔

اب اس بات پر کفارِ مکہ خوشی سے پھولے نہ سمائے کیونکہ ان کے لئے اہلِ کتاب یعنی عیسائیوں کے مقابلے میں مشرکین کی یہ فتح (کامیابی کی) ایک واضح نشانی تھی۔

اور جس وقت یہ آیات نازل ہوئی تھیں تو اس وقت یہ بات بالکل ناممکن دکھائی دیتی تھی کہ روم کی سلطنت شاید ہی کبھی اپنے قدموں پر دوبارہ کھڑی ہو سکے۔۔

ایسے لگتا تھا کہ بس اب اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ (Persians) ایرانی غالب تھے جب کہ رومی مغلوب تھے شکست خوردہ تھے۔

اب ان آیات میں جس لفظ کا ترجمہ چند سال کیا گیا ہے وہ ہے ''بضع'' اس کا مطلب ہے کہ 3 سے 9 سال کے عرصہ کے اندر اندر۔

اس اصطلاح کا مطلب ہے 3 سے 9 سال کا درمیانی عرصہ اور ابوجہل نے۔۔۔جس کے متعلق ہم نے پہلے بھی بات کی ہے۔۔ اس نے تو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، جو کہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی قریبی صحابی تھے، ان سے (اس سلسلے میں) ایک شرط لگائی تھی۔ اس نے شرط لگائی تھی کہ ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا۔۔ میں تم سے شرط لگاتا ہوں۔ میں یہاں (ایک دینی مسئلہ سمجھاتے ہوئے) آپ کو بتاتا چلوں کہ یہ جوئے کی حرمت سے پہلے کا معاملہ ہے۔ جوا کھیلنا بعد میں منع کیا گیا۔

سو، انہوں نے 100 اونٹوں کی شرط لگائی ۔ یہ آج کے دور میں تقریباً 10050000 پاونڈز کی رقم بنتی ہے۔ کیونکہ 100 سرخ اونٹ بہت بڑی مالیت کے ہوتے تھے۔ سو، اس نے یہ شرط لگائی کہ ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا۔ لیکن یہ واقعہ ہو کر رہا۔

اور 623ء میں رومی حکمران ہرقل نے میدانِ کارزار میں قدم جماتے ہوئے، پے در پے لڑائیوں میں ایرانیوں کو شکستِ فاش دے دی۔ اور نہر کی لڑائی میں تو ان کا قلع قمع کر دیا گیا۔

یہ واقعہ 627ء میں ہوا۔ اس وقت تک ابوجہل قتل ہو چکا تھا لیکن اس کے رشتہ داروں کو شرط کے وہ 100 اونٹ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینے پڑے۔

ادھر جب رومیوں کو فتح نصیب ہوئی تو ادھر مسلمانوں کو بھی کفار پر فتح حاصل ہو چکی تھی۔ اور مسلمان فتح کا جشن منا رہے تھے۔۔ (بالکل ایسے ہی) جیسا کہ قرآن مجید نے پیشین گوئی کر دی تھی۔

یعنی یہ پیشین گوئی بھی بالکل سچ ثابت ہوئی۔اور یہاں یہ بات ہی اس امر کو یاد کرانے کے لیے کافی ہے کہ غیب کا علم اللہ کے پاس ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔

لیکن (اکثر) لوگ سوچنے اور سمجھنے کی بہت ہی کم کوشش کرتے ہیں۔ اور (جی ہاں۔!!) یہ وہی قرآنِ مجید ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہ لانے کے خطرات سے آگاہ کرتا ہے۔

یعنی اس کی نازل کردہ کتاب ہدایت پر عمل پیرا نہ ہونے کی صورت میں ہمیں متنبہ کرتا ہے۔

یہ وہی قرآن ہے جو ہمیں دوزخ کی آگ سے خبردار کرتا ہے اور جنت الفردوس کے حصول کی دعوت دیتا ہے اور ہمیں اس عذابِ الٰہی سے اور اُن سزاؤں سے خبردار کرتا ہے جن سے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی پیروی نہ کرنے کی بنا پر قیامت کے دن دوچار ہونا پڑے گا۔

ابھی آپ کے لیے کئی اور پیشین گوئیاں بھی ہیں۔!

اب یہ پیشین گوئیاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے لی گئی ہیں۔

یہ ایک لمبی روایت ہے جو کہ احادیث کی دو مستندترین کتابوں یعنی صحیح البخاری اور صحیح المسلم (جن کا ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں) سے لی گئی ہے۔

قرآنِ مجید کے بعد یہ دونوں کتابیں (بخاری و مسلم) ''صحیحین'' دینِ اسلام میں معلومات کا مستندترین ''ذخیرۂ علم'' سمجھی جاتی ہیں۔

سو، اس مفصل حدیثِ مبارکہ کی رو سے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی مجلس میں داخل ہوئے۔

اس پر حضرت محمد ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ آپ کے ساتھ ہی بیٹھے تھے، ان سے فرمایا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دے دیں۔ اور انہیں یہ بھی بتا دیں کہ لوگ ان کے خلاف بغاوت کریں گے اور یہ وہ بات ہے جو بالکل ایسے ہی واقع ہوئی (جیسا کہ نبیء کریم ﷺ نے فرما دیا تھا)

اسلامی تاریخ کے حوالے سے یہ بات مشہور و معروف ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بغاوت کی حتیٰ کہ انہوں نے (اس بغاوت کے دوران) حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

سو، نبیء کریم ﷺ کی یہ پیشین گوئی، آپ کے فرمانِ عالیشان کے حوالے سے حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب مسلمان خیبر کے مقام پر یہودیوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے تو قلعہ خیبر کے کچھ دن کے محاصرے کے بعد نبیء کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگلی صبح وہ علم ایک ایسے شخص کو عطا کریں گے جسے اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائیں گے۔

(اگلی صبح) آپ ﷺ نے وہ علم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا اور اسی دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں مسلمانوں نے قلعہ خیبر کو فتح کر لیا۔ بالکل ایسے ہی جیسا کہ نبیء کریم ﷺ نے اس کے متعلق پیشین گوئی فرمائی تھی۔

اسی طرح نبیء کریم ﷺ نے ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ

خلافت تیس سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت آئے گی۔

یعنی خلافت تیس سال تک رہے گی۔

خلفاءِ راشدین دراصل نبیء کریم ﷺ کے برحق جانشین تھے۔

(اور آپ نے فرمایا کہ) کہ اس (خلافت) کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت آئے گی۔

سو، نبیء کریم ﷺ نے فرمایا کہ 30 سال اور آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی بھی بالکل سچ ثابت ہوئی۔

خلفاء راشدین کا دورِ خلافت، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اور پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ۔۔۔ ان سب کا دورِ خلافت (مِل کر) 30 سال بنتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے 2 سال، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے 10 سال، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت 12 سال، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت ساڑھے پانچ سال۔ اور پھر 6 ماہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت۔ یہ سب (دورانیہ) مل کر اتنا ہی بنتا ہے جتنا کہ رسول ﷺ نے فرمایا تھا۔ یعنی 30 سال۔

اس کے بعد خلافت ختم ہوگئی اور ملوکیت شروع ہوگئی جیسا کہ نبیء کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایسا ہوگا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں محمد رسول اللہ ﷺ نے مصر پر مسلمانوں کے قبضہ ہو جانے کی پیشگی اطلاع دی تھی۔

یہاں یہ بات یاد رکھیے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمان تعداد میں بہت ہی قلیل تھے۔

لیکن آپ ﷺ ہیں کہ ان سے (یعنی مسلمانوں سے) فرما رہے ہیں کہ تم لوگ مصر

پر قبضہ کرو گے۔

حتیٰ کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ لوگوں سے اچھا سلوک کریں۔

اور آپ ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ مسلمان "Persian" بادشاہ کے شاہی خزانہ پر بھی قابض ہوں گے۔

سوچیئے ۔۔کہ نبیء کریم ﷺ مسلمانوں کو (پیشگی) خبر دے رہے ہیں کہ تم لوگ "Persians" (اہل فارس) کو شکست دو گے اوران کے (بادشاہ کے) شاہی خزانہ پر بھی قبضہ کرو گے۔

اور آپ ﷺ نے اس محل کی منظر کشی بھی کی تھی اور یہ تمام تر باتیں نبیء کریم ﷺ کے فرمانِ عالیشان کے مطابق بالکل سچ ثابت ہوئیں۔حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی، سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ تم شہنشاہِ فارس"Persian King" کے سونے کے کنگن پہنو گے۔!

اور بالکل ایسا ہی ہوا۔۔

وُہ کنگن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہٗ قدرت میں آئے ،آپ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا بھیجا۔کیونکہ وہ تب تک زندہ تھے اور کسی بھی معرکے میں شہید نہیں ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے وہ کنگن پہنائے اور اسے نبیء کریم ﷺ کا وہ فرمان عالیشان بھی یاد کرایا۔ جو آپ ﷺ نے (ان کنگنوں اور سراقہ سے متعلق) ارشاد فرمایا تھا۔

صحیح البخاری میں عوف ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

نبیءکریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''قیامت سے پہلے 6 واقعات کا انتظار کرو''

1۔ میری وفات۔

اور پھر واقعتاً یہ ایک حقیقت ہے کہ نبیءکریم ﷺ نے وفات پائی۔

2۔ پھر یروشلم کی فتح۔۔

اور (یہ بھی سچ ہے کہ) مسلمانوں نے یروشلم کو فتح کیا۔

3۔ پھر ایک وبائی مرض کے پھیلنے کا انتظار کرو۔

4۔ دولت کی فراوانی کا۔

یہاں تک کہ اگر کسی شخص کو 100 دینار بھی دیئے گئے تو وہ انہیں قبول نہیں کرے گا۔

5۔ ایک ایسی پریشانی (کا انتظار کرو) جو تمام تر عرب قبائل کو بلاتفریق اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

6۔ عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ۔ جس معاہدے کی عیسائی خلاف ورزی کریں گے۔

۔۔سو یہ حدیثِ مبارکہ بھی بالکل صحیح طور پر ان واقعات کو بیان کرتی ہے جو (نبیءکریم ﷺ کی وفات کے بعد) رونما ہوئے۔

یروشلم کو فتح کیا گیا اور پھر نبیءکریم ﷺ کی ہجرت کے سولھویں سال کے بعد ایک وبائی مرض پھوٹ پڑا۔ جو کہ (تاریخ میں) بہت مشہور ہے۔ اس میں 70 ہزار لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔

دولت کی فراوانی کے معاملے میں۔۔

بالخصوص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ادوار میں تو دولت کی اس قدر ریل پیل ہوگئی کہ زکوٰۃ تقسیم کرنے والوں کو کوئی ایسا شخص ملتا ہی نہیں تھا کہ جو اتنا غریب ہو کہ جسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہو۔کوئی بھی اتنا غریب (ایسا مستحقِ زکوٰۃ) نہ تھا کہ جسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہو۔

یعنی مسلمان (بفضلِ تعالیٰ) اس قدر دولت مند ہو چکے تھے۔اور یہ ہے خوشحالی کی وہ مثال جو نفاذِ اسلام کی برکتوں سے اُس دور نے دیکھی۔

اور یہ پیشین گوئی بھی سچ ثابت ہوئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مسلح بغاوت کے بعد حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے قتلِ ناحق کے بعد عرب کا کوئی بھی قبیلہ اس فتنے کی دکھوں اور آزمائشوں بھری تباہ کاریوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتلِ ناحق کے بعد (اہلِ عرب کا) کوئی خاندان ایسا نہ تھا جو کہ اس فتنے کے اثرات سے محفوظ رہ سکا ہو۔

بالکل ایسے ہی جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

ایک اور روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان روم اور قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔(اس پر) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ پہلے کون سا ملک فتح ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ ہرقل کا ملک۔۔جس کا مطلب یقینی طور پر ہے کہ قسطنطنیہ۔۔یہ بھی واقعتاً سچ ثابت ہوا۔۔

روم کو کبھی بھی مسلمانوں نے فتح نہیں کیا۔اور میرا خیال ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ایک ایسی پیشین گوئی ہے جو ابھی پورا ہونا باقی ہے۔۔

مستقبل میں کسی بھی وقت۔۔۔!!!

یہاں جو بات توجہ کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام تر پیشین گوئیاں ایک ایسے وقت پیش کی گئیں جب کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں کے مقدر میں یہ کچھ کرنا بھی ہوگا۔خیر۔۔!!

ہاں میں اب (وقت کی نزاکت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے) نبیء کریم ﷺ کی کچھ مزید پیشین گوئیوں کا قدرے جلدی سے تذکرہ کرنے لگا ہوں۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی پیشین گوئی فرمائی کہ مسلمان کئی ایک گروہوں (فرقوں) میں بٹ جائیں گے اور ایک اور حدیث مبارکہ میں تو آپ ﷺ نے پیدا ہونے والے ان گروہوں اور فرقوں کی کردار نگاری بھی کی۔۔!!

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے کچھ حضرت علیؓ کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا۔

دوسرے الفاظ میں، یعنی وہ دعویٰ کریں گے کہ علیؓ خدا ہیں کوئی بھی مسلمان کبھی بھی بھلا یہ دعوی کیسے اور کیونکر کرسکتا ہے کہ کوئی انسان بھی خدا ہوسکتا ہے۔

نبیء کریم ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ایسا کریں گے اور (پھر) واقعتا لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

سب سے پہلے ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابی طالب کی محبت کے معاملے میں مبالغہ آرائی کی۔ اور۔۔ پھر اسی فرقے کے دیگر کئی چھوٹے چھوٹے فرقوں نے تو یہاں تک دعویٰ کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔ اللہ کے شریکِ کار ہیں، اللہ کے ہمسر ہیں۔(معاذ اللہ۔۔۔مترجم)

اور آپ کو بتا تا چلوں کہ یہ فرقہ، یہ گروہ آج بھی موجود ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا انکار کریں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کو امت کا ''مجوسی'' قرار دیا۔

یہ بھی بالکل سچ ثابت ہوا۔

ایسے لوگوں کو ''قدریہ'' کہا گیا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا انکار کیا ۔۔ جو کہ اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک فرقہ ایک مخصوص قبیلے میں سے ۔(پیدا ہوگا)۔ اور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ایک قبیلے کی نشاندہی بھی فرمائی ۔۔ اور یہ فرقہ اہلِ ایمان کے متعلق یہ کہے گا کہ یہ کافر ہیں۔

یعنی وہ (لوگ جو اس فرقے کے ہوں گے) قرآنِ مجید کی آیات کا استعمال اہل ایمان کو کافر ثابت کرنے کے لیے کریں گے۔

اور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کے متعلق کافی سخت لب ولہجہ اختیار فرمایا۔ اور درحقیقت ان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزح کی آگ کے کتے ہیں۔

کیونکہ وہ ایمانداروں کے متعلق کہیں گے کہ وہ کافر ہیں۔ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان فرمایا۔۔ پھر ایسا ہوا کہ، (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں) ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا یعنی جس کے پیروکاروں کو خوارج کہا گیا۔

یہ بیشتر خوارج اسی قبیلے میں سے تھے جس کی نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشاندہی فرمائی تھی۔ اور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کے خلاف جنگ کی جائے۔

اور یہی وہ عمل ہے جو حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا۔۔ انہوں نے خوارج کے خلاف باقاعدہ جنگ کی!

سو، نبی ء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے لی گئی یہ تو محض چند ایک پیشین گوئیاں تھیں (جو آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں)

ابھی ہمارے پاس ایسا بہت زیادہ مواد باقی ہے!

اب آگے چل کر ہم علاماتِ قیامت کا ذکر کریں گے۔

وہ علامات، وہ عوامل۔۔جن کے متعلق نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبردار فرمایا تھا کہ قیامت سے پہلے یہ یہ ہوگا۔

سو، یہ ثابت کرنے کے لئے کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے (دلائل وبراہین سے مزین) وہ شہادتیں، وہ (تمام تر) ثبوت، ہمارے اس سلسلۂ تقاریر کی آخری کڑی کے طور پر پیش کیئے جائیں گے۔

سو، ان ثبوتوں کے ساتھ کہ بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے، از راہِ کرم، ہمارے اس پروگرام کی آخری اور فیصلہ کن قسط (یعنی اس سلسلۂ تقاریر کا آخری اور فیصلہ کن بیان ۔۔۔پڑھنا۔۔۔مترجم) دیکھنا مت بھولیئے گا۔

تب تک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

باب نمبر 15

علاماتِ قیامت!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ کے حضور دعا ہے کہ آپ سب پر اس کی طرف سے اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔

اس سے التجا ہے کہ وہ ہم سب کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرے اور ہمیں سچ کو جاننے، سمجھنے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(دلائل و براہین سے مزین) ان شہادتوں اور ثبوتوں کے ساتھ جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ

''بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے'' (سلسلۂ تقاریر کے حوالے سے) آج یہ ہماری آخری اور فیصلہ کن نشست ہے۔

ابھی تک تو ہم کئی ایک مختلف مگر دلچسپ حقائق کا ذکر کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن اب دلائل و براہین کے ساتھ سب سے آخر میں جس موضوع پر ہم اپنی بات کو ختم کرنا چاہتے ہیں وہ ہے، قیامت کی نشانیاں۔

یعنی وہ علامات جن کے متعلق نبیء کریم حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے یہ یہ واقعات رونما ہوں گے!

اور یقینا اس سلسلے میں نبیء کریم ﷺ نے جو سب سے پہلی پیشین گوئی فرمائی۔

اوّلیں تربات جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی۔۔

آپ نے فرمایا کہ قیامت کی پہلی نشانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگی؟۔

سوچیے۔۔ یہ بات نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے 1400 سال پہلے ارشاد فرمائی تھی۔۔

۔۔اوراب یہ قیامت کتنی قریب ہوگی۔ !،سوچیے۔۔۔!!

وہ قیامت تو اب (بس) ہمارے در پر دستک دے رہی ہے۔ آیئے (قربِ قیامت کے حوالے سے) اُن واقعات کا ذکر کریں جن کے متعلق نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف احادیث میں ارشاد فرمایا۔

ہم سب سے پہلے اس (حدیث) کا تذکرہ کریں گے جس میں نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ تم لوگ دیکھو گے کہ ننگے پاؤں چلنے والے بدو اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے۔

یہ (نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) ایک باکمال حدیثِ مبارکہ ہے۔

کیونکہ میں اس سلسلے میں وہ سفید فام شخص ہوں جو دبئ گیا ہوں، ابوظہبی گیا ہوں، سعودی عرب گیا ہوں، بحرین گیا ہوں۔۔اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کیا یہ وہی مقامات ہیں جہاں صرف چند سال پہلے کے لوگ اس بات پر شاکی تھے۔کہ اب انہیں سعودی عرب کی طرف سے مالی امداد نہیں ملتی۔۔ بالخصوص 9/11 کے بعد۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔!

اور ان کا کہنا ہے کہ محض چند سال پہلے ہم (سب لوگ مل کر) سعودی عرب (کی کئی ریاستوں میں) یتیموں، اور دینی مدارس کی امداد کرنے کی غرض سے مالی تعاون کیا کرتے تھے۔

اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کچھ سال پہلے کے ننگے پھرنے والے یہ وہی بدو ہی تو ہیں جو آج کل ایک دوسرے سے یہ مقابلہ کرتے پھر رہے ہیں کہ آیا ان میں کون دنیا کی بلند ترین عمارتیں تعمیر کرسکتا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کی پیشین گوئی نبی ءکریم ﷺ نے آج سے 1400 سوسال پہلے ہی کردی تھی۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ دنیا کی 6 بلند ترین عمارتیں (صرف) دبئ میں ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسجدیں محل نما بن جائیں گی۔ اور یہ بات بھی سچ ثابت ہوچکی ہے۔ نبی ءکریم ﷺ نے تو اللہ کے گھروں (یعنی مساجد) میں سادگی کی تلقین فرمائی تھی۔

۔۔مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہی مساجد زیادہ سے زیادہ زیب وزینت اور آرائش کا مرکز ومحور بن چکی ہیں۔ ان کے گنبدوں پر، سنہری یا سونے والے گنبدوں پر، ان کے فرشوں پر۔۔۔

اور۔۔ان کے مہنگے ترین قالینوں پر دولت وثروت کی عکاسی کرنے کے لیے اتنی خطیر رقم خرچ کی جارہی ہے کہ گویا یہ کوئی محلات ہوں!!

یہ بات بھی بالکل ویسے ہی (سچ ثابت ہوچکی) ہے جیسا کہ نبی ءکریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ ایسا ہوگا۔

نبی ءکریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیانتداری مفقود ہوجائے گی۔ اس حد تک کہ کوئی شخص یہاں تک کہے گا کہ میں فلاں قصبے یا فلاں گاؤں میں ایک دیانت دار، قابلِ بھروسہ شخص کو جانتا ہوں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا آج ایسے حالات نہیں ہیں۔۔۔؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قتل و غارت میں اضافہ ہو جائے گا۔۔ نبیءکریم ﷺ نے اسے ''ہرج'' قرار دیا۔

اور یہ (قتل و غارت کا عمل) اس حد تک ہو گا کہ جسے قتل کیا جا رہا ہو گا۔۔ اور جو قتل کرنے والا ہو گا دونوں کو کچھ پتہ نہیں ہو گا۔

جو قتل ہو رہا ہے اسے یہ نہیں پتہ ہو گا کہ اسے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا جا رہا ہے اور جو قتل کرنے والا ہو گا اسے یہ پتہ نہیں ہو گا کہ وہ کیونکر قتل کر رہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ فرمانِ رسول ﷺ آج کے کچھ شہروں کے حالات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ جہاں لوگ دوسروں پر گولیاں برسا رہے ہیں۔ مرنے والوں کو یہ پتہ نہیں کہ انہیں کس جرم میں نشانہ بنایا گیا ہے۔۔

دراصل لوگوں کو صرف اس لئے قتل کیا جا رہا ہے کہ کچھ لوگ اپنے وجود کو تسلیم کروا سکیں یا (دیگر) کسی بھی دنیاوی اغراض و مقاصد کو حاصل کر سکیں۔۔ اس کے متعلق آپ (بہتر) سوچ سکتے ہیں۔

دہشت گردی کی بنا پر آج کل جو بہت زیادہ لوگوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے اس کا ذکر کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔

دہشت گردی خواہ کسی ملک کی طرف سے ہو، کسی تنظیم کی طرف سے ہو یا فردِ واحد کی طرف سے، ہمیں اِس سلسلے میں کوئی تفریق نہیں کرنی چاہیے!

(ظاہر ہے) جب خواتین، بچے اور معصوم لوگ مارے جاتے ہیں تو یہ سب دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہ (بالکل) واضح دہشت گردی ہے۔ اسے کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو۔

لوگوں کو یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ کیوں دوسروں کو قتل کر رہے ہیں یا خود کیونکر قتل ہو رہے ہیں۔

اور یہ غارت گری اس حد تک المناک ہے کہ اس کا تصور بھی محال ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی (ہو رہی) ہے جیسا کہ آج سے 1400 سال قبل نبی ءِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی کی تھی۔۔!

نبی ءِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ربا، یعنی سودی لین دین میں اضافہ ہو جائے گا۔۔

۔۔آج آپ غور کریں کہ "Credit Cards" وغیرہ وغیرہ اور ایسی ہی دیگر کئی سکیمیں۔!

اس حد تک کہ (آج) کوئی بھی ان کے اثر سے بچ نہیں پاتا۔ ہر شخص۔۔اس (سودی لین دین) سے (بالواسطہ یا بلا واسطہ) متاثر ہو رہا ہے اور آج کی دنیا کی معیشت کے متعلق تو بغیر کسی شک و شبہ کے یہ ایک حقیقت ہے (۔۔کہ یہ سودی لین دین ہی پر تو چل رہی ہے) اس کے باوجود کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے سودی کاروبار کرنا حرام ہے، منع ہے، حتیٰ کہ سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی تک تو عیسائیت میں میں بھی سودی لین دین منع تھا۔

لیکن آج تو یہ ایک ایسی ''لعنت'' ہے جس نے پوری دنیا کی معیشت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔اس حد تک کہ کوئی بھی (آج) اس سے بچ نہیں سکتا۔

(یہ بھی) بالکل ویسا ہی ہو رہا ہے جیسا کہ آج سے 1400 سال قبل نبی ءِ کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی فرما دی تھی۔۔!!!

نبی ءِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کئی ایک لوگ لکھنے پڑھنے کے اہل ہوں

گے (یعنی خواندگی کی شرح بڑھ جائے گی) مگران کے پاس علم کی کمی ہوگی۔

کیا یہ بیان بظاہر عجیب وغریب نہیں لگتا۔ زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں گے، پڑھتے ہی چلے جائیں گے، لیکن کیا پڑھیں گے۔۔ہم میں سے اکثر لوگ فضول اور غیر مفید مواد پڑھتے ہیں۔

ہم بالکل فضول مواد ہی تو پڑھتے ہیں۔ہم لکھنا پڑھنا تو جانتے ہیں مگر علم۔۔ بالخصوص اپنے دین کا علم۔۔(یہ تو ہمارے پاس نہ ہونے کے برابر ہے)۔اس کے باوجود کہ زیادہ سے زیادہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔۔ جہالت ہے کہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔

اور یہ وہ بات ہے جو نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ دین کا علم ختم ہوجائے گا۔

۔۔۔یہ نہیں کہ مذہبی کتابیں غائب ہوجائیں گی۔اور نہ ایسے کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس علم کو نکال دیا جائے گا۔۔

نہیں نہیں۔کتابوں کی صورت میں تو علم ہوگا مگر۔''علمائے حق'' ہیں کہ وہ کم ہوتے چلے جائیں گے۔صرف اورصرف جاہل لوگ باقی رہیں گے۔

اورلوگ ایسے ہی جاہل مُلاؤں سے مذہبی معاملات کے فیصلے کروایا کریں گے۔

۔۔۔اور اس کے باوجود کے وہ خود تو جاہل مطلق ہوں گے۔لیکن وہ مذہبی (خالصتاً دینی) معاملات کے بارے میں فیصلے صادر کیا کریں گے (یعنی فتوے دیا کریں گے) یوں وہ خودتو (ظاہر ہے کہ) بھٹکے ہوئے ہوں گے ہی

لیکن۔۔۔وہ تو دوسروں کو بھی بھٹکائیں گے۔!

اورآج کے اس عہد کا ہرؤہ شخص جو اسلامی دنیا سے واقفیت رکھتا ہے وہ اس حقیقت سے شناسا ہوگا۔۔اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مقررین زیادہ ہوں گے۔۔اور علماء کم۔۔

بہت کم ہوں گے۔

اور یہ وہ بات ہے جس کا آج کی دنیا میں ہم بالکل ایسے ہی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ (آج کے اس عہد میں) کتنے ہی مقررین ہیں، خطاب کرنے والے ہیں، بڑے بڑے مفکرین ہیں، بڑے بڑے ذہین وفطین لوگ ہیں۔

بہت سارے لوگ ہیں جو آج دین کی دعوت کو پھیلا رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کی تعداد کافی نہ ہو۔

لیکن صحیح دینی علماء بہت ہی کم ہیں۔

اور یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ علماء کم ہوجائیں گے۔

اور یہ وہ المیہ ہے جسے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ موسیقی کے آلات میں بہت زیادہ اضافہ ہوجائے گا۔۔اور مسلمان ان (آلات) کے استعمال کو جائز قرار دیں گے۔

۔۔اس کے باوجود کہ ان کا استعمال منع ہے، موسیقی کے آلات کا استعمال نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔۔لیکن کچھ مسلمان ان کو جائز قرار دیں گے۔

اور (آج آپ اس بات کا خود تجزیہ کریں کہ) ایسے کتنے ہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ان کا استعمال جائز ہے۔

اس کے باوجود کہ صحیح البخاری میں جو کہ احادیثِ مبارکہ کا مستند ترین مجموعہ ہے، ان آلات کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اور (بخاری شریف میں شامل) نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثِ مبارکہ جس میں آپ نے پہلے ہی سے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ موسیقی کے آلات کے استعمال کو لوگ جائز بنالیں

گے۔۔

اس کے باوجود کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ان کو ناجائز قرار دیا ہے۔۔اور یہ بات بھی بالکل ایسے ہی سچ ثابت ہوچکی ہے جیسا کہ نبی ءکریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

جنسی بے راہ روی میں اضافہ ہوجائے گا۔

اس کے باوجود کہ اسلام پاکیزگی اور پاکدامنی کا درس دینے والا مذہب ہے۔

جو (بالغ مسلمان) مرد اور عورت کو (اسلامی تعلیمات کے مطابق) شادی کرنے کی ترغیب دیتا ہے!!! کہ انہیں (لازماً) شادی کرنی چاہیے!

نبی ءکریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنسی بے راہ روی میں اضافہ ہوجائے گا۔

میرا نہیں خیال کہ اس حقیقت کو آج کوئی بھی جھٹلا سکے۔ بالخصوص آج کی دنیا کی جو اخلاقی حالت ہے۔جس میں جنسی جذبات کو بھڑکانے والی تصاویر شامل ہیں۔حتیٰ کہ وہ روایتی معاشرے۔۔جن میں قدرے بہتر اخلاقی اقدار پائی جاتی تھیں۔مثال کے طور پر انڈیا۔۔آپ ''انڈیا'' کی مثال لے لیں۔ یہاں بھی جنسی بے راہ روی ہے کہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ عام ہوتی جارہی ہے۔

حتیٰ کہ کئی ایک اسلامی ممالک میں بھی۔۔۔! جہاں ایسی بے راہ روی کا تو تصور بھی دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے۔ان میں بھی یہ برائی ہے کہ زیادہ سے زیادہ عام ہوتی جارہی ہے۔

اور نبی ءکریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس برائی کی وجہ سے ایسی بیماریاں ظاہر ہوں گی جن کے متعلق لوگوں نے کبھی کچھ سُنا بھی نہ ہوگا۔(سوچیے۔۔۔!) کیا آج یہی صورتحال

نہیں ہے؟

''ایڈز'' کی مثال لے لیجئے۔۔۔

وہ بیماریاں جن کے متعلق لوگوں نے کبھی کچھ سُنا ہی نہ ہوگا۔۔ یہ بیماریاں صرف اس جنسی بے راہ روی کی وجہ سے پیدا ہوں گی۔۔اور یہ بات بھی بالکل ویسے ہی ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرما دی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتیں برہنہ ہوں گی اس کے باوجود کے انہوں نے لباس پہن رکھا ہوگا۔۔ میرا نہیں خیال کہ آج کل کی کچھ خواتین کے لباس کو اس سے بہتر انداز میں بیان کیا جا سکتا ہو۔ جو ہر ہر حوالے سے عریانی کی ایک صورت ہی تو ہے!

ان کے اجسام پر ان کے کپڑے اس حد تک ''تنگ'' اور اتنے چُست ہوتے ہیں کہ ان کے اجسام کے ہر ہر خدوخال کو نمایاں کرتے ہیں۔

(سوچیے۔۔۔!)

ایسے (تنگ اور چست) کپڑے بنانے والی ''ٹیکنالوجی'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تو کوئی وجود ہی نہ رکھتی تھی۔

اس کے باوجود۔۔ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں۔۔(وہ بھی آج سے 1400 سال قبل) کہ عورتوں کے ہاں، بے پردگی، عریانی، برہنگی کس طرح اور کس قدر عام ہو جائے گی۔

اور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسجدوں میں شور شرابہ ہوا کرے گا، جو کہ اسلام میں منع ہے۔۔!!!

یہ وہ بات ہے جس کا میں نے خود ذاتی طور پر مشاہدہ کیا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جاہل ترین لوگ حکمران بن جائیں گے۔

۔۔اور واقعتاً مجھے یہ (بات برملا) کہنے دیجئے کہ اگر آج دنیا کے حکمرانوں کو ہم دیکھیں حتیٰ کہ اگر بڑی بڑی طاقتور ریاستوں "Super Powers" کے حکمرانوں کو ہم دیکھیں تو نبیء کریم ﷺ کا فرمانِ عالیشان بالکل سچا دکھائی دیتا ہے۔۔۔یعنی بدترین اور جاہل ترین لوگ حکمران بنیں گے۔

اور (آج کی دنیا میں) ایسا ہی ہو رہا ہے!۔۔ بالکل ایسے ہی جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے گا جب کہ اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔

یقیناً یہ ایک ایسی بات ہے جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

وہ اپنے دوستوں کی باتوں کو اپنے والد کی بات پر ترجیح دے گا۔

اور یہ تو ایک ایسی بات ہے جسے ہم آج کی مسلم دنیا میں بھی سرعام ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔

(جی ہاں۔۔۔!!!) اس کے باوجود کہ ایسا کرنا اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔

(آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ)

مرد حضرات سونا اور ریشمی لباس پہنیں گے اور وہ اس عمل کو جائز قرار دیں گے۔۔۔ اس کے باوجود کہ نبیء کریم ﷺ نے تو (مرد حضرات کے لیے سونا اور ریشمی لباس) ناجائز قرار دیا ہے۔

لوگ معمولی معمولی سے دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے دین کو بیچ ڈالیں گے۔

۔۔۔اور دینِ اسلام پر چلنا، دہکتے ہوئے انگاروں کو ہاتھوں میں پکڑنے کے مترادف ہو گا۔۔ میں نے یہ تو محض چند ایک علامات کا ذکر کیا ہے مگر نبیء کریم ﷺ نے تو قربِ قیامت کی ایسی ہی کئی اور (چھوٹی بڑی) علامات کی پیشین گوئی فرمادی ہے۔

اور اگر ہم حقیقت کو پہچاننا چاہیں تو۔۔صرف اور صرف یہی، علامات جن کا میں ذکر کر چکا ہوں۔۔ یہ ساری کی ساری باتیں۔۔ بغیر کسی مبالغہ آرائی کے۔۔کیا کھلے عام، بالکل واضح انداز میں، سب کی سب سچ ثابت نہیں ہو چکی ہیں!

میں اب مختصر سا وقت نبیء کریم ﷺ کے (کچھ) معجزات کا ذکر کرنے کے لیے مختص کرنا چاہتا ہوں۔

ویسے تو سب سے بڑا معجزہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا گیا وہ تو ہے قرآنِ مجید! لیکن اس (عظیم ترین معجزے) کے علاوہ بھی آپ ﷺ کو دیگر کئی اور معجزات عطا کئے گئے جو کہ مستند ہیں!! مسلمہ ہیں!!!

ان میں سے کچھ معجزات (جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے لوگوں کو دکھائے) تو ایسے بھی ہیں جن کے متعلق بہت سارے لوگوں کو بہت کم واقفیت ہے۔

مثال کے طور پر آپ ﷺ کی پیدائش پر، جب حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کو اپنی گود میں لیا تو ان کے حالات یکسر بدل گئے۔۔۔!

حضرت حلیمہ سعدیہ وہ واحد دائی تھیں جو آپ ﷺ کو گود لینے پر رضامند ہوئی تھیں۔۔ حالانکہ آپ تو پیدائشی یتیم تھے۔ چونکہ آپ ﷺ یتیم تھے اس لئے کسی کو بھی آپ ﷺ کی پرورش (کے صلے میں) کسی بھی اجرت کی توقع نہ تھی۔۔۔لیکن ایسے حالات میں بھی حضرت حلیمہ نے ان کو (پرورش کے لیے) اپنی گود میں لے لیا۔

اور یہ عربوں کی روایت تھی کہ وہ اپنے (نومولود) بچوں کو صحرا میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ وہاں بدو عورتوں کے ہاں صحت افزا مقام پر بہتر سے بہتر پرورش پا سکیں۔ سو، ایسے میں حضرت حلیمہ سعدیہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ انہیں تو کوئی خاص معاوضہ بھی نہیں ملے گا۔۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کی ذمہ داری لے لی۔

انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی گود کیا لیا ان کے تو حالات ہی یکسر بدل گئے! حتیٰ کہ ان کے قبیلے کی بکریاں موٹی تازی ہونا شروع ہو گئیں۔ جہاں بھی چرنے کو جاتیں انہیں چارہ مل جاتا۔

حضرت حلیمہ بذاتِ خود قدرتِ خداوندی سے، پہلے کی نسبت کہیں زیادہ چاک و چوبند اور صحت مند ہو گئیں حتیٰ کہ ان کے اپنے دودھ کی مقدار بڑھ گئی۔ اور جیسے جیسے نبیءِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ رہتے تو وہ (یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دیگر ایسی کئی عنایات کا مشاہدہ کرتی تھیں!

انہوں نے اپنے خاوند اور اپنے قبیلے کو بھی ان عنایات سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ ہمیں تو واقعی کوئی نہایت ہی خوش بخت بچہ ملا ہے۔

نبوت عطا ہونے سے پہلے ہی سنگریزے (نبیءِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) مخاطب کر کے عرض کیا کرتے تھے کہ

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اور اسی طرح کی کئی اور باتیں بھی ہوئیں۔

یہ باتیں۔۔ دراصل نبیءِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات تھے! سچے اور کھرے معجزے۔ مستندترین معجزات جو نبیءِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے رونما ہوئے۔۔۔!!!

ہم حضرت محمد ﷺ کے مستند ترین معجزات کی بات کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہ باتیں۔۔ جو آپ ﷺ کے اصحاب نے ، جو آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔۔۔انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔۔اور پھران کو محفوظ کیا۔

یہی وجہ ہے کہ آج یہ (سب) واقعات ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

اور ہم ان معجزات میں سے (اب) صرف چند ایک معجزات کا ذکر کریں گے کیونکہ (معذرت کے ساتھ) وقت اتنا کم ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ہر ہر معجزے پر تفصیلی گفتگو کرنے سے قاصر ہیں۔سو، ہم ان معجزات میں سے،صرف چند ایک کا ذکر کریں گے۔

ایک انتہائی مشہور واقعہ ہے کہ نبیء کریم ﷺ بڑی باقاعدگی کے ساتھ مدینہ کی ایک مسجد میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔وہاں (مسجد میں) لکڑی کا ایک ایسا ستون تھا جس کے ساتھ آپ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کریں تو یہ اور زیادہ بہتر ہوگا۔

سو، آپ ﷺ کے اصحاب نے آپ کے لئے چند سیڑھیوں کا منبر بنا دیا۔

اب ، نبیء کریم ﷺ اس منبر کی طرف تشریف لاتے، اس کی سیڑھیوں پر چڑھتے اور اس (منبر) پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے۔

۔۔۔(ایک دفعہ ایسا ہوا کہ) جب آپ ﷺ اس منبر کی طرف تشریف لے گئے، اور اس کی سیڑھیوں پہ چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمانے لگے۔۔۔تو۔۔۔وہ ستون، جس کے ساتھ آپ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے۔۔اس میں سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

نبیء کریم ﷺ (منبر سے نیچے اترے اور) اس ستون کے پاس تشریف لے گئے۔

اس پر اپنا دستِ شفقت رکھا۔۔ جب کہ وہ ستون واقعی نبیء کریم ﷺ کی جدائی میں رو رہا تھا۔ کیوں بھلا۔۔؟

کیونکہ نبیء کریم ﷺ اب اس کے ساتھ ٹیک جونہیں لگایا کرتے تھے۔

یوں۔۔۔لکڑی کے اس ستون نے دکھ محسوس کیا۔ کیوں۔ کیونکہ نبیء کریم ﷺ نے اسے (اب) چھوڑ جو دیا تھا (۔۔۔سو، وہ آپ کی جدائی کا غم برداشت نہ کر سکا اور رو پڑا۔ مترجم!!) یہ ایک حیران کن اور معجزانہ بات ہے کہ لکڑی کے اس ستون سے نکلنے والی رونے کی آوازیں سنی گئیں۔!

کئی ایسی احادیثِ مبارکہ ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ جانور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اپنی اپنی شکایات پیش کیا کرتے تھے۔

اس کی ایک مثال دی جاتی ہے کہ نبیء کریم ﷺ کے ایک ساتھی نے کسی پرندے کے گھونسلے سے اس کے انڈے چرا لیئے۔ وہی پرندہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سرانور کے اردگرد پھڑ پھڑاتا ہوا دیکھا گیا۔ نبیء کریم ﷺ نے پوچھا کہ کس نے اس پرندے کے گھونسلے سے اس کے انڈے اٹھائے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے اس صحابی کو (جس نے انڈے اٹھائے تھے)۔۔۔وُہ انڈے واپس (اُسی) گھونسلے میں رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا (جہاں سے اُس نے اٹھائے تھے)۔۔ کیوں۔۔ کیونکہ وہ مادہ پرندہ اس (صحابی) کی اس حرکت پر بہت بے چین و بے قرار تھی۔

اسی طرح، ایک مرتبہ ایک اونٹ نے نبیء کریم حضرت محمد ﷺ سے اپنے مالک کی شکایت کی کہ وہ اس پر بہت زیادہ بوجھ لادتا ہے۔ اس پر نبیء کریم ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا۔ خبردار کیا۔۔۔ کہ ہم ان جانوروں پر جو ہماری ملکیت میں ہوں۔۔ان پر قطعاً کوئی

ظلم نہ کریں۔اور ہمیں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اُن پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔

ایک اور بہت ہی دلچسپ واقعہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی قریبی صحابی تھے وہ (غربت وافلاس کی وجہ سے) اکثر اوقات فاقوں سے رہا کرتے تھے۔

کبھی کبھی تو (انہی فاقوں کی وجہ سے) وہ مسجد کے دروازے پر بے ہوشی کے عالم میں یوں گرے ہوئے پائے جاتے کہ لوگ انہیں دیوانہ، پاگل سمجھتے ہوئے، انہیں لتاڑتے ہوئے گذر جاتے تھے۔

ایک دن یوں ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔۔ وہ کسی کو یہ بتانا بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ (مسلسل) فاقوں کی وجہ سے قریب المرگ ہو چکے ہیں۔

سو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے قرآنِ مجید میں سے ایک سوال پوچھا۔اس امید پر کہ شاید ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن کے مدعا کو سمجھ جائیں گے۔مگر وہ نہ سمجھ سکے۔

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے گئے۔لیکن وہاں بھی یہی معاملہ ہوا۔(یعنی وہ بھی ان کا مدعا نہ سمجھ سکے۔مترجم)

جب وہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آؤ، میرے ساتھ چلو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر چلنے کو کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے پوچھا کہ کیا گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے؟

ازواجِ مطہرات کے پاس دودھ کے ایک پیالے کے سوا کچھ نہ تھا!!!

(سوچیئے۔۔۔!!!)

یہ ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے گھر کا حال!!!

رسولِ خدا کے اپنے گھر میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر ازواجِ مطہرات کے ہاں کھانے کے لیے دودھ کے ایک پیالے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔!!!

اس پر رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ یہ (دودھ کا پیالہ) مجھے دے دو!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ اور باہر بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی بلا لاؤ۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب کے سب غریب، مفلس نادار تھے اور جو مسجد کے پاس ہی سویا کرتے تھے۔ (اب) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ اگر میں باہر بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی بلا لایا۔۔۔تو میرے لئے تو دودھ نہیں بچے گا۔ اس پیالے میں تو اتنا ہی دودھ ہے جو مشکل سے میرے لئے ہی کافی ہو سکے گا، چہ جائیکہ یہ دیگر لوگوں کو بھی پلایا جائے۔

لیکن پھر انہوں نے سوچا کہ انہیں لازماً نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ سو، انہوں نے عرض کیا۔ کہ جی میں ان کو بلا لاتا ہوں۔ کیونکہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی یہی تھا۔

سو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان ساتھیوں کو بھی بلا لائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بائیں طرف بٹھا دیا۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق جب ہم کوئی چیز کسی دوسرے کو پکڑاتے ہیں تو دائیں طرف سے شروع کرتے ہیں۔

سو نبیء کریم ﷺ نے دائیں طرف سے (شروع کرتے ہوئے) دودھ کا پیالہ صحابہ کرام کو تھما دیا اور وہ تمام اپنی اپنی باری پر (خوب سیر ہو کر) اس پیالے میں سے دودھ پیتے رہے۔ ہر دفعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہی سوچتے کہ بس اب میرے لئے دودھ نہیں بچے گا۔ (اب دودھ نہیں بچے گا۔۔۔مترجم)

بالآخر دودھ کا وہ پیالہ۔۔۔(ان کی باری آنے پر) ان تک پہنچ گیا۔انہوں نے اس سے (خوب سیر ہو کر) دودھ پیا۔محمد رسول اللہ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دوبارہ پیئو۔۔!اور انہوں نے دوبارہ دودھ پیا۔

پھر تیسری مرتبہ کے لیے رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ایک مرتبہ پھر پیئو۔۔

لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ ﷺ) میں اب اور نہیں پی سکتا۔میرا پیٹ بھر چکا ہے۔ یہ ہے ایک معجزہ!

یقیناً یہ ایک معجزہ ہے کہ کس طرح تھوڑا سا دودھ اتنے زیادہ لوگوں کی بھوک مٹانے کو کافی ہو گیا۔

اور ایسا واقعہ محض کوئی ایک مرتبہ نہیں ہوا!!!

اسی طرح نبیء کریم ﷺ نے شبِ معراج کو ایک معجزانہ سفر کیا۔

مکہ سے یروشلم تک اور پھر یروشلم سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پانچ نمازیں عطا کیں۔اور آپ ﷺ نے جنت میں کئی ایک باکمال چیزوں کا مشاہدہ کیا۔

اس پر، اکثر لوگ، جنہوں نے اس واقعے سے متعلق کچھ سنا تھا۔۔۔انہوں نے تو اسلام سے متعلق طرح طرح کی غلط باتیں کرنا شروع کر دیں۔

حتیٰ کہ ایسے ہی کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ۔۔

اے، ابوبکر، تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ تمہارا دوست اب کیا کہتا پھر رہا ہے۔۔۔؟ وہ تو اب کہتا پھر رہا ہے کہ وہ ایک ہی رات میں یروشلم تک اور پھر وہاں سے آسمانوں تک کا سفر بھی کر آیا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ اگر نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے کہ اُنہوں نے ایسا کیا ہے تو پھر یقینا ایسا ہی ہوا ہے کیونکہ وہ تو کبھی جھوٹ بولتے ہی نہیں ہیں۔۔۔!!!

خیر۔۔۔لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ٹھیک ہے اگر ایسا ہوا ہے تو پھر اسے ثابت کرو۔۔۔!

اس پر نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹوں کے ایک قافلے کا ذکر کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے میں دیکھا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قافلے کے متعلق بتایا کہ وہ کیسا لگتا تھا۔۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو یروشلم کے متعلق بھی بتایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ یروشلم کیسا دکھائی دیتا تھا۔۔

دو دن کے بعد وہی قافلہ پہنچ گیا اور یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسا کہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔

اور پھر جب لوگوں نے کاروان والوں سے پوچھا کہ آیا وہ یروشلم سے آرہے ہیں تو پھر انہوں نے (یعنی کاروان والوں نے) لوگوں کو یروشلم کے متعلق بھی بتایا کہ وہ کیسا ہے۔

اور ان کی یہ منظر کشی بالکل ایسے ہی تھی جیسا کہ نبیء کریم ﷺ ارشاد فرما چکے تھے۔

اسی طرح ایک اور بہت بڑا معجزہ جو نبیء کریم ﷺ کو عطا کیا گیا وہ ہے چاند کو دو ٹکڑے کرنا۔

مشرکینِ مکہ بار بار آپ ﷺ کو کوئی معجزہ دکھانے کو کہا کرتے تھے۔

سو، بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک معجزہ عطا فرمایا اور آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

آسمان کے دونوں اطراف میں چاند کا ایک ایک ٹکڑا تھا۔

لیکن مشرکین مکہ اتنے بڑے معجزاتی کرشمے کے باوجود ایمان نہ لائے۔

خیر۔۔۔ یہ تو نبیء کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزات میں سے محض چند ایک کا ذکر تھا۔

کیونکہ میں نے ان معجزات کا ذکر صرف اور صرف اپنی بات کو مکمل کرنے کے لئے کیا ہے۔

(اور ایسا میں نے) ان لوگوں کے لیے کیا ہے جو (اس مرحلے پر) ہوسکتا ہے اب کچھ سوچ رہے ہوں۔ ان کے لیے جو انتہائی انہماک، یکسوئی اور سنجیدگی سے اب کچھ غور وفکر کر رہے ہوں۔

کیونکہ ہمارے اس پروگرام کی تمام تر اقساط۔۔ (یعنی تقاریر، بیانات)۔۔ بھی تو (ایک) معجزاتی کرشمہ ہی تو تھیں!

(دلائل و براہین سے مزین) وہ تمام تر ثبوت اور شہادتیں جو ہم لوگوں نے آپ کی خدمت میں پیش کیں جن کی مدد سے اور جن کے حوالے سے آپ یہ جان پائے

کہ قرآن واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ ہونے کا اس کو دعویٰ ہے یعنی یہ اللہ کا کلام ہے۔

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بالکل ایسے ہی ہیں جیسا کہ ہونے کا انہیں دعویٰ ہے۔۔۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم الانبیاء ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام تر بنی نوع انسان کی بھلائی اور بہتری کے لئے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

ہم نے کچھ ایسے موضوعات پر بھی بات کی جو (یقینا) دل دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ ان میں کچھ موضوعات ایسے بھی تھے جو بہت پراسرار تھے ہم نے (اس سلسلہ تقاریر میں) عجیب وغریب (مگر انتہائی دلچسپ) معاملات پر بھی بات کی۔۔!! لیکن اس مرحلے پر، میری دلی تمنا ہے کہ میں آپ سے ایک سوال کروں کہ

وہ کون سے چیز ہے جو آپ کو اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے روک رہی ہے کہ **"بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعتا اللہ کے آخری رسول ہیں۔"**

کیا یہ کسی خوف کی کوئی کیفیت ہے؟

کیا آپ ڈر رہے ہیں۔۔؟

کیا آپ اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو میرے بارے میں لوگ کیا کہیں گے؟

جہاں میں نوکری کرتا ہوں، وہاں میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔۔۔!!!

سکول میں میرے ساتھ کیا ہو گا۔۔۔!!!

میرے گھر پر میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔۔۔!!!

میرے والدین میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔۔۔!!!

۔۔۔کیا آپ کو ایسی کسی پریشانی اور خوف کا سامنا ہے؟۔۔۔جو آپ کو دینِ اسلام کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے روک رہا ہے۔۔۔!!!

اے میرے پیارے احباب۔۔۔!!!

آپ کو تو سب سے زیادہ خوف (صرف اور صرف) اللہ تعالیٰ کا ہونا چاہیئے۔۔۔!!!

آپ کو تو سب سے زیادہ اپنے خالق و مالک سے ڈرنا چاہیئے۔۔!!

آپ کو تو سب سے زیادہ دوزخ کی آگ کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے ۔۔ (وہ آگ۔۔۔) جو ان لوگوں کی منتظر ہے جو صراطِ مستقیم (دینِ اسلام) کے منکر ہیں۔

وہ آگ جس میں جلانے کے لئے اللہ تعالیٰ جلد کو جلائے گا پھر نئی جلد پیدا کرے گا۔ (اور ایسا ہی ہوتا رہے گا۔۔) تا کہ وہ لوگ (منکرینِ حق) دوزخ کے عذاب کا۔۔ مزہ (مسلسل) چکھتے ہی رہیں۔

۔۔۔دوزخ۔۔۔ایک ایسی جگہ ہے جہاں کھولتا ہوا پانی لوگوں کے چہروں پر ڈالا جائے گا۔۔اور وہ پانی ان کے چہروں کو جھلس کے رکھ دے گا۔۔اور پورے کے پورے جسم کو جلا ڈالے گا۔

یہ سزائیں ان لوگوں کے لیے مختص ہیں جو دینِ حق کو ٹھکراتے ہیں۔

۔۔۔کیا یہ زیادہ مناسب اور موزوں ترین بات نہیں کہ آپ ان حقائق سے ڈریں!!

کیا آپ اس بات سے (قطعاً) خوفزدہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر عذاب نازل کرے گا ۔۔ جیسا کہ اس نے نوح علیہ السلام کے لوگوں پر، عاد و ثمود، اور حضرت لوط علیہ السلام کی اُمتوں پر عذاب نازل کیا۔۔!

کیا آپ لوگوں کو اس بات کا بھی قطعاً کوئی خوف ڈر نہیں (کوئی پرواہ نہیں) کہ اسی دنیا

میں، اسی زندگی میں بھی آپ پر کوئی آزمائش آسکتی ہے۔

۔۔ہوسکتا ہے یہ آپ کا تکبر ہو۔۔جو آڑے آرہا ہو

۔۔ہوسکتا ہے یہ آپ کا فخر وغرور ہو۔۔!(آپ کی انا ہو۔۔!)

ہوسکتا ہے کہ آپ یہ سوچتے ہوں کہ کسی خاص قبیلے کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک سے آپ کا تعلق اس میں آڑے آرہا ہے!

ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو بہت بااختیار اور طاقت ور سمجھتے ہوں۔

لیکن سب سے زیادہ بااختیار، سب سے زیادہ طاقتور (اور) قادرِ مطلق تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے!!!

کیا آپ نے زمین پر چل پھر کے اُن لوگوں کے انجام کے متعلق کبھی نہیں سوچا جو آپ سے پہلے ہو گذرے ہیں۔۔؟

کتنی بڑی بڑی طاقتور، بااختیار اور مطلق العنان تہذیبیں گذری ہیں۔۔۔وہ سب کی سب آج کہاں ہیں۔۔؟

ان کے پیچھے سوائے کھنڈرات کے کیا بچا۔۔؟

۔۔آج ان کی اس شان وشوکت کے نشانات، اس کے دعوے کہاں ہیں۔۔۔؟

ان کی سائنس، ان کی ٹیکنالوجی، ۔۔الغرض ان کی حکمت و دانائی نے انہیں کیا دیا۔۔؟

کیا فائدہ اگر یہ تمام تر عنائیتں (اور نعمتیں) مل کر بھی دینِ اسلام کی طرف ان کی رہبری ورہنمائی نہیں کرسکیں۔

اس حقیقت کو پہچاننے میں ان کی رہبری نہ کرسکیں کہ

بے شک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

میرے پیارے لوگو۔!!!

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ''تلاشِ حق'' میں مخلص ہی نہیں ہیں۔

آپ کو سرے سے راہِ حق کی تلاش کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ اگر آپ کو کوئی پرواہ ہے بھی تو وہ صرف اور صرف اس دنیا کی چیزوں کی پرواہ ہے؟

لیکن آپ کو فکر کرنی چاہیئے۔۔!!

آپ کو اس دنیا کے معاملات کی بھی پرواہ کرنی چاہیئے کیونکہ (یاد رکھئے گا کہ) اس دنیاوی زندگی کی حقیقی اور ابدی خوشی،۔۔اور اس زندگی کا سکون صرف اور صرف اپنے مالک کی اطاعت، اس کی پہچان اور اسی کی بندگی و پرستش میں پنہاں ہے۔

اس دنیا کے کتنے ہی ایسے (بدبخت) لوگ ہیں جو اس دنیا کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں لیکن وہ اس زندگی کی سب سے عزیز ترین، میٹھی ترین شے کو چکھ ہی نہیں پاتے۔

۔۔اس زندگی کی سب سے میٹھی ترین لذت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچاننا۔۔اور پھر اس کے (نازل کردہ) دینِ ہدایت (یعنی دینِ اسلام) کی پیروی کرنا۔۔اور اس کی (طرف سے نازل کردہ) کتابِ ہدایت (قرآنِ مجید) کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے۔۔وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی ہے۔۔

سب سے آخر میں، میں آپ سے جو آخری بات کر سکتا ہوں وہ یہی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے دینِ اسلام کو قبول کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ اور یہ تو سب سے بہترین، اطمینان وسکون بخشنے والا، سب سے بہترین اور مکمل ترین وہ طرزِ حیات ہے جس کی کہ کوئی انسان بس تمنا ہی کر سکتا ہے۔

میں آپ سے صرف ایک کام کرنے کی التجا کرتا ہوں۔

(کہ آپ لوگ) دل کی اتھاہ گہرائیوں سے، اپنی روح سے، اپنے دماغ سے۔۔ اللہ کے حضور دعا کریں۔۔۔ مگر گڑگڑا کر۔۔۔ عجز و انکساری کے ساتھ، خلوصِ نیت کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اس کے حضور گڑگڑائیں۔ اور اس سے عرض کریں

کہ

اے مالک!

مجھے سیدھا راستہ دکھا!

میرے دل کو سچائی کی قبولیت کے لئے کھول دے۔۔۔!!!

اگر اسلام دینِ حق ہے تو اس کو قبول کرنے کی طرف میری رہنمائی فرما۔ اور مجھے اس پر اطمینان وسکون عطا فرما۔۔۔!!!

اے خداوندِ کریم۔۔ اے خالقِ ارض وسماء۔۔۔!!!

اگر یہ دین ہی دینِ برحق ہے تو مجھے اس دین پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اور ایک سچا، پکا اور مخلص مسلمان ہونے میں میری مدد فرما۔

اللہ کے حضور دعا ہے کہ وہ میری اور آپ سب کی ہمیشہ سچے دین کی طرف رہنمائی فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

اللہ کے حضور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر ہمیشہ ہمیشہ سلامتی ہو۔ اور اس کی طرف سے آپ پر اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔

ختم شد

نومسلم شیخ عبدالرحیم گرین سلفی کی Peace TV Channal پر سلسلہ وار نشر کی گئی ان تقاریر کا ترجمہ جن کا نام انہوں نے خود

"The Proof That Islam Is The Truth" رکھا ہے۔

شیخ عبدالرحیم گرین نے چونکہ دنیا میں پائے جانے والے بڑے بڑے ادیان کے تقابلی جائزے کے بعد اسلام قبول کیا ہے، اسی لیے ان تمام تر بیانات میں وہ تاریخ، سائنس، قرآن وسنت اور بائبل کے حوالہ جات کی روشنی میں ایسے قطعی دلائل اور ٹھوس شواہد پیش کرتے ہیں کہ صراطِ مستقیم کی طلب اور تڑپ رکھنے والے ہر شخص کے لیے ان میں پیغامِ ہدایت ہے۔

اسلام کے اخلاقی طرزِ زندگی، حفاظتِ قرآنِ مجید اور حفاظت حدیث رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتے ہوئے، قرآن وسنت میں بیان کردہ مسلمہ سائنسی حقائق اور علاماتِ قیامت کے علاوہ بائبل کے ابواب میں سے وہ ایسے حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ جنہیں پڑھنے حق شناس ہر قاری یہ پکار اٹھتا ہے کہ

"بے شک اسلام ہی دین برحق ہے۔"

Peace tv
The Solution for Humanity



مذاہبِ عالم کے عمیق تقابلی مطالعے کے بعد عیسائیت کو چھوڑ کر دینِ اسلام قبول کرنے والے نومسلم

برادر الشیخ عبدالرحیم گرین سلفی

کے Peace TV Channel پر نشر کیے گئے سلسلہ وار بیانات

The Proof That Islam Is The Truth

کا اردو ترجمہ جن میں وہ اسلام کے اخلاقی طرزِ زندگی، حفاظتِ قرآنِ مجید
اور حفاظتِ حدیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتے ہوئے،
قرآن و حدیث میں بیان کردہ مسلّمہ سائنسی حقائق اور
نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی علاماتِ قیامت کے علاوہ
بائبل کے ابواب میں سے ایسے ایسے مستند حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ
جنہیں سننے، جاننے یا پڑھنے کے بعد ہر ذی شعور حق شناس بالآخر یہ پکار اٹھتا ہے کہ

”بے شک اسلام ہی دینِ برحق ہے“

4 شیش محل روڈ، لاہور 54000
Ph.: 042-7237184, 7230271 Fax: 042-7227981
E-mail:alsalafiyyah@yahoo.com